BNIS402DET

ہندوستانی مسلم تحریکات

(Indian Muslim Movements)

بی۔اے۔(آنرس)

چار سالہ پروگرام

چوتھا سمسٹر (اسلامک اسٹڈیز)

مرکز برائے فاصلاتی اور آن لائن تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

حیدرآباد-32، تلنگانہ، بھارت

Copyright © 2026, Maulana Azad National Urdu University, Hyderabad
All right reserved. No part of this publication may be reproduced or transmitted in any form or by any means, electronically or mechanically, including photocopying, recording or any information storage or retrieval system, without prior permission in writing form the publisher (registrar@manuu.edu.in)

ISBN : 978-81-689664-7-5
Course : Indian Muslim Movements
First Edition : July 2026
Copies : 2000
Price : 115/- (The price of the book is included in admission fee of distance mode students)

Course Coordinator

Dr. Alim Ashraf, Prof. (Arabic), Dept. of Arabic, MANUU

Editorial Board/Editors

Prof. Abdul Ali, Former Head, Dept. of Islamic Studies, AMU, Aligarh

Prof. Mohammad Ishaque
Prof. of Islamic Studies, JMI, New Delhi

Prof. Mohammad Habib, HOD, Dept of Islamic Studies MANUU

Prof. Mohd. Fahim Akhter
Dept. of Islamic Studies, MANUU

Prof. Ghazanfar Ali Khan
Dept. of Islamic Studies, Kashmir Campus, MANUU

Prof. Ziauddin
Dept. of Islamic Studies, Aligarh Muslim University, Aligarh

Dr. Mohammad Haziq
Assistant Professor, Islamic Studies, CDOE, MANUU

Dr. Syeda Amina
Assistant Professor (Contractual) Islamic Studies, CDOE, MANUU

Production

Prof. Nikhath Jahan,
Professor (Urdu),
CDOE MANUU

Mr. P Habibulla,
Assistant Registrar, Purchase & Stores Section, MANUU

Dr. Mohd Akmal Khan,
Assistant Professor (C),
CDOE MANUU

Mohd Abdul Naseer,
Section Officer, CDOE MANUU

Shaik Ismail,
UDC, CDOE, MANUU

Syed Faheemuddin, LDC,
Purchase & Stores Section, MANUU

On behalf of the Registrar, Published by:

Centre for Distance and Online Education

Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli, Hyderabad-500032 (TG), India
*Director:*dir.dde@manuu.edu.in*Publication:*ddepublication@manuu.edu.in
Phone number: 040-23008314 Website: manuu.edu.in

CRC Prepared by the Dr. Mohammad Haziq, Faculty Islamic Studies, CDOE, MANUU
Printed at: Print Time & Business Enterprises, Hyderabad

فہرست

پیغام	وائس چانسلر، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی	5
پیغام	ڈائرکٹر، مرکز ابرائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم	6
کورس کا تعارف	کورس کوآرڈی نیٹر (اسلامک اسٹڈیز)	7

اکائی نمبر	اکائی کا نام	مصنف	صفحہ نمبر
1۔	جمعیت العلماء	ڈاکٹر عبد الرقیب	9
2۔	امارت شرعیہ	ڈاکٹر جمشید احمد	25
3۔	سنی بریلوی جماعت	ڈاکٹر صلاح الدین	45
4۔	تبلیغی جماعت	ڈاکٹر صالح امین	63
5۔	جماعت اسلامی ہند	ڈاکٹر محمد حاذق	78
6۔	مرکزی جمعیت اہل حدیث	ڈاکٹر محمد رحمت	91
7۔	دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء	ڈاکٹر محمد حاذق	107
8۔	علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، جامعہ ملیہ اسلامیہ	ڈاکٹر ریحان اختر، ڈاکٹر وحید اللہ ملتانی	122
	نمونہ امتحانی پرچہ		139

مصنفین کی تفصیلات

(Writer's Details)

Dr. Abdur Raqueeb, Hyderabad	ڈاکٹر عبد الرقیب، حیدرآباد
Dr. Jamshed Ahmad, Asst. Prof, Dept of Arabic, University of Mumbai, Mumbai	ڈاکٹر جمشید احمد، اسسٹنٹ پروفیسر، یونیورسٹی آف ممبئی، ممبئی
Dr. Mohammad Salahuddin, Hyderabad	ڈاکٹر محمد صلاح الدین، حیدرآباد
Dr. Saleh Ameen, Research Associate (D,T,T,LP) MANUU, Hyderabad	ڈاکٹر صالح امین، ریسرچ ایسوسی ایٹ، (ڈی ٹی ایل پی) مانو حیدرآباد
Dr. Mohammad Haziq, Asst. Prof, Islamic Studies, CDOE, MANUU	ڈاکٹر محمد حاذق، اسسٹنٹ پروفیسر، سی ڈی او ای، مانو
Dr. Rahmatullah, Asst. Prof, (Cont.) Aligarh Muslim University, Aligarh	ڈاکٹر محمد رحمت، اسسٹنٹ پروفیسر (کانٹریکچول) شعبہ اسلامک اسٹڈیز، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ
Dr. Raihan Akhter, Asst. Prof, Dept of Sunni Theology, AMU Dr. SS. Waheedullah Hussaini Multani, Senior Faculty Member, Henry Martin Institute, HYD	ڈاکٹر ریحان اختر، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ تھیالوجی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ ڈاکٹر وحید اللہ حسینی ملتانی، سینیر فیکلٹی ممبر ہنری مارٹن انسٹی ٹیوٹ، حیدرآباد

نوٹ: زیر نظر کتاب کا علمی مواد (**Study Material**) مختلف مصنفین نے تیار کیا ہے اور اس سے کو آرڈی نیٹر وایڈیٹر کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

پروف ریڈرس (Proofreaders):

اول : ڈاکٹر سیدہ آمنہ

دوم : ڈاکٹر محمد حاذق

ٹائٹل پیج (Title Page):

ابراہیم اکرم صدیقی

پیغام

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی (MANUU) 1998 میں پارلیمنٹ کے ایک ایکٹ کے ذریعے قائم کی گئی۔ یہ ایک مرکزی جامعہ ہے جس نے این اے اے سی کی جانب سے گریڈ +A حاصل کیا ہے۔ اس جامعہ کے قیام کے مقاصد ہیں: (1) اردو زبان کا فروغ، (2) پیشہ ورانہ اور تکنیکی تعلیم کو اردو میڈیم میں قابل رسائی اور دستیاب بنانا، (3) روایتی اور فاصلاتی طریقۂ تعلیم کے ذریعے تعلیم فراہم کرنا، اور (4) خواتین کی تعلیم پر خصوصی توجہ دینا۔ یہ وہ نکات ہیں جو اس مرکزی جامعہ کو دیگر تمام مرکزی جامعات سے ممتاز کرتے ہیں اور اسے ایک انفرادیت بخشتے ہیں۔ قومی تعلیمی پالیسی 2020 میں بھی مادری زبانوں اور علاقائی زبانوں میں تعلیم حاصل کرنے پر زور دیا گیا ہے۔

اردو کے ذریعے علم کے فروغ کا مقصد یہی ہے کہ اردو جاننے والے طبقے کے لیے عصری علوم اور مضامین تک رسائی آسان بنائی جائے۔ ایک طویل عرصے تک اردو میں درسی مواد کی کمی رہی ہے۔ اردو یونیورسٹی کے پاس اب اردو میں 350 سے زیادہ کتابوں کا ذخیرہ موجود ہے اور ہر سمسٹر کے ساتھ اس تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔

اردو یونیورسٹی این ای پی 2020 کے وژن کے مطابق مادری / گھریلو زبان میں تعلیمی مواد فراہم کرنے کے قومی مشن کا حصہ بننے کو اپنے لیے ایک اعزاز سمجھتی ہے۔ مزید یہ کہ اردو بولنے والا طبقہ اردو میں مطالعہ کے مواد کی عدم دستیابی کے سبب نئے اُبھرتے شعبوں اور جدید تر معلومات کے موجودہ میدانوں میں تازہ ترین معلومات و اطلاعات کے حصول سے محروم نہیں رہے گا۔ مذکورہ بالا میدانوں میں مواد کی دستیابی کی بدولت حصولِ معلومات کا نیا شعور بیدار ہوا ہے جو یقیناً اردو داں طبقے کی دانشورانہ ترقی پر اثر انداز ہو گا۔

فاصلاتی اور آن لائن طلبہ کے لیے تعلیم و تدریس کے عمل کو سہل بنانے کے لیے یونیورسٹی کا سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن (CDOE) اردو اور متعلقہ مضامین میں خود اکتسابی مواد (SLM) کی تیاری کو یقینی بناتا ہے۔

MANUU فاصلاتی اور آن لائن لرننگ کے طلبہ کے لیے SLM بلا معاوضہ فراہم کرتا ہے۔ یہ مواد اُردو کے ذریعے علم حاصل کرنے میں دلچسپی رکھنے والے ہر شخص کے لیے برائے نام قیمت پر دستیاب ہے۔ تعلیم تک رسائی کے دائرے کو مزید پھیلانے کے مقصد سے، اردو / ہندی / انگریزی / عربی میں eSLM یونیورسٹی کی ویب سائٹ پر مفت ڈاؤن لوڈ کے لیے دستیاب رکھا گیا ہے۔

مجھے بے حد خوشی ہے کہ متعلقہ فیکلٹی کی محنت اور مصنفین کے مکمل تعاون کی بدولت FYUG بی۔اے، بی۔ایس سی اور بی۔کام کی کتابوں کی اشاعت کا عمل بڑے پیمانے پر شروع ہو گیا ہے۔ فاصلاتی اور آن لائن لرننگ کے طلبہ کی سہولت کے لیے خود اکتسابی مواد (SLM) کی تیاری اور اشاعت کا عمل یونیورسٹی کے لیے اہمیت رکھتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہم اپنے خود تعلیمی مواد کے ذریعے اردو جاننے والے ایک بڑے طبقے کی ضروریات کو پورا کرنے کے قابل ہوں گے اور اس یونیورسٹی کے مقصدِ قیام کو پورا کریں گے اور اپنے ملک میں اپنی موجودگی کو جائز ٹھہرا سکیں گے۔

نیک تمناؤں کے ساتھ!

پروفیسر سید عین الحسن
شیخ الجامعہ، مانو

پیغام

موجودہ دور میں فاصلاتی تعلیم کو دنیا بھر میں ایک نہایت مؤثر اور مفید طریقۂ تعلیم کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے اور بڑی تعداد میں لوگ اس طریقۂ تعلیم سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے بھی اردو زبان بولنے والے عوام کی تعلیمی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے قیام کے وقت سے ہی فاصلاتی تعلیم کا طریقہ متعارف کرایا۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے 1998 میں ڈائریکٹوریٹ آف ڈسٹنس ایجوکیشن (نظامتِ فاصلاتی تعلیم) کے ساتھ کام کا آغاز کیا اور 2004 سے باقاعدہ پروگرام شروع ہوئے، اس کے بعد مختلف شعبہ جات قائم کیے گئے۔

یو جی سی نے ملک میں نظام تعلیم کو مؤثر طور پر منظم کرنے میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ اوپن اینڈ ڈسٹنس لرننگ (ODL) موڈ کے تحت چلنے والے مختلف پروگرام، جو سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن (CDOE) میں چل رہے ہیں، یو جی سی-ڈی ای بی کے منظور شدہ ہیں۔ یو جی سی-ڈی ای بی نے فاصلاتی اور باقاعدہ تعلیم کے نصاب کو ہم آہنگ کرنے پر زور دیا ہے تاکہ فاصلاتی تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کے معیار کو بہتر بنایا جاسکے۔ چونکہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی ایک دُہرے طرز (ڈوئل موڈ) کی یونیورسٹی ہے جو فاصلاتی اور روایتی دونوں طریقۂ تعلیم کی خدمات فراہم کرتی ہے، اس لیے اپنے مقاصد کو یو جی سی-ڈی ای بی کے رہنما خطوط کے مطابق حاصل کرنے کے لیے اس نے چوائس بیسڈ کریڈٹ سسٹم (CBCS) متعارف کرایا گیا جس کا خود اکتسابی مواد (Self Learning Materials) یو جی سی کے قوانین اور کریڈٹ فریم کے مطابق نئے سرے سے تیار کیے جاچکا ہے۔

سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن (CDOE) کل انیس (19) پروگرام پیش کرتا ہے جن میں یو جی، پی جی، بی ایڈ، ڈپلومہ اور سرٹیفکیٹ پروگرام شامل ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ تکنیکی مہارتوں پر مبنی پروگرام بھی شروع کیے جارہے ہیں۔ سی ڈی او ای نے جولائی 2025 سے این ای پی-2020 کے مطابق چار سالہ یو جی پروگرام کا آغاز کیا ہے۔ بی اے، بی ایس سی اور بی کام کے آنرز پروگراموں کو این سی ایف کے مطابق ڈیزائن کیا گیا ہے جس سے طلبہ کو آنرز ڈگری حاصل کرنے میں مدد ملے گی۔ سال 2025-2026 سے ایم بی اے پروگرام او ڈی ایل موڈ میں متعارف کرایا گیا ہے۔

مانو نے طلبہ کی سہولت کے لیے نو ریجنل سنٹرز (بنگلورو، بھوپال، دربھنگہ، دہلی، کولکاتا، ممبئی، پٹنہ، رانچی اور سری نگر) اور چھ سب ریجنل سنٹرز (حیدرآباد، لکھنؤ، جموں، نوح، وارانسی اور امراوتی) کا ایک وسیع نیٹ ورک قائم کیا ہے۔ اس کے علاوہ وجے واڑا میں ایک ایکسٹینشن سنٹر بھی قائم کیا گیا ہے۔ ان ریجنل اور سب ریجنل سنٹروں کے تحت ایک سو پچاس سے زیادہ لرنر سپورٹ سنٹر (LSCs) اور بیس پروگرام سنٹر بیک وقت چلائے جارہے ہیں تاکہ طلبہ کو تعلیمی اور انتظامی سہولیات فراہم کی جاسکیں۔ سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن اپنی تعلیمی اور انتظامی سرگرمیوں میں آئی سی ٹی کا بھرپور استعمال کرتا ہے اور اپنے تمام پروگراموں میں صرف آن لائن موڈ کے ذریعے ہی داخلے فراہم کرتا ہے۔

طلبہ کے لیے سیلف لرننگ میٹیریل (SLM) کی سوفٹ کاپی سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن کی ویب سائٹ پر دستیاب کرائی جاتی ہیں اور آڈیو و ویڈیو ریکارڈنگ کے لنک بھی ویب سائٹ پر فراہم کیے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ طلبہ کو ای۔ میل اور واٹس ایپ گروپ کی سہولت بھی فراہم کی جارہی ہے جن کے ذریعے انہیں پروگرام کے مختلف پہلوؤں جیسے کورس رجسٹریشن، اسائنمنٹ، کاؤنسلنگ، امتحانات وغیرہ کے بارے میں مطلع کیا جاتا ہے۔ باقاعدہ کاؤنسلنگ کے علاوہ گزشتہ دو برسوں سے طلبہ کے تعلیمی معیار کو بہتر بنانے کے لیے زائد تدارکی (Remedial) آن لائن کاؤنسلنگ بھی فراہم کی جارہی ہے۔

امید کی جاتی ہے کہ سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن تعلیمی اور معاشی طور پر پسماندہ آبادی کو عصری تعلیم کے دھارے میں شامل کرنے میں ایک اہم کردار ادا کرے گا۔ تعلیمی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے نئی تعلیمی پالیسی (NEP-2020) کے مطابق مختلف پروگرامز میں تبدیلیاں کی گئی ہیں اور توقع ہے کہ اس سے اوپن اینڈ ڈسٹنس لرننگ کے نظام کو مزید مؤثر اور کارآمد بنانے میں مدد ملے گی۔

پروفیسر محمد رضا اللہ خان

ڈائرکٹر، سی ڈی او ای، مانو

کورس کا تعارف

مرکز برائے فاصلاتی اور آن لائن تعلیم، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد کے لیے یہ بات انتہائی باعث مسرت ہے کہ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن (یو جی سی)، ڈسٹنس ایجوکیشن بیورو (ڈی ای بی) کے 2017 ضابطوں اور دوسرے ترمیمی ضوابط 2018 کے مطابق اسلامک اسٹڈیز کے موضوع پر اردو زبان میں درسی مواد تیار کیا گیا ہے۔ یو جی سی ہدایت کے تحت یونیورسٹی کے روایتی اور فاصلاتی نظام تعلیم کے لیے ایک ہی نصاب لازمی قرار دیا گیا ہے؛ تاکہ نہ صرف ان دونوں نظام تعلیم کے طلبہ کا معیار یکساں ہو، بلکہ حصول تعلیم کے لیے فراہم کی جانے والی مختلف سہولیات کے اس دور میں ایک نظام تعلیم کے طلبہ کے لیے دوسرے نظام تعلیم کی طرف منتقلی بھی قابل عمل ہو۔

موجودہ تعلیمی ضروریات کے پیش نظر نئی تعلیمی پالیسی (NEP-2020) کے تحت اسلامک اسٹڈیز کی کتابیں تیار کرائی جارہی ہیں۔ ان ضوابط کے تحت یونیورسٹی میں فراہم کیے جارہے تمام مضامین میں روایتی اور فاصلاتی نظام تعلیم کا ایک ہی نصاب تیار کیا گیا، اور اس کے مطابق درسی مواد کی تیاری کی گئی جو بیک وقت دونوں نظام تعلیم کے طلبہ وطالبات کے لیے استفادہ کا ذریعہ بن سکے۔ یہ مواد بی اے کے چار سالہ (آٹھ سمسٹر) کورس کے لیے تیار کروایا گیا ہے۔ اس درسی مواد کی تیاری میں یونیورسٹی کو ملک بھر کے ماہرین اسلامک اسٹڈیز، دانشوران اور اسلامی علوم پر گہری نظر رکھنے والے علما کی معیاری خدمات حاصل رہیں، اور اس میں اسلامک اسٹڈیز کے تقریباً تمام موضوعات اور پہلوؤں کا جامع احاطہ کیا گیا۔ اس طرح یونیورسٹی کے ذریعے تیار ہونے والا یہ درسی مواد ایک معیاری، ہمہ گیر اور اسلامک اسٹڈیز کے پورے کورس پر محیط بن کر تیار ہوا، جس سے نہ صرف یہ کہ اسلامک اسٹڈیز کے طلبہ وطالبات کی ایک بڑی ضرورت کی تکمیل ہوئی بلکہ اسلامی مطالعات کے میدان میں قابل قدر اضافہ ہوا۔ امید ہے کہ یہ کتاب طلبہ کے لیے معاون ثابت ہوگی۔

اس نصاب کی تیاری میں قدیم نصاب کی خوبیوں کو باقی رکھتے ہوئے ضروری حذف واضافہ اور جدید تحریر کے ساتھ مضامین کی ایسی ترتیب اختیار کی گئی جو دونوں روایتی اور فاصلاتی تعلیم کے نظام کی ضرورت بیک وقت پوری کرسکے۔

یکساں نصاب کی تیاری کے بعد اسی کے مطابق درسی مواد کی تیاری بھی مطلوب تھی جس میں نئے نصاب کے مطابق پرانے تحریر شدہ مواد میں کہیں کم اور کہیں زیادہ حذف وترمیم اور تبدیلی کی ضرورت تھی۔ بعض ذیلی عناوین پر بالکل نئی تحریر لکھنے کی ضرورت تھی اور بعض جگہوں پر مکمل اکائی کے اضافہ کی بھی ضرورت پیش آئی۔ ان سب کے علاوہ مواد کی ترتیب کو نئے نصاب کے مطابق تیار کیا گیا۔ نیز ہر اکائی کے تحت اکتسابی نتائج اور متنوع قسم کے سوالات کے تفصیلی نمونے شامل کیے گئے۔ ان تبدیلیوں کے بعد تیار ہونے والا مواد قدیم وجدید کا مجموعہ بن کر سامنے آیا ہے۔

ہمیں خوشی ہے کہ ہم بی۔ اے۔ کورس کی یہ کتاب آپ کے لیے پیش کررہے ہیں۔ سمسٹر چہارم کے اس دوسرے پرچہ کا عنوان ''ہندوستانی مسلم تحریکات'' ہے۔ یہ روایتی تعلیم کے تحت بی اے سمسٹر چہارم کے لیے ہے۔ اس پرچہ میں کل آٹھ اکائیاں ہیں جن کو دو بلاکوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس میں ہندوستان کی مشہور مسلم تحریکات اور ان کے ذریعہ قائم ہونے والے تعلیمی اداروں سے طلبہ کو آگاہی ہوگی، نیز ان کی خدمات سے متعلق تحریری مواد مہیا کیا گیا ہے۔

پروفیسر سید علیم اشرف

کورس کوآرڈی نیٹر

اکائی 1: جمعیت علمائے ہند

اکائی کے اجزا:

1.0 تمہید

1.1 مقاصد

1.2 قیام

1.2.1 اصول وضوابط

1.3 ترک موالات اور جمعیت علمائے ہند

1.4 جمعیت کی اجلاس اور اس کے مقاصد

1.4.1 ستیہ گرہ اور جمعیت علماء

1.4.2 جمعیت علمائے ہند کا نیا انتخاب

1.4.3 ''ادارہ حربیہ'' جمعیت کا فعال ادارہ

1.4.4 1942ء کی انقلابی تحریک اور جمعیت کا موقف

1.4.5 ما قبل آزادی جمعیت کے دو حصے

1.5 جمعیت علماء ہند کے اغراض اور تعمیری پروگرام

1.5.1 اغراض و مقاصد

1.5.2 تعمیری پروگرام

1.5.3 جمعیت علماء ہند کی دو شاخیں

1.6 جمعیت علماء ہند کے تحت چلائے جانے والے شعبہ

1.7 فرہنگ

1.8 اکتسابی نتائج

1.9 نمونہ امتحانی سوالات

1.9.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات
1.9.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات
1.9.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات
1.10 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1.0 تمہید

برصغیر جنوبی ایشیا میں آزادی کی پہلی تحریک سید احمد رائے بریلوی اور شاہ اسماعیل شہید کی زیر قیادت شروع ہوئی، یہ خالصتاً مذہبی تحریک تھی، جس میں علماء نے بھرپور کردار ادا کیا۔6 مئی 1831ء کو ان دو بزرگ شخصیتوں کی شہادت سے اس تحریک کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔

اس کے بعد علماء نے 1857ء کی جنگ آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اس جنگ میں ناکامی کے بعد صادق پور کے علماء نے سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کی تحریک جہاد کو جاری رکھا، ان علماء کی جدوجہد بھی 1882ء کے مقدمہ امبالہ کے ساتھ ختم ہو گئی۔ ان ہی علماء میں سے چند ایک نے 1866 میں دیوبند میں ایک دارالعلوم کی بنیاد رکھی جس کا مقصد دینی تعلیم کو عام کرنا اور انگریزوں کی غلامی سے ہندوستان کو آزاد کرانا تھا۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن نے پہلی جنگ عظیم کے دوران ہندوستان کی آزادی کا ایک منصوبہ بنایا اور اس مقصد کے حصول کے لیے مولانا عبید اللہ سندھی کو افغانستان بھیجا، لیکن قبل اس کے کہ اس منصوبے پر عمل ہوتا انگریز حکومت کو اس کا علم ہو گیا جس کی وجہ سے مولانا محمود حسن کو مالٹا میں نظر بند کر دیا گیا اور ان کے دوسرے رفقاء کو بھی مختلف قسم کی سزائیں دی گئیں۔

1.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد ہے کہ آپ:

- ہندوستان کی آزادی اور مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت کے لیے جمعیت علمائے ہند کی بنیاد ڈالی گئی، اس سے آگاہی حاصل کر سکیں۔
- ہندوستان کو آزاد کرانے کے لیے جمعیت علمائے ہند نے مختلف تحریکات کا ساتھ دیا اس سے واقفیت ہو سکے۔
- اسی طرح آپ آزادی سے قبل اس تحریک کی صورتحال نیز آزادی کے بعد کے حالات اور اس تحریک کے تحت چلنے والے مختلف اداروں کے بارے میں جانیں۔

1.2 قیام

ہندوستان میں طاقت کے ذریعہ انقلاب برپا کرنے کی آخری تحریک ''تحریک ریشمی رومال'' تھی، اس وقت اس کے علاوہ اور کوئی دوسرا طریقہ نہ تھا، چنانچہ مالٹا کی قید سے واپسی کے بعد جب شیخ الہند ہندوستان واپس آئے، اس وقت ملک میں سیاسی بیداری کی ایک تیز لہر چل پڑی تھی اور ہندوستان ایک نئی کروٹ لے رہا تھا۔ جلیان والا باغ میں نہتے عوام نے سینوں پر گولیاں کھا کر اور خاک وخون میں تڑپ کر جان دے دی تھی، اسی وقت ہندوستانی عوام نے محسوس کر لیا تھا کہ اس شکست میں بھی کامیابی کا ایک رخ ہے۔

مسلمانان ہند طاقت کے ذریعہ انقلاب برپا کرنے کے طریقے سے واقف تھے، اس لئے وہ راہ بھی اختیار کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی اور عدم تشدد کی راہ سے بھی واقف تھے، اس لیے انہوں نے جمعیت علمائے ہند کی بنیاد 1919ء میں ڈالی۔ جس کا پہلا اجلاس 28 دسمبر 1919ء کو پنجاب کے مشہور شہر امرتسر میں مولانا عبد الباری فرنگی محلی کی صدارت میں ہوا۔

خلافت کانفرنس دہلی میں نومبر 1919ء میں منعقد ہوئی، جس کی کاروائیوں سے فارغ ہونے کے بعد کانفرنس میں شریک علماء کی ایک مجلس مشاورت مولانا عبد الباری فرنگی محلی کے صدارت میں منعقد ہوئی، جس میں یہ فیصلہ ہوا کہ علماء کرام کی ایک مستقل تنظیم بنائی جائے، تاکہ وہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مسلمانوں کی رہنمائی کے ساتھ جنگ آزادی سے متعلق کوششیں جاری رکھ سکے۔ اس مشورہ میں 25 علماء کرام نے شرکت کی تھی۔ جو مندرجہ ذیل ہیں۔

مولانا عبد الباری فرنگی محلی۔ مولانا انیس۔ پیر محمد امام سندھی۔ مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی۔ مولانا قدیم بخش بدایونی۔ مولانا خدا بخش مظفر پوری۔ مولانا محمد اکرم۔ مولانا سید داؤد۔ مولانا سلامت اللہ۔ مولانا اسد اللہ سندھی۔ مولانا خواجہ غلام نظام الدین بدایونی۔ مولانا حافظ سعید دہلوی۔ مولانا تاج محمد۔ مولانا مولا بخش امرتسری۔ مولانا میزان الزماں۔ مولانا سید اسماعیل۔ مولانا آزاد بخش۔ مولانا ابوالوفا ثناء اللہ۔ مولانا سید محمد فاخر۔ مولانا کفایت اللہ۔ مولانا سید کمال الدین۔ مولانا محمد ابراہیم دربھنگہ۔ مولانا عبد الحکیم گیاوی۔ مولانا صادق کراچی۔ اور مولانا عبد اللہ۔

مولانا ابوالوفا ثناء اللہ کی تحریک اور مولانا منیر الزماں و دیگر حاضرین کی تائید سے مولانا عبد الباری فرنگی محلی جلسے کے صدر مقرر ہوئے تمام حاضرین جلسہ نے بالاتفاق منظور کیا کہ ایک جمعیت قائم کی جائے، جس کا نام (جمعیت علمائے ہند) رکھا جائے، جو تمام ہندوستان میں کام کرے اور ہر گوشۂ ملک میں اس کے ارکان اور شاخیں ہوں اور مسلمانوں کے فلاح و بہبود کے ذرائع وسائل پر غور کر کے سچی مذہبی خیر خواہی اور ہمدردی کے ساتھ ان کی رہنمائی کرے۔ چنانچہ اسی وقت تمام حاضرین نے جمعیت کی رکنیت منظور کر لی اور اس طرح جمعیت علماء ہند قائم ہو گئی۔

اس کے عارضی صدر مولانا کفایت اللہ کو بنایا گیا جبکہ ناظم کے عہدے پر مولانا احمد سعید دہلوی صاحب منتخب ہوئے اس تنظیم کی پہلی باقاعدہ نشست نومبر 1920ء میں دہلی میں ہوئی، جس میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب کو صدر اور مفتی کفایت اللہ صاحب کو نائب صدر اور مولانا احمد سعید صاحب کو ناظم بنایا گیا۔ شیخ الہند کے انتقال کے بعد چھ ستمبر 1921ء کو مجلس منتظمہ کے جلسے میں تیسرے

اجلاس کے انعقاد تک مفتی کفایت اللہ صاحب کو صدر اور نائب کے عہدے پر خدمت انجام دیتے رہنے کے لیے مامور کیا گیا، جب کہ یہ مجلس لکھنؤ میں منعقد ہوئی تھی۔ پھر جمعیت علماء ہند کے مسند صدارت پر سات جون 1960ء تک حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب ہی مامور رہے جو تقریباً 20 سال کے عرصے پر محیط ہے۔

1.2.1 اصول وضوابط

جمعیت کے ابتدائی اصول اور آئین کفایت اللہ دہلوی نے مرتب کئے تھے۔ چنانچہ جمعیت کے امرتسر میں منعقدہ اجلاس عام میں طے پایا تھا کہ ان کو شائع کر کے علماء کی ایک جماعت کے آرا جمع کر کے اس پر اگلے اجلاس میں دوبارہ بحث کی جائے۔

محمود حسن دیوبندی کے زیر صدارت دہلی میں منعقد جمعیت کے دوسرے اجلاس میں اصول وضوابط کی توثیق کی گئی، اور یہ بات طے پائی کہ اس تنظیم کو "جمعیت علماء ہند" کہا جائے گا، اس کا صدر دفتر دہلی میں ہو گا اور اس کی مہر پر الجماعت المرکزیہ لعلماء الہند (علمائے ہند کی مرکزی کونسل) لکھا ہوا ہو گا، اس کا مقصد کسی بھی بیرونی یا اجنبی خطرے سے اسلام کا دفاع اور سیاست میں اسلامی اصولوں کے ذریعہ عام لوگوں کی رہنمائی ہو گی۔

1.3 ترک موالات اور جمعیت علمائے ہند

خلافت کانفرنس کا انعقاد 9 جون 1920ء میں الہ آباد کے سرزمین پر ہوا، جس میں متفقہ طور پر ترک موالات کا اصول منظور کیا گیا اور ایک کمیٹی بنائی گئی، جس کے ذمہ یہ کام دیا گیا کہ وہ ترک موالات کے اصول اور پروگرام واضح طور پر مرتب کریں، چنانچہ 22 جون 1920ء کو مسلمانوں نے وائسرائے کو پیغام بھیجا کہ اگر یکم اگست 1920ء تک ترکوں کی شکایات رفع نہیں ہوتی تو تحریک عدم تعاون شروع کر دیا جائے گا۔ 30 جون 1920ء کو دوبارہ خلافت کمیٹی کا جلسہ الہ آباد میں منعقد ہوا اور یہ فیصلہ ہوا کہ ایک مہینہ کی نوٹس دے کر ترک موالات کا پروگرام شروع کر دیا جائے۔

یکم اگست کو نوٹس دے دیا گیا اور 31 اگست 1920ء کو تحریک عدم تعاون شروع ہوا، مسلمانوں کے جوش وخروش کا یہ عالم تھا کہ سر پر کفن باندھ کر میدان جہاد میں اتر آئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب انڈین نیشنل کانگریس بھی اتنی آگے تک نہیں پہنچی تھی اور نہ ہی اتنی گرم سیاست کے بارے میں وہ سوچ سکتی تھی، مسلمانوں کی جرأت مندانہ اقدام کو دیکھ کر کانگریس نے کلکتہ کے اجلاس میں نان کو آپریشن کی تجویز منظور کی۔ نومبر 1920ء میں شیخ الہند کے مشورے سے ترک موالات کو فتوی کی شکل میں مرتب کر کے ملک کے 473 معتبر علماء کرام کے دستخطوں کے ساتھ شائع کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

1.4 جمعیت کی اجلاس اور اس کے مقاصد

دوسرا اجلاس

نومبر 1920ء میں جمعیت علمائے ہند کا دوسرا سالانہ اجلاس دہلی میں منعقد ہوا، اس جلسے میں ترک موالات کے حکم شرعی ہونے کا

فیصلہ کیا گیا، نیز حکومت برطانیہ سے کسی بھی طرح کے تعاون کو حرام قرار دیا گیا۔ یہ جلسہ شیخ الہند کی زیر صدارت ہوا جس میں عام مشاہیر علماء کے علاوہ بنگال، سندھ کی سرحدوں سے تقریباً 500 علماء شریک ہوئے اور یہ فیصلہ بھی ہوا کہ اس فتوی کو شائع کر دینا چاہیے، جس میں کہا گیا ہے کہ انگریز حکومت کی معاونت کرنا، ملازم رہنا، ملازمت کرانا، فوج میں بھرتی ہونا، بھرتی کرنا سب حرام ہے۔ ترک موالات کی تجویز اور برطانوی حکومت کے ساتھ نصرت کے تمام تعلقات و معاملات کی حرمت کے ساتھ حسب ذیل امور بھی واجب العمل ہوں گے۔

- برطانوی حکومت کے ذریعہ ملے ہوئے خطابات اور عہدے چھوڑے جائیں۔
- کونسلوں کی ممبری سے دستبرداری کا اعلان کیا جائے، نیز امیدواروں کے لیے رائے بھی نہ دی جائے۔
- دین اسلام اور مسلمانوں سے بغض و نفرت رکھنے والوں کو تجارتی نفع نہ پہنچایا جائے۔
- غیر سرکاری اسکولوں اور کالجوں میں سرکاری امداد نہ قبول کی جائے اور سرکاری اداروں سے تعلق قائم نہ کیا جائے۔
- دین سے دشمنی کرنے والوں کی فوج میں ملازمت نہ کی جائے اور نہ ہی کسی قسم کی فوجی امداد پہنچائی جائے۔
- انگریزوں کے ذریعہ چلائے جانے والے عدالتوں میں مقدمات نہ لے جائیں اور نہ ہی وکیل کسی مقدمے کی پیروی کریں۔

مذکورہ بالا تجاویز ناظم جمعیت علمائے ہند مولانا احمد سعید صاحب نے پیش کی تھی جس کی تائید مولانا مرتضی چاندپوری، مولانا محمد داؤد غزنوی، مولانا عبدالحلیم صدیقی لکھنو اور مولانا ثناء اللہ امرتسری نے کی۔

تیسرا اجلاس

مولانا ابوالکلام آزاد کے زیر صدارت جمعیت علمائے ہند کا تیسرا سالانہ اجلاس 18 تا 20 نومبر 1921ء میں لاہور میں منعقد ہوا، جس میں جمعیت نے اپنے سابقہ موقف کی وضاحت کی اور اعادہ کیا اور ایک تجویز کے ذریعہ اپنے سابق فیصلوں کی توثیق کی۔

فیصلہ یہ تھا کہ "یہ اجلاس اعلان کرتا ہے کہ گورنمنٹ نے مولانا شوکت علی، مولانا حسین احمد مدنی، پیر غلام مجدد، ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور مولانا نثار احمد کو خلافت کانفرنس کی 10 جولائی 1921 کی جس تجویز کی بنا پر گرفتار کیا ہے وہ اسلام کی تعلیم اور مسلم احکام میں سے ہے، جو 1300 برسوں سے موجود ہیں اس کا ہمیشہ سے اعلان ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا، مسلمان اس سے باز نہیں رہ سکتے"۔

اجلاس میں جو دوسری تجویز منظور کی گئی وہ جمعیت علمائے ہند کے موقف کی مزید توضیح تھی جس میں کہا گیا تھا کہ انگریزوں کی فوج اور پولیس کی ملازمت کا حرام ہونا صرف اسی بات پر مبنی نہیں کہ فعلاً مسلمانوں کا قتل بھی اس وقت درپیش ہے، بلکہ مسلم حکومتوں اور آبادیوں کے قتل یا حقوق کی پامالی کے لیے فوج اور پولس استعمال میں لائے جاتے ہیں۔

چوتھا اجلاس

9-10 فروری 1922ء کو دہلی میں مفتی کفایت اللہ صاحب صدر جمعیت علما کے زیر صدارت جو جلسہ منعقد ہوا اس میں بھی یہ

مقصد کار فرما تھے کہ انگریز حکومت کے خلاف پورے ملک میں ایک ذہنی و فکری انقلاب کس طرح پیدا کیا جائے، چنانچہ اسی جلسہ میں یہ ریزولیشن پاس کیا گیا:

"یہ اجلاس اعلان کرتا ہے کہ انفرادی سول نافرمانی احکام شریعت کی رو سے جائز ہے، ایسے احکام جو کسی جابر حکومت کی طرف سے مذہبی یا قومی آزادی کے خلاف جاری کیے جائیں ان کو مذہبی وقار اور خودداری قائم رکھنے کے لیے نہ ماننا مستحسن ہے، وہی اجتماعی نافرمانی وعدم شروع کی قید کے ساتھ ملک کے موجودہ حالات کے لحاظ سے ہو سکتا ہے یہ جمعیت علماء کے زیر غور ہے"۔

1.4.1 ستیہ گرہ اور جمعیت علماء

1922 میں تحریک خلافت کی سرگرمیاں شباب پر تھیں، ہندوؤں اور مسلمانوں میں مثالی اتحاد تھا اس لیے سول نافرمانی کی تحریک شدت اختیار کرتی جارہی تھی، جس طرح علی برادران اور جمعیت علمائے ہند کے رہنما، "تحریک خلافت" کے روح رواں تھے، اسی طرح گاندھی جی "تحریک سول نافرمانی" کی قیادت کررہے تھے، دونوں تحریکیں ساتھ ساتھ چل رہی تھیں، کیونکہ دونوں کا نشانہ برطانوی سامراج تھا، خلافت تحریک سے سیاسی بیداری عام ہوتی جارہی تھی اور عوام اپنی طاقت پہچاننے لگے تھے، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے تحریک سول نافرمانی میں بڑھ چڑھ کے حصہ لیا۔ انگریزی حکومت سے نفرت اتنی شدید ہو چکی تھی کہ ملک میں ہر طرف شورش برپا تھی، بائیکاٹ اور عدم تعاون نے جس طرح عدالتوں کا بائیکاٹ کیا تھا اسی طرح پولیس اور انتظامیہ سے بھی نفرت اور غصہ عام ہوتا جارہا تھا، لوگ ایسا محسوس کرنے لگے تھے کہ انگریز ہندوستان میں کچھ ہی دنوں کا مہمان ہے اور اس کا نظام درہم برہم ہو کر رہے گا یہی وجہ تھی کہ سول نافرمانی اور عدم تعاون کی تحریک طوفان کی شکل اختیار کرتی جارہی تھی۔

1.4.2 جمعیت علمائے ہند کا نیا انتخاب

15 جنوری 1925 کو مولانا سید سلیمان ندوی کی صدارت میں جمعیت علمائے ہند کا نیا انتخاب عمل میں آیا جس میں مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب جمعیت علماءہند کے صدراور مولانا مرتضی حسن چاندپوری اور مولانا نثار احمد خان پوری نائب صدر کے عہدے پر فائز ہوئے جبکہ مولانا احمد سعید صاحب سبحان الہند ناظم اعلی منتخب ہوئے۔

ان کے علاوہ ورکنگ کمیٹی کے لیے مولانا شبیر احمد عثمانی۔ مولانا ابو المحاسن محمد سجاد بہاری۔ ڈاکٹر سیف الدین امرتسری۔ مسیح الملک حکیم اجمل خان دہلی۔ مولانا حبیب الرحمن عثمانی۔ شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنی۔ مولانا سید سلیمان ندوی۔ مولانا سید انور شاہ کشمیری۔ مولانا حسرت موہانی۔ مولانا ابوالکلام آزاد۔ مولانا ظفر علی خان زمیندار لاہور۔ مولانا عبدالحلیم صدیقی۔ مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری۔ مولانا داؤد دوغزنوی منتخب ہوئے۔

انہی دنوں حکومت نے ایک حکم نامہ جاری کیا کہ جو شخص حج بیت اللہ کے لئے جانا چاہے اس پر ضروری ہے کہ واپسی کا ٹکٹ بھی اس کے ساتھ ہو، جمعیت علماء ہند نے 26 جنوری 1925ء میں ایک جلسہ منعقد کیا اور اس میں مذکورہ حکم نامہ کی نہ صرف مخالفت کی بلکہ یہ کہا کہ مداخلت فی الدین ہے، اس کی اس وقت تک مخالفت کی جائے گی جب تک کہ حکومت اس قانون کو واپس نہ لے لے۔

1.4.3 ”ادارہ حربیہ“جمعیت کا فعال ادارہ

1930ء میں جمعیت علماء ہند نے تحریک آزادی میں کانگریس سے تعاون کی تجویز کو منظور کر لیا تھا، چنانچہ 1932ء میں کانگریس نے دوبارہ سول نافرمانی تحریک شروع کی تو جمعیت علماء ہند کانگریس کا ساتھ اپنے پلیٹ فارم سے دے رہی تھی، جس کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ جمعیت کے رضاکار ہفتہ میں دو دن جتھوں کی شکل میں بھیجے جاتے جو بر سر عام قانوں کی خلاف ورزی کرتے اور گرفتار ہوتے۔ پورے ملک میں سول نافرمانی اور خلاف ورزی قانون کے اس پروگرام کو چلانے کے لیے ایک مستقل نظام کی ضرورت تھی کانگریس نے اس مقصد کے لیے ایک جنگی کونسل قائم کر رکھی تھی، جو سارے پروگرام کو چلاتی تھی اسی طرح جمعیت علماء ہند نے بھی ادارہ حربیہ کے نام سے ایک جنگی کونسل بنائی تھی، چنانچہ جمعیت علماء ہند نے اس زمانے میں مجلس عامہ، صدر اور سکریٹری وغیرہ کے عہدے اور ذمہ داریاں ختم کر کے ڈکٹیٹر شپ قائم کر دی تھی جو یہ نظام چلاتا تھا اور جب وہ گرفتار ہو جاتا تو اپنے جانشین ڈکٹیٹر کا اعلان کر دیتا تھا، ایسے تمام حضرات کی فہرست خفیہ طور پر تیار ہوتی تھی اور ان کی تربیت بھی علیحدہ ہوتی تھی۔ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب جمعیت کے پہلے ڈکٹیٹر تھے اور وہ جب گرفتار ہوئے تو مولانا حسین احمد مدنی دوسرے ڈکٹیٹر مقرر ہوئے اور ان کی گرفتاری کے بعد تیسرے ڈکٹیٹر مولانا احمد سعید دہلوی مقرر ہوئے تھے مگر وہ قبل از وقت ہی گرفتار ہو گئے۔

اس جنگی کونسل کے ذمہ دار اعلیٰ مولانا ابو المحاسن محمد سجاد تھے، جمعیت علماء ہند کے دفتر واقع بلی ماران ہی کے قریب تنگ گلی میں ایک مکان اس کونسل کے لیے کرائے پر لیا گیا جس میں مولانا ابو المحاسن محمد سجاد قیام پذیر تھے، جس کا علم صرف قاضی اکرام الحق صاحب کو تھا۔ جس کسی کو جنگی کونسل کی ذمہ داران اعلی سے ملنا ہوتا قاضی صاحب ان کو اس مکان تک پہنچا دیتے۔ باہر فیلڈ میں کام کرنے، لوگوں کو رضاکاروں میں بھرتی کرنے، سول نافرمانی میں شریک ہونے کے لیے تیار کرنے کی ذمہ داری مولانا حفظ الرحمن صاحب کی تھی، آپ جنگی کونسل کے کمانڈر تھے، آپ کا کام یہ ہوتا تھا کہ ملک میں گھوم پھر کر تحریک کا جائزہ لیں اور اس نظام کو کامیاب بنائیں اور لوگوں کو آمادہ کریں کہ وہ رضاکاروں کی فہرست میں اپنا نام درج کرائیں، اس ذمہ داری کو پورا کرتے ہوئے کچھ ہی دن گزرے تھے کہ آپ کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ اس تحریک کے نویں ڈکٹیٹر مولانا سید محمد میاں صاحب تھے، جنہیں جامع مسجد دہلی میں تقریر کے بعد گرفتار کیا گیا اور چاندنی چوک کوتوالی میں قید کر دیا گیا۔

1.4.4 1942ء کی انقلابی تحریک اور جمعیت کا موقف

1942ء میں تمام تر کوششوں کی بنیاد پر جو نتیجے آنے تھے وہ آئینہ کی طرح صاف نظر آرہے تھے، تمام جماعتوں کا ایک ہی نعرہ تھا کہ ہمیں ملک آزاد چاہیے چنانچہ برطانوی حکومت نے آزادی کا مطالبہ کرنے والی جماعتوں سے بات کرنے کے لیے سر اسٹیفورڈ گریس کو بھیجا ابھی وہ ہندوستانی لیڈروں سے گفتگو بھی نہیں کر پائے تھے کہ جمعیت نے 20۔21۔22۔مارچ 1942ء کو اپنے سالانہ اجلاس میں تجویز منظور کر لی۔

”ہندوستان کی آزادی سے متعلق سر اسٹیفورڈ گریس برطانوی حکومت کا کوئی نظریہ لائے ہیں، معلوم نہیں وہ نظریہ کیا ہے؟ اس

لیے اس کے متعلق اظہار کا موقع نہیں تاہم یہ امر بھی یقینی ہے کہ برطانوی حکومت نے اس کام کا بہترین وقت اپنی ناعاقبت اندیشی اور مغرورانہ بے پرواہی کی وجہ سے ضائع کر دیا ہے پھر بھی اس نازک حالات میں ہندوستانیوں کے فرائض بہت اہم ہیں۔ جمعیت علماء ہند مسلمانان ہند اور مسلم جماعتوں پر زور دیتی ہے کہ اس وقت تمام مسلم جماعتیں اور ادارے اشتراک عمل سے کام لیں اور پورے غور و فکر کے بعد کسی متحدہ فیصلے پر سب متفق ہوں، ظاہر ہے کہ آزادی کی کسی گفتگو کے موقع پر ہندوستان کے تمام مسلمانوں کا فیصلہ وہی ہونا چاہیے جو بلا استثناء تمام مسلمانوں کے لیے مفید ہو اگر مسلم جماعتوں کے مختلف نظریات سامنے آئے تو خطرہ ہے کہ ہم آزادی کی راہ میں کوئی بہتر رول نہ ادا کر سکیں گے اور آزادی ہمارے لیے غلامی سے بدتر ہو جائے"

جمعیت نے اپنے موقف کا اعلان کیا کہ اس کا نصب العین مکمل آزادی ہے، اس میں تمام مسلمانان ہند متفق ہیں اور اسی کو ذریعہ نجات سمجھتے ہیں اور یہ بھی واضح کر دیا کہ وطنی آزادی میں مسلمان آزاد ہوں گے، ان کا مذہب آزاد ہو گا، مسلم کلچر اور تہذیب و ثقافت آزاد ہو گی وہ کسی ایسے آئین کو ہر گز قبول نہ کریں گے جس کی بنیاد ایسی آزادی پر نہ رکھی گئی ہو۔

1.4.5 ما قبل آزادی جمعیت کے دو حصے

46-1945 کے فیصلہ کن انتخابات میں مسلم لیگ کے حامی علماء نے ایک علیحدہ جماعت جمعیت علماء اسلام بنالی، تاکہ کانگریس سے اشتراک عمل کرنے والی جماعت سے نبرد آزما ہو سکیں، یہ جماعت 26 تا 29 اکتوبر 1945 میں کلکتہ کے ایک بڑے اجلاس میں وجود میں آئی، مولانا شبیر عثمانی جنہوں نے پہلے سے ہی جمعیت علماء ہند سے علیحدگی اختیار کر رکھی تھی، انہیں جمعیت علماء اسلام کا صدر منتخب کیا گیا۔

1.5 جمعیت علماء ہند کے اغراض اور تعمیری پروگرام

1.5.1 اغراض و مقاصد

- اسلام، شعائر اسلام اور مسلمانوں کے ماثر و معابد کی حفاظت۔
- مسلمانوں کے مذہبی، تعلیمی، تمدنی اور شہری حقوق کی تحصیل و حفاظت۔
- ایسے اداروں کا قیام جو مسلمانوں کی تعلیمی، تہذیبی اور معاشرتی زندگی کی ترقی و استحکام کا ذریعہ ہوں۔
- اسلامی تعلیمات کی روشنی میں انڈین یونین کے مختلف فرقوں کے درمیان میل جول پیدا کرنا اور اس کو مضبوط کرنے کی کوشش کرنا۔
- علوم عربیہ و اسلامیہ کا احیا اور زمانہ حال کے مقتضیات کے مطابق نظام تعلیم کا اجرا۔
- تعلیمات اسلامی کی نشر و اشاعت۔
- اسلامی اوقاف کی تنظیم و حفاظت۔

ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے ہندوستان میں جہاں کہیں کوئی پروگرام چل رہا ہے، اس کی حوصلہ افزائی کرنے اور جہاں جہاں ضرورت ہے، وہاں اجتماعی جدوجہد کے لیے کارکنان اور دردمندان ملت کو آواز دینے اور ان کی صلاحیتوں کو ہندوستان کے مختلف طبقات کی خدمت، تنظیم اور ترقی کے لیے جمعیت علماء ہند نے مئی 1972 کے اجلاس عام میں یہ تعمیری پروگرام مرتب کیے تھے۔

1.5.2 تعمیری پروگرام

1. سماجی حلقے:

- مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے لوگوں کا مشترکہ اجتماع۔
- نادار طلبہ کو تعلیمی وظائف دینے کا انتظام کرنا۔
- شہری ضروریات کے لیے قوم وملت کی خدمت کرنا۔
- پسماندہ لوگوں کی خدمت کرنا۔
- یتیم، بیواؤں، مجبور لوگوں اور غریب لڑکیوں کی شادی میں مدد کرنا۔
- فضول رسم ورواج اور اسراف بے جا کی اصلاح کے لیے اجتماعی جدوجہد کرنا۔

2. اقتصادی حلقے

- مسلم فنڈ یا امدادی فنڈ قائم کرنا اور اسے چلانا۔
- کوآپریٹو سوسائٹی کے ذریعے کاروبار وغیرہ کو فروغ دینا۔
- گھریلو دستکاریوں اور چھوٹی صنعتوں کو رواج دینا۔

3. دینی حلقے

- سیرت یا اخلاق یا تاریخ اسلام وغیرہ موضوعات پر اجتماع کرنا۔
- ترجمہ قرآن اور درس حدیث کا اہتمام کرنا اور رواج دینا۔
- مذہبی لٹریچر تیار کرنا اور اس کی نشر واشاعت کا انتظام کرنا۔

4. دارالمطالعہ

- مذہبی اخلاقی اور اصلاحی وعلمی رسالے اور کتابیں چھپوانا۔
- ماحول کے مطابق اصلاحی مقالے مرتب کرانا اور مباحثے کا انتظام کرنا نیز اجتماعی مطالعہ کو مقبول بنانا۔

1.5.3 جمعیت علماء ہند کی دو شاخیں

2006ء میں سید اسعد مدنی کے بعد مولانا ارشد مدنی جمعیت علماء ہند کے صدر منتخب ہوئے، تاہم 2008ء میں کچھ نا اتفاقی حالات کی وجہ سے یہ تنظیم دو حصوں میں منقسم ہو گئی، ایک جمعیت علماء ہند (الف) جو مولانا ارشد مدنی کے زیر صدارت کام کر رہی ہے، اور دوسری جمعیت علماء ہند (میم) جو مولانا محمود مدنی کے زیر نگرانی چل رہی ہے۔

صدور کی فہرست

- کفایت اللہ دہلوی — نومبر 1920 سے 12 جولائی 1940
- حسین احمد مدنی — 13 جولائی 1940 سے پانچ دسمبر 1957
- احمد سعید دہلوی — دسمبر 1957 سے چار دسمبر 1959
- سید فخر الدین احمد — دسمبر 1959 سے پانچ اپریل 1973
- اسعد مدنی — 11 اگست 1973 سے چھ فروری 2006
- ارشد مدنی سات فروری 2006 میں صدر منتخب ہوئے تا حال۔ (جمعیت (م) کے صدر ہیں)

1.6 جمعیت علماء ہند کے تحت چلائے جانے والے شعبہ

جمعیت علما ہند ہندوستان کے اکثر صوبوں میں اپنی ریاستی تنظیمیں قائم کرتی ہے، جو بہت ہی متحرک اور فعال ہوتی ہے، جن کا تعلق مرکزی دفتر نئی دہلی سے براہ راست ہوتا ہے، اسی لیے مرکز ہمہ وقت پورے ملک کے قومی و ملی مسائل سے باخبر رہنے کے ساتھ ریاست کے بنیادی مسائل سے واقف ہوتا ہے جو ان علاقوں میں خصوصیت کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔ بہت سے قومی و ملی مسائل جن کا تعلق براہ راست مرکزی دفتر سے ہے، جہاں پر ان کاموں کے لیے الگ الگ ذیلی دفاتر ہیں اور ان شعبوں سے متعلق ذمہ داران اس نظام کو باقاعدگی سے چلاتے ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں۔

امارت شرعیہ	ادارہ مباحث فقہیہ
شعبہ اصلاح معاشرہ	اجراء مکاتب دینیہ
ریلیف فنڈ	دینی تعلیمی بورڈ
جمعیت یوتھ کلب	حلال ٹرسٹ
جمعیت اوپن اسکول	لیگل سیل انسٹیٹیوٹ

1. امارت شرعیہ

جمعیت علماء ہند کے تحت چلنے والے شعبوں میں یہ ایک متحرک شعبہ ہے جسے 1986ء میں جمعیت علماہند نے قائم کر کے امیر الہند کا انتخاب کیا تھا، جس کے پہلے امیر الہند حضرت مولانا ابوالماثر حبیب الرحمن اعظمی نور اللہ مرقدہ تھے، ان کی وفات کے بعد مئی 1992 کو اس جلیل القدر منصب پر حضرت مولانا سید اسعد مدنی، صدر جمعیت علماء ہند کا انتخاب کیا گیا تھا۔ 2006 میں سید اسعد مدنی کی وفات کے بعد مولانا مرغوب الرحمٰن کو امارت شرعیہ کا تیسرا "امیر الہند" بنایا گیا، آپ کے انتقال کے بعد 2010 میں اس عہدہ کے لیے باتفاق دانشوران قوم وملت حضرت مولانا قاری عثمان منصور پوری کا انتخاب عمل میں آیا آپ نے اس عہدے پر رہتے ہوئے اس کے کام کو مزید تقویت بخشی اور اسے اپنے فعال و متحرک شخصیت کے ذریعہ کار آمد بنائے رکھا۔ آپ کے اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد 2021 میں امارت شرعیہ ہند کی میٹنگ میں مولانا سید ارشد مدنی صاحب کا نام امیر الہند کے لیے پیش کیا گیا جس پر دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولانا ابوالقاسم نعمانی نے تائید کی اور حاضرین مجلس نے متفقہ طور پر اس تجویز کو منظوری دی اور اس طرح امیر الہند خامس کے طور پر آپ کا انتخاب ہوا۔

2. ادارہ مباحث فقہیہ

1970ء میں ادارہ مباحث فقہیہ کا قیام مولانا محمد میاں صاحب کے زیر نگرانی ہوا جس میں دور جدید میں پیدا ہونے والے ایسے مسائل پر بحث و تحقیق کر کے شرعی حکم متعین کیا جاتا ہے جن مسائل کا قدیم فقہ کی کتابوں میں صراحتاً ذکر نہیں ہے۔ جدید ترین اور عصر حاضر کے پیدا کردہ مسائل پر اس شعبہ نے متعدد سیمینار کیے ہیں۔ چنانچہ 1985ء میں منعقدہ "علماء کانفرنس" بھی اس سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ صدر جمعیت علماء ہند مولانا سید اسعد مدنی کی مسلسل تحریک پر 1990ء میں مجلس عاملہ نے اپنی تجویز کے ذریعہ اس ادارے کی نشاۃ ثانیہ کی اور جدید مسائل میں اجتماعی غور و فکر کا سلسلہ باقاعدہ طور پر دوبارہ شروع کیا گیا، چنانچہ 8-9 فروری 1991ء میں ایک سہ روزہ فقہی اجتماع بعنوان "غیر سودی رفاہی ادارے اور سوسائٹیاں،، شیخ الہند ہال دیوبند میں منعقد کیا گیا۔ اسی طرح ایک اور فقہی اجتماع 28-29 نومبر 1991 کو "اسلامی نظام قضا اور ہندوستان" کے عنوان سے دیوبند کے وسیع و عریض ہال شیخ الہند میں منعقد کیا گیا۔ نیز "شیرز اور ایکسپورٹ، جیسے دوسرے مسائل پر فتوی اور عمل، غیر اسلامی ممالک میں عقود فاسدہ، کے اہم موضوعات پر فقہی اجتماعات و سیمینار کی کاروائی اور رپورٹوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ اہل علم اور اہل فتوی نے ان میں بڑی دلچسپی سے حصہ لیا اور اپنی قیمتی مقالات پیش کیے ایسے اجتہادی موضوعات پر مجتہدین کی آراء سے استفادے کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

3. شعبہ اصلاح معاشرہ

مسلم معاشرہ کو مغربی معاشرہ سے پاک وصاف رکھنے کے لیے اور معاشرتی اصلاح پر بھرپور توجہ دینے کے لیے جمعیت علماء ہند نے اصلاح معاشرہ کو اپنا ترجیحی ایجنڈا بنایا چنانچہ 25-26 جنوری 1991 کو مسلمانوں کی معاشی و معاشرتی ابتری پر سنجیدگی سے غور کرنے کے لیے ایک قرارداد منظور کی گئی، جس کا عنوان تھا "معاشرتی اصلاح اور معاشی جدوجہد" اس سلسلے میں 21 اپریل 1991 کو چند عملی اقدام کا فیصلہ کیا گیا جو مندرجہ ذیل ہے۔

- حکومت کی فلاحی و ترقیاتی اسکیموں سے مسلمانوں کو باخبر کرنے کے لیے ریاستی، وضلعی سطحوں پر جمعیت علماء ہند کی طرف سے اطلاعاتی مراکز قائم کیے جائیں اور علاقائی زبان میں ان اسکیمات کا ترجمہ کیا جائے اور لوگوں کو ان سے باخبر کیا جائے۔
- معاشرے کی خرابیوں کے خلاف کام کرنے کے لیے اصلاحی کمیٹی تشکیل دی جائیں جن کے تحت ماہانہ اجتماعات منعقد ہوں جن میں عوام وسماج کے ذمہ دار افراد کو شرکت کی دعوت دی جائے۔
- نئی نسل کی اصلاح اور بہتری کے لیے خصوصی جدوجہد کی جائے اور اس کی اہمیت پر خاص زور دیا جائے۔
- ممتاز علماء کرام، دانشوران قوم، مدارس کے اساتذہ اور ائمہ مساجد کو اس مہم میں شریک کر کے اس اصلاحی پروگرام کو ملک گیر پیمانے پر عام کیا جائے۔

اس اصلاح معاشرے سے منسلک لوگوں کی کثیر تعداد جن علاقوں سے تعلق رکھتی ہے وہ ہریانہ، پنجاب، ہماچل پردیش، راجستھان، آندھرا پردیش، تلنگانہ، تمل ناڈو، مدھیہ پردیش، مہاراشٹر، کرناٹک، مغربی بنگال، اترپردیش وغیرہ ہیں، جہاں پر شعبہ اصلاح معاشرہ کے مرکزی دفتر کی جانب سے علماء کے وفود پہنچتے ہیں اور غلط رسوم ورواج کی نشاندہی کر کے ان سے بچنے کی تاکید کرتے ہیں۔

4. اجراء مکاتب دینیہ

مسلمانوں میں ابتدائی دینی تعلیم عام کرنے کے لیے مکاتب کا اجرا جمعیت علماء ہند کا ایک مثالی اور اہم ترین کارنامہ ہے۔

5. جمعیت یوتھ کلب

جمعیت علماء ہند کی جانب سے قائم کردہ ایک ادارہ ''جمعیت یوتھ کلب'' بھی ہے۔ جو جولائی 2018 میں قائم کیا گیا جس کا مقصد نوجوانوں کو مختلف دفاعی ٹکنیکوں کی تربیت فراہم کرنا ہے، اس پلیٹ فارم سے جمعیت ہر سال تقریبا 1.25 ملین نوجوان کو تربیت دینے کی امید رکھتی ہے۔

اس تنظیم میں شمولیت کے لیے کچھ شرائط ہیں جن میں نمایاں شرائط یہ ہے کہ وہ فرد مسلمان ہو، عاقل بالغ ہو، نیز جمعیت کے مقاصد اور طریقہ کار سے پورا اتفاق رکھتا ہو، نیز شمولیت حاصل کرنے والوں کو اولاً بھارت اسکاؤٹ اینڈ گائیڈ کی ٹریننگ دی جاتی ہے، بعد ازاں جمعیت یوتھ کلب میں شامل کیا جاتا ہے، اور پھر اس میں سے منتخب افراد کو خدام ملت کا ممبر بنایا جاتا ہے اور یہی افراد جمعیت کے اصل خادم اور والنٹیر قرار پاتے ہیں۔ یوتھ کلب کا 10 سالہ طویل منصوبہ یہ ہے کہ 2028 تک سوا کروڑ نوجوانوں کو اس سے جوڑا جائے گا جس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر سال تقریبا 12 لاکھ پچاس ہزار افراد کو ممبر بنایا جائے گا، تاحال یہ مشن جاری ہے اور اس تنظیم سے جڑے بچے اور بچیوں نے ٹریننگ حاصل کرتے ہوئے کئی مقابلوں میں حصہ لے کر انعامات کا نہ صرف حصول کیا بلکہ پوری دنیا میں ملک کا نام روشن کر رہے ہیں۔

6. دینی تعلیمی بورڈ

ہندوستان کی آزادی کے بعد جن مسائل سے مسلمانوں کو دوچار ہونا پڑ رہا تھا ان میں ایک سیکولر تعلیم بھی تھی، حکومت نے اعلان

کر دیا تھا کہ وہ کسی کے بھی مذہبی تعلیم کی ذمہ دار نہیں ہے، چنانچہ جمعیت علماہند نے 1954ء میں ممبئی کے اندر ایک دینی تعلیمی کانفرنس منعقد کر کے طے کیا کہ ہمیں اپنے مذہبی تعلیم کا خود انتظام کرنا چاہیے، چنانچہ جمعیت نے دینی تعلیمی اداروں کے قیام اور ان کے نصاب تعلیم کی تیاری کے لیے ایک دینی تعلیمی بورڈ بھی تشکیل دیا۔ بورڈ نے ایک طرف پوری سرگرمی کے ساتھ مکاتب کی تحریک شروع کی اور دوسری طرف ان کے لیے ایک ایسا نصاب تیار کیا جو پرائمری سطح تک دین و دنیا کے تعلیم پر مشتمل ہے۔

7. حلال ٹرسٹ

جمعیت علماہند کا ایک معروف شعبہ حلال ٹرسٹ بھی ہے، جو 2009 میں قائم کیا گیا اس ادارے کو "اسلامی ترقیات ملائشیا،، نے 2011 میں گوشت اور گوشت سے بنی مصنوعات اور سلاٹر ہاؤس کو حلال سرٹیفیکیٹ جاری کرنے کے لیے ایک قابل اعتماد اور مستند ادارے کے طور پر تسلیم کیا تھا۔ اس ادارے کے چند مقاصد درج ذیل ہیں۔

- صحت بخش کھانوں کو ترویج دینا اور نقصان دہ مادوں کے استعمال کی آمیزش کی نگرانی کرنا۔
- تمام جاندار مخلوق کے حقوق کے تحفظ کو یقینی بنانا نیز جانوروں کو ظالمانہ سلوک سے بچانا۔
- اس ادارے کا مقصد شرعی طور پر مباح اور صحت بخش غذا کی ترویج ہے۔
- حلال کھانوں اور جانوروں کی مصنوعات اور ان کے مشمولات کی تحقیق کرنے کے بعد ملک اور بیرون ملک کے لیے حلال سرٹیفیکیٹ جاری کرنا۔
- ایسے افراد کو تیار کرنا جو ٹرسٹ کے اصول وضوابط کے مطابق مصنوعات کی جانچ پرکھ کر سکیں۔
- پوری دنیا میں حلال مصنوعات کے درآمد اور استعمال کو فروغ دینا۔

8. لیگل سیل انسٹی ٹیوٹ

جمعیت علماء ہند لیگل سیل انسٹی ٹیوٹ کو 2007 میں قائم کیا جس کے ذریعہ وہ دہشت گردی یا دیگر الزامات میں بے قصور مسلمانوں کو قانونی لڑائی لڑنے میں مدد فراہم کرنا ہے۔

9. جمعیت اوپن اسکول

فروری 2021 میں اس ادارے کا قیام عمل میں آیا، یہ ادارہ طلبہ کو تربیت یافتہ عملہ فراہم کرتا ہے جس کے ذریعہ وہ "نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اوپن اسکولنگ" NIOS کے تحت پیش کردہ مضامین پڑھا کر مدارس کے طلبہ کو دسویں اور بارہویں کا امتحان دلاتا ہے۔ یہ اسکول طلباء کو اعلی معیار اور عصری تعلیم فراہم کرنے کے لیے قائم کیا گیا ہے، اس لیے کہ ہزاروں طلبہ ہر سال مدارس دینیہ سے فارغ ہوتے ہیں، مگر اکثر میں عصری علوم کی کمی رہتی ہے، انہیں عصری علوم فراہم کرنا نیز پیشہ وارانہ کورسز جیسے بی ٹیک، ایم ٹیک، میڈیکل اور انجینئرنگ کے طلبہ کو وظائف فراہم کرنا بھی ہے۔

1.7 فرہنگ

رضاکار : وہ شخص جو رفاہ عام کے لئے بلا معاوضہ کوئی خدمات انجام دے

ترجیح : برتری، فوقیت، فضیلت

ابتری : بد نظمی، خرابی، زوال، انتشار

1.8 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- دارالعلوم دیوبند کے قیام کے بعد باقاعدہ طور پر علماء کرام کی ایک جماعت نے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم کو چھوڑ کر ایک علیحدہ جماعت بنائی، جس میں ہر مکتب فکر کے علماء شامل تھے، جن کا مقصد تھا کہ برطانوی حکومت کے خلاف نہ صرف اپنی قوم کو ابھارا جائے بلکہ اس کوشش میں شامل تحریکات کا بھی ساتھ دیا جائے۔
- نومبر 1919 میں خلافت کانفرنس کا انعقاد دہلی میں ہوا، جس میں شریک علماء کرام نے ایک مجلس مشاورت دہلی میں منعقد کی اسی وقت یہ بات طے پائی کہ جمعیت علماء ہند کو قائم کیا جائے، چنانچہ 19 نومبر 1919 میں یہ تحریک وجود میں آئی۔
- جمعیت علماء ہند کے قیام کا مقصد یہ تھا کہ ہندوستان میں برطانوی حکومت کے خلاف عدم تشدد کی جدوجہد جاری رکھی جائے اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مسلمانوں کی رہنمائی بھی کی جائے۔
- 8 ستمبر 1920 کو جمعیت نے ایک مذہبی اعلامیہ جاری کیا، جسے فتوی ترک موالات کہا جاتا ہے، جس کے ذریعہ برطانوی سامان کا بائیکاٹ کیا گیا تھا، یہ فتوی ابوالمحاسن محمد سجاد نے دیا تھا، جس پر تقریباً 500 علماء کرام کے دستخط تھے۔
- 1922 میں گاندھی جی کی قیادت میں چلنے والی سول نافرمانی تحریک میں جمعیت علماء ہند نے بھی حصہ لیا اور ملک میں انگریزوں کے ذریعہ چلایا جارہے عدالتوں کا بائیکاٹ کیا اور فوج و پولیس اور انتظامیہ سے نفرت کا اظہار کیا۔
- 1930 میں جمعیت علماء ہند نے کانگریس کے تعاون کے لیے ایک ادارہ ''ادارہ حربیہ،، کے نام سے قائم کیا جس کا کام یہ تھا کہ ہفتے میں دو دن اس ادارے کے رضاکار کانگریس کے ساتھ جتھوں کی شکل میں برسر عام قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے گرفتار ہوتے تھے، یہ ادارہ ڈکٹیٹر شپ کے تحت بڑے رازدارانہ طور پر چلایا جارہا تھا۔
- جمعیت علماء ہند نے 1942 میں پورے شدت کے ساتھ تمام جماعتوں کے ساتھ مل کر یہ نعرہ لگایا تھا کہ ہمیں حکومت برطانیہ کے قاصد سے گفتگو نہیں کرنی ہے، بلکہ ہمیں اپنا ملک مکمل طور پر آزاد چاہیے۔

1.9 نمونہ امتحانی سوالات

1.9.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1. جمعیت علماء ہند کا قیام کس سن میں ہوا؟

1909.(a) 1919.(b) 1929.(c) 1920.(d)

2. جمعیت علماء ہند کا پہلا اجلاس کس شہر میں منعقد ہوا؟

(a).دہلی (b).امرتسر (c).دیوبند (d).غازی آباد

3. جمعیت علماء ہند کے پہلے جلسے کی صدارت کس نے کی؟

(a).عبدالباری فرنگی محلی (b).مولانا ارشد مدنی (c).مولانا حسین احمد مدنی (d).سب غلط

4. جمعیت علماء ہند کے ابتدائی اصول کس نے مرتب کیے؟

(a).مولانا عبدالباری فرنگی محلی (b).مولانا کفایت اللہ (c).مولانا محمود الحسن (d).مولانا تاج محمد

5. فتوی ترک موالات کس نے دیا تھا؟

(a).مولانا عبدالمحاسن محمد سجاد (b).مولانا محمود الحسن (c).مولانا محمد قاسم نانوتوی (d).تینوں نے

6. جمعیت علماء ہند کے پہلے صدر کون تھے؟

(a).مولانا محمود حسن (b).مفتی کفایت اللہ (c).مولانا اسد مدنی (d).مولانا حفظ الرحمن

7. جمعیت علمائے ہند کا تیسرا سالانہ اجلاس کس سن میں ہوا؟

1919.(a) 1920.(b) 1921.(c) 1922.(d)

8. ستیہ گرہ تحریک میں جمعیت علماء ہند شریک ہوئی تھی؟

(a).ہاں (b).نہیں (c).سب غلط

9. ادارہ حربیہ کس سن میں قائم کیا گیا؟

1925.(a) 1935.(b) 1945.(c) 1930.(d)

10. جمعیت یوتھ کلب کب قائم ہوا؟

2016.(a) 1916.(b) 2018.(c) 2014.(d)

1.9.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1. جمعیت علمائے ہند کے اصول وضوابط مختصراً نوٹ فرمائیں۔
2. جمعیت علمائے ہند کے قیام کے اسباب بیان کیجیے۔
3. جمعیت یوتھ کلب پر مختصر نوٹ لکھیے۔
4. تحریک ترک موالات میں جمعیت علماہند کی شمولیت کو واضح کریں۔
5. جمعیت علمائے ہند کے پروگرام کو مختصرا تحریر کیجیے۔

1.9.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. جمعیت علمائے ہند کے اجلاس کے مقاصد مفصل تحریر کریں۔
2. ادارہ حربیہ کے قیام اور مقاصد پر نوٹ تحریر کریں۔
3. جمعیت علمائے ہند کے تحت چلنے والے اداروں کا تعارف کرائیں۔

1.10 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. جمعیت علماءہند: اول، دوم : پروین روزینہ
2. تاریخ جمعیت علماء ہند : اسیر ادروی
3. جمعیت علماء پر ایک تاریخی تبصرہ : حفظ الرحمن واصف دہلوی
4. جمعیت علماء نمبر ہفت روزہ الجمیعیۃ 27 اکتوبر 1955 : محمد سالم جامی

معروضی سوالات کے جوابات:

1. B	2. B	3.B	4. A	5.A
6.B	7.C	8.A	9.D	10. C

اکائی 2: امارت شرعیہ

اکائی کے اجزا:

2.0 تمہید

2.1 مقاصد

2.2 امارت شرعیہ

2.2.1 ہندوستان میں امارت شرعیہ کی اہمیت اور ضرورت

2.2.2 امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ و جھارکھنڈ کے قیام کا پس منظر

2.2.3 امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ و جھارکھنڈ کے مقاصد

2.2.4 امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ و جھارکھنڈ کا تنظیمی ڈھانچہ

2.2.5 امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ و جھارکھنڈ کے شعبہ جات اور ان کی خدمات

2.2.6 شعبہ مذہبی اور عصری تعلیم

2.2.7 شعبہ افتاء / دارالافتاء

2.2.8 شعبہ قضاء / دارالقضاء

2.2.9 شعبہ خدمت (تحفظ مسلمین)

2.2.10 شعبہ بیت المال

2.2.11 دارالمشاریع (شعبہ منصوبہ سازی)

2.2.12 شعبہ امور مساجد

2.2.13 امرائے امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ و جھارکھنڈ

2.2.14 نائبین امرائے امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ و جھارکھنڈ

2.2.15 امارت شرعیہ کی اہم دینی و ملی خدمات

2.3 فرہنگ
2.4 اکتسابی نتائج
2.5 نمونہ امتحانی سوالات
2.5.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات
2.5.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات
2.5.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات
2.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

2.0 تمہید

عصر حاضر میں امت مسلمہ کی فلاح و بہبود اور ہمہ جہت ترقی و عروج کے لیے کئی ایک تحریکات مختلف ممالک میں بپا کی گئی ہیں۔ ہندوستان میں رونما ہونے والی تحریکات میں تحریک آزادی کے علاوہ تحریک شہیدین، تحریک خلافت، جمیعۃ علماء ہند اور امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ و جھارکھنڈ جیسی اہم اور بنیادی تحریکات شامل ہیں۔ ان تحریکات کے دور رس اور دیرپا نتائج ہندوستانی مسلم سماج اور معاشرہ پر مرتب ہوئے ہیں۔ اول الذکر تینوں تحریکات اپنے منطقی انجام کو پہنچ چکی ہیں جب کہ مؤخر الذکر دونوں تحریکات آج بھی سرگرم عمل ہیں اور مسلم سماج و معاشرہ کی ہمہ جہت ترقی کے لیے کوشاں اور سرگرداں ہیں۔ ان کا بنیادی مقصد دین و شریعت کے احکام پر عمل پیرا ہونے اور ہر میدان عمل بشمول سیاست، میں امت مسلمہ کی ترقی کے لیے راہیں ہموار کرنا ہے تاہم آج دونوں تنظیموں نے تقریباً سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر رکھی ہے۔

2.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد ہے کہ آپ:

- ہندوستان کی اہم تحریک امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ و جھارکھنڈ کا تفصیلی تعارف حاصل کر سکیں۔
- اس کے قیام کا پس منظر اور اسباب کے ساتھ ساتھ ان کے بانیان اور امراء و صدور کا ذکر کے بارے میں جان سکیں۔
- اس کے تنظیمی ڈھانچے اور مختلف شعبہ جات کی کارکردگی کو سمجھ سکیں۔
- بلا تفریقِ مذہب و ملت، پوری ہندوستانی برادری اور مسلم معاشرے کی فلاح و بہبود کے لیے اس کی ہمہ جہت خدمات سے آگاہی حاصل کر سکیں۔

2.2 امارت شرعیہ

2.2.1 ہندوستان میں امارت شرعیہ کی اہمیت اور ضرورت

تمام آسمانی مذاہب میں اسلام اپنی گوناگوں صفات اور امتیازات کی وجہ سے ایک الگ مقام و مرتبہ کا حامل مذہب ہے۔ اس کا سب سے بڑا وصف اور امتیاز یہ ہے کہ وہ پوری انسانی زندگی کا احاطہ کرتا ہے۔ اسلام جہاں عبادات کا ایک مربوط نظام پیش کرتا ہے وہیں وہ سماجی زندگی گذارنے کا ایک واضح لائحہ عمل بھی پیش کرتا ہے اور اپنے ماننے والوں کو اس بات کا پابند بناتا ہے کہ اپنی انفرادی زندگی کی طرح وہ اجتماعی زندگی میں بھی اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی پیروی کرے۔

اسلامی احکامات میں اجتماعی زندگی کو مرکزیت حاصل ہے لہذا ایک مرکز کا ہونا ناگزیر ہے۔ جہاں جہاں اسلامی حکومتیں قائم تھیں یا جہاں اب بھی ہیں وہاں "مرکزیت" پائی جاتی رہی اور مسلمان اپنے اجتماعی امور کو آسانی اور سہولت کے ساتھ انجام دیتے رہے۔ لیکن جہاں اسلامی حکومت کا قیام ممکن نہ ہو وہاں اجتماعی امور کی ادائیگی کے لیے متقدمین علما اور مفکرین نے یہ حل نکالا ہے کہ ایسے مقامات کے مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنا ایک امیر چن لیں اور اس کی نگرانی میں جس حد تک ممکن ہو سکے اپنے اجتماعی امور کو ادا کرتے ہیں۔ چونکہ ہندوستان اب ایک جمہوری ملک ہے اور یہاں حکومتی سطح پر اسلامی احکامات کو نافذ نہیں کیا جاسکتا ہے لہذا یہاں ایک امیر کا منتخب کرنا لازمی ہو گا۔

ہندوستان میں امارت شرعیہ کے قیام اور اس کی اہمیت کے قائلین کے نظروں میں امارت شرعیہ صرف مذہبی امور کو شریعت کی نگرانی میں ادا کرنے والا ادارہ نہیں ہے بلکہ وہ ہندوستان میں مسلمانوں کے اجتماعی نظام کی عملی شکل ہے اسی لیے امارت شرعیہ کے بانی مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ مسلمانوں کو ملک کے تمام مسائل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کا مشورہ دیتے تھے حتی کہ وہ سیاست میں عملی حصہ لینے کے قائل تھے کہ 'ان کی دور رس نگاہوں نے یہ بھانپ لیا تھا کی انگریزوں سے آزادی حاصل کرنے کے بعد ملک میں مشترکہ حکومت ہی بنے گی اور مسلمانوں پر ہی مذہب اور ان کے مخصوص قوانین کی حفاظت کی ذمہ داری ہوگی۔ اس فکر کی بنا پر وہ چاہتے تھے کی آزادی سے پہلے "امارت شرعیہ" کا نظام ایسا مضبوط و منضبط اور مکمل اور جامع بن جائے کہ ہندوستان کے اساسی دستور میں اسے مسلمانوں کے "شرعی نظام" کی حیثیت سے منظور کروایا جاسکے تاکہ آزاد ہندوستان میں مسلمان "اسلامی زندگی" گزار سکیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: امارت شرعیہ، دینی جدوجہد کا روشن باب از مولانا محمد ظفیر الدین مفتاحیؒ، مکتبہ امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ و جھارکھنڈ، پھلواری شریف، پٹنہ، ربیع الاول 1394 / اپریل 1974ء، ص 103-111)۔

2.2.2 امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ و جھارکھنڈ کے قیام کا پس منظر

ہندوستان میں اسلام کے مطلوبہ سماج کو پروان چڑھانے کے لیے امارت شرعیہ کے قیام کی اولین کوشش سید احمد شہید اور ان کے قابل قدر رفقانے کی تھی۔ تحریک شہیدین کے بعد بھی اس کی کوششیں کی جاتی رہیں لیکن کامیابی نہ مل سکی۔ بیسویں صدی کی ابتدائی دور کے مذہبی، سماجی اور سیاسی حالات کے پیش نظر امارت شرعیہ کے بانی و مؤسس مولانا ابوالمحاسن کے ذہن و دماغ میں اسلامی شریعت کے

بنیادی مصادر کی روشنی اجتماعی زندگی گزارنے کا ایک مکمل خاکہ تیار ہو چکا تھا جسے انہوں نے اکابر امت کے سامنے "اسکیم نظارت شرعیہ" کے نام سے پیش کیا تھا جس کا بنیادی مقصد ہندوستانی مسلمانوں کو قرآن وسنت اور سیرت نبوی کی روشنی میں اجتماعی زندگی گذارنے کے طریقوں کو متعین کرنا اور اس کے لیے راہیں ہموار کرنا تھا۔

اس خاکہ میں رنگ بھرنے کے لیے پہلا قدم انہوں نے 1917ء میں اٹھایا اور بہار کے علماء کو جمع کر کے "انجمن علمائے بہار" کی بناڈالی اور خلافت کی بحالی کے لیے 1919ء میں دیگر علماء کے ساتھ مل کر بمبئی (موجودہ ممبئی) میں خلافت کمیٹی کی تشکیل کرتے ہوئے اس کی صوبائی کمیٹیاں گیا (بہار) اور پھلواری شریف (بہار) میں بنائی۔ اسی سال دہلی میں منعقدہ خلافت کانفرنس کے موقعہ پر "جمعیۃ علماء ہند" کی تاسیس میں اہم کردار ادا کیا اور اس کے پہلے اجلاس (منعقدہ امرتسر، دسمبر 1919ء) میں ملکی سطح پر امارت شرعیہ کے قیام اور امام المسلمین کی ضرورت کو مدلل انداز میں واضح کیا۔ جمعیۃ العلماء ہند کے دوسرے اجلاس (منعقدہ دہلی، نومبر 1920ء) میں سینکڑوں علماء اور دانشوارن کے سامنے اپنے خیال کو عملی جامہ پہنانے کے لیے "امارت فی الہند" کے قیام کی تجویز پیش کی تاکہ ہندوستانی مسلمان اپنی دینی اور شرعی تقاضوں کو دین وشریعت کی روشنی میں آسانی سے پورا کر سکیں۔ ان کی اس تجویز کی تائید صدر جلسہ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ نے بھی کی تاہم امیر کا انتخاب نہ ہو سکا۔ اس نعرہ مستانہ پر ہندوستان کے طول وعرض سے صدائے لبیک کی بازگشت سنی گئی۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ نے بھی اس تجویز کی بھرپور تائید کی۔

جمعیۃ علماء ہند کے تیسرے اجلاس (17-19 ربیع الاول 1340ھ / 18-20۔1922ء، لاہور) میں جلد از جلد امیر الہند کو منتخب کرنے کی تجویز (تجویز نمبر 8) پیش کی گئی اور اسی تجویز میں ایک سب کمیٹی بنانے کی تجویز بھی شامل تھی تاکہ امیر شریعت کے اختیارات وفرائض کا تعین کیا جاسکے اور کمیٹی کو جلد از جلد اس کا مسودہ پیش کرنے کا پابند بنایا گیا تاکہ اسے بدایوں میں دسمبر میں منعقد ہونے والے جلسہ میں پیش کیا جاسکے (محمد میاں، 2/48)۔ اس سب کمیٹی میں مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد بھی شامل تھے۔ امیر الہند کے حوالہ سے مرتب کردہ مسودہ کو مولانا عبدالحلیم صدیقیؒ نے اجمیر میں منعقد ہونے والے جمعیۃ علما ہند کے خصوصی اجلاس (3-5 رجب 1340ھ / 3-5 مارچ 1922ء) میں پیش کیا لیکن اسے مولانا عبدالقدیر بدایونیؒ کی تحریک اور مولانا شاہ سلیمانؒ کی تائید سے آئندہ اجلاس کے لیے ملتوی کر دیا گیا۔ اسی اجلاس میں پاس ہونے والی تجاویز میں وہ تجویز بھی شامل تھی امیر شریعت کے انتخاب سے پہلے صوبائی طور پر امیر شریعت کا انتخاب کر لیا جائے اور امیر شریعت ہند کے انتخاب سے پہلے اس کے فرائض واختیارات وقواعد کو مرتب کر کے اسے جمعیۃ علما ہند سے منظور کروالیا جائے (محمد میاں، 2/52، 54)۔

24-22 جمادی الاولی 1342ھ / بمطابق 31 دسمبر 1923ء-2 جنوری 1924ء میں جمعیۃ علماء ہند کے پانچویں اجلاس میں مذکورہ بالا مسودہ کو شائع کرنے کی تجویز پیش کی گئی تاکہ امیر شریعت کے حوالہ سے پائے جانے والے ہر قسم کے شکوک وشبہات کا ازالہ کیا جاسکے (محمد میاں، 2/79)۔ 25-27 محرم 1343ھ / 27-29 اگست 1924ء میں دہلی میں منعقد ہونے والے مجلس منتظمہ کے اجلاس میں امیر شریعت سے متعلق مسودہ کو ملک کے حالات صحیح ہونے تک مؤخر کرنے کی تجویز پیش کی گئی اور گویا اسے ایک طرح سے ٹھنڈے بستہ کی

نذر کر دیا گیا۔ مولانا ابوالمحاسن کی کوششوں کے باوجود جمیعۃ علماء ہند کے دیگر اجلاس میں بھی امیر کا انتخاب نہ کرتے ہوئے یہ قرار داد منظور کر لی گئی کہ پہلے مرحلہ میں صوبائی پیمانہ پر امارت شرعیہ قائم کی جائے، بعد ازاں امیر کا انتخاب کیا جائے گا۔ نہ جانے کس ساعت میں اس تجویز و قرارداد کو پیش کیا گیا تھا کہ آج تک ''امیر'' کا انتخاب نہیں کیا جاسکا ہے حالانکہ امارت شرعیہ کے قیام اور اس کی ضرورت کا اظہار اور امیر کے انتخاب کا ذکر کسی نہ کسی انداز میں جمیعۃ علماء ہند کے مختلف اجلاس میں ہوتا رہا اور اس کے حوالہ سے تجاویز پیش کی جاتی رہیں۔ ان تجاویز وغیرہ کے حوالہ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ امارت شرعیہ کا قیام اور امیر کا انتخاب، جمیعۃ علماء ہند کے بنیادی مقاصد میں شامل تھا۔

صوبائی پیمانہ پر امارت شرعیہ کی قیام کی تجویز پر مولانا ابوالمحاسن سجادؒ نے اسے ملکی سطح کے بجائے صوبائی سطح پر ہی قائم کرنے کا عزم مصمم کر لیا اور اس کے قیام کی کوششوں میں مصروف عمل ہو گئے۔ آخر کار اللہ کے اس پراگندہ بال بندہ کی دعاؤں اور کوششوں کو بارگاہ الٰہی میں شرف قبولیت حاصل ہو گئی اور انہوں نے اپنی تمام تر توانائیاں کو صرف کرتے ہوئے ''انجمن علمائے بہار'' کے اجلاس (منعقدہ مئی 1921ء، دربھنگہ) میں امارت شرعیہ کے قیام کی تجویز کو منظور کروالیا اور مولانا ابوالکلام آزادؒ کے زیر صدرات منعقد ہونے والے پٹنہ (بمقام پتھر کی مسجد) کے خصوصی اجلاس میں 19 شوال 1339ھ / 26 جون 1921ء کو چار ہزار افراد (امارت شریعہ کے تعارفی لٹریچر میں پانچ سو سے زائد) کی موجودگی میں خانقاہ مجیبیہ، پھلواری شریف کے سجادہ نشین مولانا شاہ بدرالدین پھلواروی ؒ کو ''امیر شریعت'' اور مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد کو ''نائب امیر شریعت'' منتخب کر لیا گیا اور اجلاس عام میں منتخب امیر شریعت اور نائب امیر شریعت کے ہاتھوں پر بیعت کی گئی اور مولانا ابوالمحاسنؒ کے خواب کی مکمل نہ سہی، جزوی تعبیر سامنے آگئی۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: امارت شرعیہ، ص68-82)۔

امارت کے قیام کو سو سال سے زائد عرصہ گذر چکا ہے اور اس نے اس عرصہ میں مسلمانوں کی دینی، شرعی اور سماجی ضروریات کو پورا کیا ہے اور آج بھی مسلم سماج کی ہمہ جہت ترقی کے کئی منصوبوں پر عمل پیرا ہے جس کے گہرے اور دوررس اثرات مرتب ہوئے ہیں اور امید ہے کہ آئندہ بھی وہ اپنے فعال کردار و عمل کا بہتر سے بہتر ثبوت فراہم کرتی رہے گی۔

یہاں اس بات کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ جس زمانہ میں امارت شرعیہ کی بنیاد پھلواری شریف، پٹنہ، بہار میں رکھی گئی تھی اس وقت بہار میں اڑیسہ اور جھارکھنڈ کی ریاستیں شامل تھیں جس کی وجہ سے اب اسے صرف امارت شرعیہ بہار کے بجائے امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ و جھارکھنڈ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ امارت شرعیہ کے ذیلی دفاتر اڑیسہ و جھارکھنڈ میں موجود ہیں۔

2.2.3 امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ و جھارکھنڈ کے مقاصد

امارت شرعیہ کو اسلام کے اجتماعی نظم کی ضرورت پورا کرنے والا ادارہ بتاتے ہوئے مولانا ظفیر الدین مفتاحیؒ نے لکھا ہے کہ ''اجتماعی نظم کے لیے جو چیزیں بھی لازمی ہیں وہ امارت شرعیہ کے مقاصد میں داخل ہیں۔ امیر کا انتخاب و تعین، دینی خطوط پر مسلمانوں کی تنظیم، شریعت اسلامیہ کا ممکن حد تک نفاذ، مسلمانوں میں دینی شعور پیدا کرنا، دینی تعلیم عام کرنا، ان کی معاشی زندگی کی تنظیم، جدید علوم (سائنس و تکنیک) میں ترقی کی ترغیب، معاشرہ میں پیدا شدہ خرابیوں اور غیر اسلامی رواج کا خاتمہ، مسلمانوں کی آواز میں قوت پیدا کرنے کے لیے انہیں مسلک و مشرب کے اختلاف سے قطع نظر وحدت کلمہ کی بنیاد پر ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا، فتنہ ارتداد اور دوسرے خارجی و داخلی

حملوں سے حفاظت، امت اسلامیہ میں عالمی تصور پیدا کرنااور مسلمانوں کے قومی اور بین الاقوامی مسئلوں کے حل کی ممکن حد تک جدوجہد کرنا۔ یہ تمام امور و مسائل امارت شرعیہ کے بلند و پاک مقاصد کے نمایاں عنوانات ہیں"۔(امارت شرعیہ، ص146-147)۔

امارت شرعیہ کے تعارفی رسالہ میں امارت کے آٹھ مقاصد درج کیے گئے ہیں جن کا خلاصہ حسب ذیل الفاظ میں کیا جاسکتا ہے:

صحیح شرعی زندگی گزارنے کے لیے منہاج نبوت پر نظام شرعی کا قیام، اس نظام پر عمل کرتے ہوئے جس حد تک ممکن ہو، اسلامی احکام کو بروئے کار لانا اور اس کے اجراء و تنفیذ کے مواقع پیدا کرنا، قوانین خداوندی کو نافذ اور اسلام نظام عدل کو قائم و جاری کرنے کی استطاعت پیدا کرنے کی مستقل جدوجہد، امت مسلمہ کے جملہ اسلامی حقوق و مفادات کا تحفظ اور ان کی نگہداشت، مسلمانوں کو بلا اختلاف مسلک محض کلمہ "لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کی بنیاد پر مجتمع کرنا، اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تعلیم، معاش اور ترقی کے میدان میں مسلمانوں کی رہنمائی کرنا، عام انسانوں کی خدمت کرنا اور اس کے لیے رفاہی اور فلاحی ادارے قائم کرنا، مسلمانوں کے حقوق، شریعت کے احکام اور اسلام کے وقار کو پوری طرح قائم اور محفوظ رکھتے ہوئے ہندوستان میں بسنے والے تمام مذہب فرقوں کے ساتھ صلح و آشتی کا برتاؤ کرنا، ملک میں امن پسند قوتوں کو فروغ دینا، اور تعلیم اسلامی "لا ضرر ولا ضرار في الاسلام" کی روشنی میں ملک کے مختلف مذہبی فرقوں میں ایک دوسرے کے حقوق کے احترام کا جذبہ پیدا کرنااور ہر ایسے طریق کار و تحریک کی ہمت شکنی کرنا جس کا مقصد ہندوستان میں بسنے والے مختلف طبقات میں سے کسی ایک کی جان و مال، عزت و آبرو، تصورات و معتقدات پر کسی دوسرے کی طرف سے حملہ کرنا ہو، ایسی تمام تحریکات کو قوت پہنچانا جن کا مقصد ملک میں بسنے والی مختلف مذہبی اکائیوں کے درمیان ایک دوسرے کی جان و مال، عزت و آبرو کا احترام پیدا کرنا ہو اور فرقہ وارانہ تعصب و منافرت کو دور کرنا ہو۔(امارت شرعیہ-تعارف و خدمات، شعبہ نشر و اشاعت امارت شرعیہ، پھلواری شریف، 1444ھ، ص6-7۔ مولانا محمد ظفیر الدین مصباحیؒ نے بھی تقریباً ان ہی مقاصد کا ذکر کیا ہے، تفصیل کے لیے دیکھیے: امارت شرعیہ)۔

2.2.4 امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ و جھارکھنڈ کا تنظیمی ڈھانچہ

امارت شریعہ کا تنظیمی ڈھانچہ چار مجالس پر مشتمل ہے جو امیر شریعت کی نگرانی میں اپنی اپنی ذمہ داریوں کو انجام دیتی ہیں:

1. * مجلس ارباب حل و عقد

یہ امارت شرعیہ کی سب سے اہم اور بنیادی باڈی ہے جو غیر منقسم بہار (یعنی بہار، اڑیسہ، جھارکھنڈ کی موجودہ ریاستیں یا صوبہ جات) اور مغربی بنگال کے 851 بااثر اور اہل رائے اشخاص و افراد پر مشتمل ہوتی ہے۔ مجلس ارباب حل و عقد، سماج کی مختلف اکائیوں کی نمائندگی کرنے والوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ اسی باڈی کو امیر کو منتخب و معزول کرنے کا اختیار حاصل ہے، وہی امارت شرعیہ کی ترقی و استحکام اور ملت اسلامیہ کی فلاح و بہبود کے لیے لائحہ عمل بھی تیار کرتی ہے اور عوام الناس میں امیر کی سمع و اطاعت کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ عام طور پر ہر تین سال پر اس مجلس کا انعقاد کیا جاتا ہے۔

2. * مجلس شوری

امارت شرعیہ کی مجلس شوری 101 ممبران پر مشتمل ہے جن کا انتخاب "مجلس ارباب حل و عقد" کے ممبران میں سے کیا جاتا

ہے۔ مجلس شوری کے نامزد اراکین میں نائب امیر شریعت،ناظم امارت شرعیہ، قاضی شریعت، مفتی امارت شرعیہ،نائبین ناظم امارت شرعیہ،ناظم بیت المال امارت شرعیہ اور نمائندہ مبلغین کے عہدہ پر فائز افراد واشخاص ہوتے ہیں۔عام طور پر ہر سال کم از کم ایک مرتبہ مجلس شوری کا اجلاس بلایا جاتا ہے تاہم امیر شریعت کو یہ اختیار اور حق حاصل ہے کہ ضرورت کے مطابق جب چاہیں مجلس شوری کا اجلاس بلا لیں۔

3. * مجلس عاملہ

31افراد پر مشتمل امارت شرعیہ کی ایک مجلس عاملہ بھی ہے۔نائب امیر شریعت،ناظم امارت شرعیہ، قاضی شریعت اور ناظم بیت المال جیسے عہدوں پر فائز افراد واشخاص مجلس عاملہ کے لازمی اراکین ہوتے ہیں۔ناظم امارت شرعیہ کی جانب سے عام طور پر اس مجلس کے سالانہ دو اجلاس منعقد ہوتے ہیں۔ تاہم ضرورت اور حالات کی مناسبت سے وہ امیر شریعت کے مشورہ سے مزید اجلاس بھی بلا سکتے ہیں۔

*** امارت شرعیہ بہار،اڑیسہ وجھارکھنڈ ٹرسٹ**

مجلس شوری اور مجلس عاملہ کی سفارشات پر ''امارت شرعیہ بہار،اڑیسہ وجھارکھنڈ ٹرسٹ''چند سال قبل بنایا گیا ہے۔اس ٹرسٹ کو ملکی قانون اور موجودہ حالات کے پیش نظر 24 ستمبر 2018ء میں رجسٹرڈ کرایا گیا ہے۔ امارت شرعیہ،خانقاہ رحمانیہ اور خانقاہ مجیبیہ سے وابستہ افراد واشخاص ہی اس ٹرسٹ کے اراکین ہوسکتے ہیں لہذا امیر شریعت،نائب امیر شریعت،ناظم امارت شرعیہ، قاضی شریعت امارت شرعیہ، مفتی امارت شرعیہ، ناظم بیت المال امارت شرعیہ، سجادہ نشیں یا نمائندہ سجادہ نشیں خانقاہ رحمانی،مونگیر اور سجادہ نشیں یا نمائندہ سجادہ نشیں خانقاہ مجیبیہ، پھلواری شریف اس ٹرسٹ کے لازمی اراکین ہوتے ہیں۔ٹرسٹ کی کم از کم سالانہ دو میٹنگ ہوتی ہے تاہم امیر شریعت کی ہدایت پر ناظم امارت شرعیہ اس کی میٹنگ کبھی بھی بلا سکتے ہیں۔

2.2.5 امارت شرعیہ بہار،اڑیسہ وجھارکھنڈ کے شعبہ جات اور ان کی خدمات

امارت شرعیہ کے تحت حسب ذیل شعبہ جات مختلف قسم کی خدمات انجام دے رہے ہیں:

1. * شعبہ نظامت

دفتر شعبہ نظامت،امارت شرعیہ کی نگرانی میں امارت شرعیہ کے سارے امور انجام دیے جاتے ہیں تاہم امارت شرعیہ کے ناظم، قاضی اور مفتی براہ راست امیر شریعت کے سامنے جوابدہ ہوتے ہیں(امارت شرعیہ،ص177-178)۔

2. * شعبہ دعوت وتبلیغ

امارت شرعیہ کا یہ اہم ترین شعبہ ہے۔مسلمانوں کے دلوں میں دین کا گہرا تعلق پیدا کرنے ،عام لوگوں تک دین کی دعوت پہنچانے، غیر اسلامی رسوم کو مٹانے، اصلاح معاشرہ، اشاعت اسلام کے علاوہ شدھی سنگھٹن تحریک، فتنہ ارتداد اور قادیانیت کا مقابلہ کرنے اور ان کے باطل افکار وخیالات سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کے لیے اس شعبہ کو قائم گیا تھا۔

مذکورہ خدمات کے ساتھ ساتھ یہ شعبہ ملک میں پیش آنے والے قدرتی حادثات وآفات اور فسادات کے دوران متاثرین کی راحت

رسانی کا کام بھی انجام دیتا ہے۔ اس شعبہ کو مزید مضبوط کرنے کے لیے سابق امیر شریعت مولانا ولی رحمانیؒ اور موجودہ امیر شریعت نے چند عملی اقدام اٹھائے ہیں۔

3. *شعبہ تنظیم

اس شعبہ کا شمار امارت شرعیہ کے بنیادی شعبہ جات میں ہوتا ہے۔ اس شعبہ کے قیام کا بنیادی مقصد مسلم آبادی کو ایک منظم زندگی پر ابھارنا ہے۔ اس شعبہ کے تحت کسی بھی گاؤں اور محلہ کی مسلم آبادی کو ایک یونٹ تسلیم کیا جاتا ہے اور وہاں کے باشندوں کو مقامی امیر "نقیب" کی ماتحتی میں زندگی گذارنے کی تلقین کی جاتی ہے۔ "نقیب" کی ذمہ داریوں میں اپنے ماتحت علاقہ کی مسلم آبادی کو شریعت کے احکام کا پابند بنانا، ان کے اختلافات کو مقامی طور پر طے کرنے کی کوشش کرنا، بصورت دیگر فریقین کو اس بات پر راضی کرنے کی کوشش کرنا کہ کورٹ جانے کے بجائے دارالقضا سے رجوع کیا جائے۔

"نقیب" کی دیگر ذمہ داریوں میں قبرستان کا تحفظ کرنا، مسلم آبادی کا مختلف قسم کا سروے کرنا، مساجد کو آباد رکھنے کی کوشش کرنا، دینی و عصری تعلیم کا انتظام کرنا، مسلمانوں کی ہر قسم کی پس ماندگی کو دور کرنے کی سبیل کرنا، مرکز-امارت شرعیہ-سے جاری ہونے احکام کو وہاں کی آبادی تک پہنچانا، انہیں ملت کو درپیش مسائل سے آگاہ کرنا اور ان کے دینی وملی شعور کو بیدار کرنا اور زکوۃ وعشر اور صدقات کی وصولیابی اور انہیں اجتماعی طور پر خرچ کرنا وغیرہ شامل ہے۔

ہر نقیب "امیر شریعت" کے سامنے اپنے علاقہ کے احوال کو پیش کرنے کا پابند ہوتا ہے۔ اب تک اس شعبہ کی ہزارہا شاخیں قائم ہو چکی ہیں اور وہ پوری مستعدی کے ساتھ اپنے کام میں لگی ہوئی ہیں۔ مذکورہ نظام میں سابق امیر شریعت مولانا ولی رحمانی علیہ الرحمہ کے دور امارت میں مزید پیش رفت ہوئی اور اس کے دائرہ کار کو پنچایت، بلاک اور ضلع کی سطح تک پہنچا دیا گیا ہے جو منتخب عمال کی نگرانی میں اپنے فرائض انجام دے رہا ہے۔ موجودہ امیر شریعت بھی اس نظام کو مزید فعال بنانے میں مصروف عمل ہیں۔

مذکورہ بالا شعبہ سے ہی امارت شرعیہ کا ترجمان "نقیب" شائع ہوتا ہے۔

2.2.6 شعبہ مذہبی اور عصری تعلیم

امارت شرعیہ کا قیام مسلمانوں کی ہمہ جہت ترقی کو پیش نظر رکھتے ہوئے کیا گیا تھا لہذا اس پلیٹ فارم سے جہاں ایک طرف انہیں شرعی زندگی گذارنے کے طریقوں اور مناہج سے آگاہ کیا گیا وہیں ان میں دینی اور دنیاوی تعلیم کے تئیں بیداری پیدا کرنے کے عملی اقدام کیے گئے۔ میری معلومات کی حد تک دینی تحریکات اور مذہبی تنظیموں میں امارت شرعیہ وہ واحد پلیٹ فارم ہے جس کے ذمہ داران نے روز اول سے امت مسلمہ کے نونہالوں کی دینی اور عصری تعلیم کی باضابطہ فکر کی ہے اور اس حوالہ سے عملی اقدام کیے ہیں۔

مذکورہ بالا نظام کے تحت امارت شرعیہ کے دائرہ کار میں شامل علاقہ جات میں سینکڑوں مدارس ومکاتب قائم کیے گئے ہیں۔ ان مکاتب کے پہلو بہ پہلو اعلی دینی تعلیم کے لیے المعہد العالی اور دارالعلوم الاسلامیۃ کا قیام عمل میں لایا جا چکا ہے۔ اول الذکر ادارہ کا

بنیادی مقصد فارغین مدارس کی قضاء وافتاء کے میدان میں تربیت دینا ہے جب کہ موخر الذکر کو عمومی دینی تعلیم کو فروغ دینے کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ یہ دونوں ادارے پھلواری شریف، پٹنہ میں واقع ہے اور اپنے اپنے مقاصد کی تکمیل میں ہمہ وقت مصروف عمل ہیں۔

غالباً مذکورہ بالا شعبہ کے تحت ہی وفاق المدارس الاسلامیۃ نامی ادارہ بھی اپنی خدمات انجام دے رہا ہے۔ اس کا بنیادی مقصد دینی مدارس اور اس کے مروجہ نظام میں ہر لحاظ سے تال میل پیدا کرنا اور یکسانیت کو فروغ دینا ہے۔ اس وفاق کے تحت اب تک بہار، جھارکھنڈ، اڑیسہ اور مغربی بنگال کے 276 مدارس منسلک ہو چکے ہیں۔

عصری تعلیم کے حوالہ سے پھلواری شریف میں قاضی نورالحسن میموریل اسکول اور آسنسول میں مولانا منت اللہ رحمانی اسکول کے علاوہ رانچی اور گریڈیہہ میں بھی اسلامی ماحول کو فراہم کرتے ہوئے سی بی ایس سی کے طرز پر انگلش میڈیم اسکول کامیابی کے ساتھ چل رہے ہیں اور بہار، اڑیسہ اور جھارکھنڈ کے دیگر مقامات پر سی بی ایس سی کے طرز پر اسکول قائم کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ لڑکیوں کے لیے علیحدہ تعلیمی نظام کو قائم کرنے کی مہم بھی چلائی جارہی ہے۔

عصری تعلیم کو فروغ دینے کے امارت شرعیہ نے باقاعدہ ایک ٹرسٹ بنایا ہے اور اسے ''امارت شرعیہ ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ'' کے نام سے رجسٹرڈ کرایا ہے۔ یہ ٹرسٹ 1993ء سے اپنا کام بحسن وخوبی انجام دے رہا ہے اور اس کے تحت مختلف مقامات پر آئی ٹی آئی اور پارامیڈیکل ادارے قائم کیے جاچکے ہیں جہاں سے ہزارہا بچے فارغ ہو کر باروزگار ہو چکے ہیں جیسے مولانا منت اللہ رحمانی ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ، پھلواری شریف۔ اس ادارہ کے علاوہ پھلواری شریف میں ہی پارامیڈیکل کورسیس کو کامیابی سے چلایا جارہا ہے۔

اسی ٹرسٹ کے تحت پھلواری شریف میں مولانا سجاد میموریل اسپتال بہت کامیابی سے چلایا جارہا ہے اور میڈیکل کی اچھی سہولیات فراہم کرائی جارہی ہیں۔ اس کے علاوہ سبزی باغ، پٹنہ، جمشید پور (جھارکھنڈ) اور راورکیلا (اڑیسہ) میں ہیلتھ سینٹرس بھی قائم کیے گئے ہیں۔

امارت کے اس شعبہ کے ماتحت دینی اور عصری تعلیم کا ایک متوازی نظام قائم کیا گیا ہے جسے مزید سے مزید بہتر بنانے کی کوششیں کی جاتی رہی ہیں۔ اس حوالہ سے موجودہ امیر شریعت کافی فکر مند ہیں اور وہ اس بات کے لیے مسلسل کوشاں ہیں کہ اس نظام کو زیادہ سے زیادہ بہتر کیسے بنایا جاسکتا ہے۔ وہ ایک طرف بنیادی دینی تعلیم کے لیے مکاتب کا جال بچھانے کے لیے کوشاں ہیں کہ سالانہ سوخود کفیل مکاتب کا قیام عمل میں لایا جائے تو دوسری طرف اس فکر میں مبتلا ہیں کہ ہر ضلع میں کم از کم ایک پرائمری اور مڈل اسکول کو قائم کیا جائے۔ مسلمانوں میں تعلیم کے فروغ کے تحت ان کی دلچسپی اور فکر مندی کا اندازہ ''امارت جونیئر پروگرام'' سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان کی ہدایات کی روشنی میں بورڈ کا امتحان دینے والے طلباوطالبات کے لیے چار ماہ کا ایک کریش کورس شروع کیا گیا ہے تاکہ وہ بورڈ میں اچھے نمبرات حاصل کرکے آگے بڑھ سکیں۔ اس منصوبہ کی کامیابی گویا امت مسلمہ کی کامیابی اور کامرانی ہوگی۔

2.2.7 شعبہ افتاء / دارالافتاء

اس شعبہ کی ذمہ داری کا اندازہ اس کے نام سے ہی کیا جاسکتا ہے۔ روز اول ہی سے یہ شعبہ اپنی گرانقدر خدمات انجام دے رہا ہے

اور مسلمانوں کے مختلف مسائل کا حل دین و شریعت کی روشنی میں عمدہ انداز میں انجام دے رہا ہے۔ یہاں سے جاری ہونے والے فتاوی کافی اہمیت کے حامل قرار دیے جاتے ہیں۔ اس شعبہ کے ذریعہ دیے گئے فتاوی کی تعداد لاکھوں کو متجاوز کر چکی ہے لہذا ارباب حل وعقد نے ان سے استفادہ کو عام کرنے کی خاطر انہیں شائع کرنے کا منصوبہ کچھ دنوں قبل بنایا تھا۔ اب تک ان فتاوی کی پانچ جلدیں منظر عام پر آچکی ہیں اور چھٹی زیر ترتیب ہے۔ مفتیان کرام کے لیے خصوصا اور علمائے کرام کے لیے عموما یہ گرانقدر علمی سرمایہ ہے۔

2.2.8 شعبہ قضاء / دارالقضاء

اس شعبہ کے ذریعہ امارت شریعہ کا بنیادی مقصد پورا کرنے کی حتی الامکان کوشش کی جاتی ہے کہ مسلمان اپنی زندگی اسلامی شریعت کی روشنی میں گذاریں اور اپنے اختلافات کو شریعت کے مطابق حل کریں۔ اس شعبہ کو گویا امارت شرعیہ کا عملی کردار کہا جاسکتا ہے کہ اس کے بغیر امارت شرعیہ کا تصور ادھورا قرار پائے گا کہ مسلمانوں کے آپسی اختلافات کا تصفیہ دارالقضاء کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔ امارت شرعیہ کے مرکزی دارالقضاء سے شائع ہونے والے فیصلے قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں اور عموما فریقین دارالقضاء سے شائع ہونے والے فیصلہ کا احترام کرتے ہیں۔ امارت شرعیہ سے صادر ہونے فیصلوں کی دو جلدیں منظر عام پر آچکی ہیں اور باقی زیر ترتیب ہیں۔

پھلواری شریف میں مرکزی دارالقضاء کو چھوڑ کر امارت شرعیہ نے اپنے دائرہ عمل میں شامل علاقوں میں تقریبا اکیاسی (81) دارالقضاء قائم کیے ہیں جو مسلمانوں کے آپسی اختلافات کو شریعت کی روشنی میں دور کرنے میں شب وروز مصروف عمل ہیں اور اپنی اپنی ذمہ داریاں بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں۔ امارت شرعیہ کے ماتحت چلنے والے دارالقضاء کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے وہاں صرف بہار واڑیسہ اور جھارکھنڈ سے آئے ہوئے مسائل وقضایا کو ہی فیصل نہیں کیا جاتا ہے بلکہ ہندوستان کی دوسری ریاستوں اور پڑوسی ملک نیپال سے بھی آنے والے مسائل وقضایا کو شریعت کی روشنی میں حل اور فیصل کیا جاتا ہے۔

بقول مولانا ظفیر الدین مفتاحیؒ امارت شرعیہ کی نگرانی میں ملک کے مختلف صوبوں میں بھی دارالقضاء قائم کیے جاچکے ہیں جنھیں رول ماڈل بناتے ہوئے امارت شریعہ کی نگرانی میں سارے ملک میں کا دارالقضاء کا قیام اور اس کا مکمل نظام مرتب کرنا یقینی طور پر ایک مستحسن قدم ہوگا۔ ممکن ہے کہ مستقبل میں یہ عمل صوبائی امارت شرعیہ کو ملکی امارت شرعیہ میں تبدیل کرنے کے لیے اٹھایا جانے والا پہلا قدم قرار پائے۔

2.2.9 شعبہ خدمت (تحفظ مسلمین)

یہ شعبہ زمینی حقائق کی بنیادوں پر کام کرتا ہے یعنی جب کبھی بھی مسلمانوں کے عقائد، اسلام اور مسلمانوں سے متعلق دیگر امور جیسے وقف اور پرسنل لاء وغیرہ پر آنچ آتی ہے تو اس شعبہ کے منتظمین اور کارکنان سڑک پر آکر کام کرتے ہیں اور مسلمانوں کے عقائد اور پرسنل لاء کو بچانے کی عملی کوششیں کرتے ہیں۔ امارت شرعیہ کی تاریخ گواہ کہ اس کے کارکنان نے قادیانیت، شدھی سنگھٹن اور بھارتیہ کرن جیسے مسائل سے نبرد آزما ہوئے ہیں اور پرسنل لاء کی حفاظت، دینی تعلیمی اداروں اور اوقاف کے تحفظ وغیرہ کے لیے عملی اقدامات کیے ہیں۔ مسلمانوں کو باعزت شہری بنانے اور ہندوستان میں انہیں یکساں سہولیات حاصل ہونے کے لیے بھی عملی کوششیں کی ہیں جیسے ووٹر

لسٹ میں مسلمانوں کا صحیح اندارج، سی اے اے، این پی آراور این آر سی کے خلاف تحریک چلانا، متعدد مقامات پر احتجاج درج کرانااوران مسائل سے نپٹنے کے لیے قانونی کوششیں کرناوغیرہ۔بقول مولانامفتاحیؒ"مذہبی حیثیت سے اصلاح وہدایت شعبہ تبلیغ کاکام ہے اور اگر کوئی فتنہ وفساد برپاہوتاہے اور مسلمان بلاجرم مقدمات وغیرہ میں ماخوذ ہوتے ہیں تو"شعبہ تحفظ مسلمین"حرکت میں آتاہے"۔(امارت شرعیہ،ص 183)۔

2.2.10 شعبہ بیت المال

اس شعبہ کی حیثیت امارت شرعیہ کے خزانہ کی ہے کہ اس میں زکوۃ،صدقات، خیرات اور دیگر مد کی رقوم جمع کی جاتی ہیں اور انہیں قوم وملت کی مختلف ضرورتوں میں خرچ کیاجاتاہے۔مختلف النوع مصائب کے مواقع پر امارت شرعیہ اپنے بیت المال کامنھ کھول دیتی ہے اور متاثرین کی بلاتفریق وملت مدد کرتی ہے۔اس مقصد کے لیے باقاعدہ ایک شعبہ "شعبہ ریلیف فنڈ" کے نام سے قائم کیاگیاہے۔

بیت المال کے حوالہ سے یہ بات قابل ذکرہے کہ وہاں جمع ہونے والی رقوم کوہندوستان کے علاوہ بیرون ملک کے ضرورت مندوں میں بھی خرچ کیاجاتارہاہے جیسے جنگ بلقان وسمرنا، عرب واسرائیل جنگ کے علاوہ 1934ء میں آنے والے زلزلہ کے متاثرین کی لاکھوں میں مدد کی گئی تھی لیکن غالباًاب اس ضمن میں کوئی سرگرمی نہیں پائی جاتی ہے۔

2.2.11 دارالمشاریع(شعبہ منصوبہ سازی)

منصوبہ بندی کسی بھی قوم اور تحریک وتنظیم کے لیے ریڑھ کی حیثیت رکھتی ہے کہ جتنی عمدہ اور بہتر منصوبہ بندی ہوگی اتنے ہی بہترین نتائج سامنے آئیں گے۔منصوبہ بندی کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے امیر شریعت سابع علیہ الرحمہ نے اس کے لیے ایک باقاعدہ شعبہ "دارالمشاریع" قائم کیاتاکہ امارت شریعہ کے تمام شعبوں کے لیے منصوبہ سازی کی جاسکے اور جدید اصول وتقاضوں پر عمل کرتے ہوئے انہیں زمینی سطح پر لایاجاسکے۔غالباامارت شرعیہ وہ واحد تنظیم ہے جہاں مستقبل کی منصوبہ بندی کے لیے ایک باقاعدہ شعبہ قائم کیاگیاہے۔

2.2.12 شعبہ امور مساجد

اسلامی معاشرہ میں مسجد کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔وہ بیک وقت عبادت گاہ، تعلیم گاہ اور تربیت گاہ ہے۔اس کی یہ حیثیت عہد نبوی سے لے کر آج تک برقرار ہے۔امارت شرعیہ کے دائرہ عمل میں ہزارہامساجد آتی ہیں۔ان مساجد کے ائمہ وخطباکی تربیت اور ٹریننگ کے لیے مذکورہ شعبہ قائم کیاگیاہے۔ عملی تربیت کے ساتھ انہیں مختلف قسم کالٹریچر بھی فراہم کرایاجاتاہے تاکہ وہ ان کی مدد سے اپنی ذمہ داریوں کو اچھی طرح ادا کرنے کے قابل ہوسکیں۔امیر سابع مولاناولی رحمانیؒ نے اس شعبہ پر خصوصی توجہ دیتے ہوئے اس کا ایک باقاعدہ آفس قائم کیاتھااور ان کے جانشین موجودہ امیر شریعت ان کے منصوبوں کو مکمل کرنے میں پوری طرح سنجیدہ ہیں۔

مذکورہ بالا شعبوں کے علاوہ شعبہ نشر واشاعت،شعبہ تعمیرات،شعبہ اصلاحات آراضی اور شعبہ تحفظ اوقاف(وقف سروے آفس)نامی شعبہ جات بھی اپنی اپنی ذمہ داریاں بخوبی ادا کررہے ہیں۔مؤخرالذکر دواداروں میں سے پہلے کی بنا امیر شریعت سابع نے

اور دوسرے کی بنا موجودہ امیر شریعت نے رکھی ہے۔ اول الذکر شعبہ کے قیام کا بنیادی مقصد غیر منقولہ جائیدادوں کا تحفظ اور ان کے حوالہ سے پیش آنے والے مسائل کا تصفیہ کرنا ہے جب کہ مؤخر الذکر شعبہ کے قیام کا بنیادی مقصد اوقاف کا تحفظ اور بہترین ڈھنگ سے ان کا استعمال کرنا ہے۔ موجودہ امیر شریعت کو اس شعبہ کو قائم کرنے کی تحریک امارت شرعیہ کے بانی مولانا ابوالمحاسنؒ و دیگر کے طرز عمل سے ملی تھی۔

2.2.13 امرائے امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ و جھارکھنڈ

1. امیر شریعت اول: مولانا سید شاہ بدرالدین قادری علیہ الرحمہ (1852-1924ء)

امارت شرعیہ کے پہلے امیر مولانا سید شاہ بدرالدین قادریؒ تھے۔ ان کا انتخاب جب امیر شریعت اول کی حیثیت سے کیا گیا تو اس وقت وہ خانقاہ مجیبیہ کے سجادہ نشین تھے۔ وہ ہندوستان کے سماجی و سیاسی حالات سے بھی نہ صرف بخوبی واقف تھے بلکہ ان میں عملا حصہ بھی لیا کرتے تھے اور جہاں خود نہیں پہنچ پاتے اپنے بڑے بیٹے مولانا شاہ محی الدینؒ کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجتے تھے۔ وہ ملک و ملت، خاص طور سے امت مسلمہ کی بے سمتی کو ایک سمت دینے کے لیے فکر مند بھی رہا کرتے تھے۔ انہوں نے تحریک خلافت کے ساتھ ساتھ دیگر تحریکات میں بھی عملی و علمی طور حصہ لیا تھا کہ ملک کے طول و عرض سے ان تحریکات کے حوالہ سے جو استفسارات آتے تھے، وہ ان کا واضح اور جامع انداز میں جواب دیا کرتے تھے۔ غالبا ان کی اسی دینی و دنیاوی جامعیت کے پیش نظر ان کا انتخاب "امیر شریعت اول" کی حیثیت سے کیا گیا تھا۔ امیر شریعت اول کی حیثیت سے انہوں نے عوام میں اس تنظیم کو متعارف کرانے اور اسے قبول عام حاصل ہونے میں بنیادی کردار ادا کیا تھا۔

امیر شریعت اول کا زمانہ امارت تقریبا سوا تین سال-19 شوال 1339ھ تا 16 صفر 1343ھ / 26 جون 1921ء تا 16 ستمبر 1924ء پر مشتمل ہے۔ مولانا محمد ظفیر الدین مفتاحیؒ نے ان کے دور امارت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کے دور امارت میں مولانا سجادؒ کی دور بینی اور مسلسل جدوجہد سے امارت شرعیہ کا نظام پورے صوبہ میں پھیل گیا تھا اور امارت کے تمام اہم شعبہ جات اور شرعی محکمے قائم ہو کر اپنے فرائض انجام دینے لگے تھے۔ انہوں نے امارت کے نظام کو مستحکم بنانے میں نمایاں حصہ لیا تھا (امارت شرعیہ، ص 78)۔

2. امیر شریعت ثانی: مولانا سید شاہ محی الدین قادری علیہ الرحمہ (1879-1947ء)

دوسرے امیر شریعت مولانا سید شاہ محی الدین قادریؒ کا انتخاب خانقاہ مجیبیہ، پھلواری شریف، پٹنہ میں 8-9 ربیع الاول 1343ھ میں ہونے والے جلسہ کیا گیا تھا۔ اس جلسہ کی صدارت مولانا سید شاہ محمد علی مونگیریؒ کو کرنی تھی لیکن وہ اپنی علالت کی بنا پر اس جلسہ میں شرکت نہ کر سکے اور ان کے بڑے صاحبزادہ مولانا سید لطف اللہؒ نے صدارت کی اور مولانا مونگیریؒ کا فکر انگیز خطبہ پڑھ کر سنایا جس میں مولانا ظفیر الدین مفتاحیؒ کے بقول "امارت شرعیہ کی ضرورت واہمیت اور امیر شریعت کے حقوق و فرائض اور اس سے متعلق دیگر امور کا جامع ذکر اور بہترین مواد کہیں اور نہیں ملتا ہے"۔

ڈیڑھ سو علما، مشائخ اور اعیان ملت پر مشتمل ایک کمیٹی نے دوسرے امیر شریعت کا انتخاب 9 ربیع الاول 1343ھ / 8 اکتوبر 1924ء کو باتفاق رائے کیا تھا۔ اس انتخاب کا اعلان نائب امیر شریعت نے کیا تھا۔ بعد ازیں ان کے ہاتھوں پر تقریبا چار ہزار اشخاص نے بیعت

کی تھی۔

بحیثیت امیر شریعت ثانی مولانا سید شاہ محی الدین قادریؒ نے امارت شرعیہ کے نظام کو بہت زیادہ مضبوط کیا تھا اور اس کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ انہوں نے اپنے عہد امارت میں مسلم پرسنل لاء سے متصادم شاردا ایکٹ (1929ء)، قبلہ اول پر ناجائز قبضہ کرنے کی یورپی سازش (1936ء)، سدھارا سکیم اور گائے کے ذبیحہ پر پابندی (1937ء)، بہار حکومت کے زرعی بل (1939ء) جیسے معاملات کو پورے شد و مد سے اٹھایا اور ان میں سے بعض معاملات میں حکومت کو اپنا بل واپس لینا پڑا۔

ان کے عہد امارت کا ایک بڑا کارنامہ اس وقت کے پارلیمانی انتخاب میں حصہ لینا تھا کہ امارت شرعیہ نے مسلم انڈیپنڈنٹ پارٹی کے نام سے نہ صرف انتخابات میں حصہ لیا تھا بلکہ مسلمانوں کی سب سے بڑی پارٹی بن کر ابھری تھی اور چند دنوں کے لیے ہی سہی اپنی وزارت قائم کی تھی (تفصیل کے لیے دیکھیں: امارت شرعیہ، ص95-102)۔

مذکورہ بالا امور کے علاوہ سماجی سطح پر 1934ء کے بھیانک زلزلہ اور ان کے عہد امارت میں پھوٹ پڑنے والے مختلف فسادات کے دوران متاثرین کی حتی الامکان راحت رسانی کا سامان بھی فراہم کیا گیا تھا جو امارت شرعیہ کی روشن تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔

امیر شریعت ثانی کا زمانہ امارت 23سال دوماہ بیس دن- 9ربیع الاول1343ھ تا29 جمادی الاولی1366ھ /8اکتوبر 1924ء تا21اپریل1947ء- پر مشتمل ہے۔

3. امیر شریعت ثالث: مولانا سید شاہ قمر الدین الدین قادری علیہ الرحمہ (1895-1957ء)

تیسرے امیر شریعت کا انتخاب 6-7 شعبان1366ھ /26-27جون1947ء میں منعقد ہونے والے جلسہ (ڈھاکہ، ضلع مشرقی چمپارن) میں کیا گیا۔ اس اجلاس کی صدارت شیخ الاسلام مولانا سید احمد حسین مدنیؒ کو کرنی تھی لیکن اپنی تدریسی مصروفیات کی بنا شرکت کرنے سے معذرت کرتے ہوئے جلسہ کی صدارت کے لیے مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ کو نامزد کر دیا تھا لیکن اتفاق سے وہ بھی راستہ میں ہونے والے ایکسڈینٹ کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے تھے لہذا مولانا سید محمد میاں صاحبؒ، ناظم جمیعۃ العلما کی صدارت میں یہ جلسہ منعقد ہوا اور امیر شریعت اول کے منجھلے صاحبزادہ مولانا سید شاہ قمر الدین قادریؒ کا انتخاب تیسرے امیر شریعت کی حیثیت سے کیا گیا۔

تیسرے امیر شریعت کا انتخاب شرکائے جلسہ کی بجائے ایک نورکنی کمیٹی نے کیا تھا۔ کمیٹی برائے انتخاب امیر شریعت کے سامنے چھ نام- مولانا سید منت اللہ رحمانی، مولانا سید نورالحسن، قاضی امارت شرعیہ، مولانا سید شاہ محمد قمر الدین، خانقاہ مجیبیہ، علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا ریاض احمد (چمپارن) اور مولانا عبد الصمد رحمانی، نائب امیر شریعت علیہم الرحمہ تھے جن میں سے کمیٹی نے باتفاق رائے امیر اول کے منجھلے صاحبزادہ مولانا سید شاہ محمد قمر الدینؒ کا انتخاب بحیثیت امیر شریعت ثالث کیا تھا۔

امیر شریعت ثالث کا زمانہ بہت ہی پر آشوب تھا۔ جنگ آزادی اپنے منطقی انجام کو پہنچی تو ضرور لیکن ہندوستان دولخت ہو گیا اور تقسیم کی ساری ذمہ داری مسلمانوں کے سر تھوپ دی گئی جس کے نتیجہ میں پورے ملک میں فسادات کی لہر دوڑ گئی۔ اس مشکل وقت میں امیر شریعت نے ان فسادات کو روکنے، ان کی شدت کو ختم کرنے یا کم از کم کم کرنے کے لیے عملی اقدامات کیے جس کا خیر خواہ نتیجہ بر آمد

ہوا۔ اسی طرح امارت شریعہ کی جانب سے حتی الامکان ریلیف پہنچانے کا انتظام کیا گیا اور اس کو بہم پہنچانے میں کسی قسم کی تفریق اور بھید بھاؤ نہیں کیا گیا۔

امیر شریعت ثالث کا زمانہ امارت 9 سال، 11 ماہ، 13 دن-7 شعبان 1366ھ تا 30 رجب 1376ھ / 27 جون 1947ء تا 2 مارچ 1957ء- پر مشتمل ہے۔

4. امیر شریعت رابع: مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانی علیہ الرحمہ (1912-1991ء)

مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ، ناظم عمومی جمیعۃ علما، ہند کی نگرانی اور مولانا ریاض احمد سنت پوریؒ (مغربی چمپارن) کی زیر صدرات منعقد ہونے والے جلسہ (21-22 شعبان 1376ھ / 24-25 مارچ 1957ء، مدرسہ رحمانیہ، سوپول، دربھنگہ) میں چوتھے امیر شریعت کا انتخاب کیا گیا تھا۔

امیر شریعت کے انتخاب کے لیے مذکورہ جلسہ کے پہلے دن نائب امیر شریعت نے جلسہ میں موجود سات سو علما کو مکمل آزادی اور شرح وانبساط کے ساتھ ایسے نام پیش کرنے کی دعوت دی جو امیر شریعت کے عہدہ کے لیے ہر لحاظ سے مناسب وموزوں ہوں۔ ان کی تجویز پر مولانا شاہ امان اللہؒ، مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانیؒ، شاہ نظام الدینؒ، اور نائب امیر شریعت مولانا عبد الصمد رحمانیؒ کے نام پیش کیے گئے لیکن مؤخر الذکر شخصیت نے اپنا نام واپس لیتے ہوئے اس بات کا اعلان کیا کہ پیش کردہ ناموں کی وجہ ترجیح کو عمومی طور پر موضوع بحث نہ بنایا جائے اور ایک سب کمیٹی بنادی جائے جو غور وفکر اور بحث ومباحثہ کے بعد ایک نام کو متفقہ طور پر پیش کرے جسے سب کی رائے سمجھتے ہوئے اسے بحیثیت امیر منتخب کرلیا جائے گا۔ اس انتخابی سب کمیٹی میں نو افراد کے علاوہ ناظم عمومی جمیعۃ علماء مولانا حفظ الرحمنؒ اور نائب امیر شریعت عبد الصمد رحمانیؒ بطور مشاہد شامل تھے۔ اس کمیٹی نے بحث ومباحثہ کے بعد مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ کو چوتھا امیر شریعت منتخب کردیا۔

امیر شریعت رابع نے اپنے پہلے فرمان میں امارت شرعیہ کے لیے ایک روڈ میپ جاری کیا جس پر وہ تاحیات کاربند رہے اور امارت شرعیہ اپنی ترقی کے منازل کو بہت تیزی سے طے کرتی چلی گئی۔ ان کے عہد امارت کا نقشہ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے ان الفاظ میں کھینچا ہے: ”ان کے دور امارت میں امارت کا کام زیادہ وسیع اور منظم ہو گیا۔ کئی نئے شعبوں کا آغاز ہوا، دارالقضاء کھلے، قاضیوں کے فیصلے کی اپیل کے سلسلہ میں شرعی فیصلوں کی اہمیت اور ان کے احترام کا اظہار ہوا، قضاۃ کی تربیت کا نظم کیا گیا، قاضیوں کے تقرر عمل میں آیا، سند قضا دینے کا سلسلہ شروع ہوا، دارالافتاء کی مزید تنظیم ہوئی، بیت المال کی توسیع ہوئی، تحفظ مسلمین اور تبلیغ کے شعبے قائم ہوئے، گاؤں اور اضلاع سے ربط قائم کیا گیا، مسلمان عورتوں کے حقوق کی نگرانی، مشرکانہ مراسم اور اخلاقی مفاسد اور عادات بد کی مخالفت اور اصلاح ذات البین کی کوششوں کو تیز کیا گیا، مختلف قوموں اور برادریوں کی اصلاح کا قدم اٹھایا گیا، فرقہ وارانہ فسادات میں مفید خدمات انجام دی گئیں، نئے پیدا ہونے والے مسائل میں جو نئی قانون سازی کے نتیجہ میں پیدا ہوئے تھے، مسلمانوں کی رہنمائی اور حکومت کو توجہ دلائی گئی۔ اسی طرح کے بہت سے کام ہیں جو امیر شریعت رابع اور ان کے لائق رفقاء وشرکائے کار کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہیں“۔ (امارت شرعیہ، دینی جدوجہد کا روشن

باب، ص27-28)۔

چوتھے امیر شریعت کا زمانہ امارت اس لحاظ سے بھی ممتاز و منفرد قرار پاتا ہے کہ ان کے عہد میں امارت شرعیہ کے سماجی کاموں کے دائرہ میں وسعت ہوئی جیسے مولانا سجاد میموریل ہاسپٹل کا قیام وغیرہ، تعلیمی محاذ پر نمایاں کام انجام دیے گئے کہ ایک طرف جہاں دینی مکاتب کا جال پھیلا دیا گیا تو دوسری طرف عصری تعلیم کو عام کرنے کے لیے ٹیکنیکل اداروں کو قائم کیا گیا تھا جن سے مسلمانوں کے متعدد خاندان فیض یاب ہو کر ایک خوش حال زندگی گزار رہے ہیں۔

امیر شریعت رابع کا زمانہ امارت 23سال دوماہ بیس دن- 22شعبان 1376ھ تا2 رمضان 1411ھ / 25مارچ 1957ء تا19 مارچ 1991ء- پر مشتمل ہے۔ امارت شرعیہ کی تاریخ میں امیر شریعت رابع کا عہد امارت سب سے طویل ہے۔

5. امیر شریعت خامس: مولانا عبد الرحمن علیہ الرحمہ (1903-1998ء)

پانچویں امیر شریعت مولانا عبد الرحمن علیہ الرحمہ کا انتخاب مجلس شوری اور مخصوص مدعوئین کی موجودگی میں مجلس شوری کے جلسہ (منعقدہ14 رمضان 1411ھ / 31مارچ 1991ء، کانفرنس ہال، امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ) میں باتفاق رائے کیا گیا۔

پانچویں امیر شریعت کا زمانہ امارت اس لحاظ سے ممتاز و منفرد قرار پاتا ہے کہ ان کے عہد میں امارت شرعیہ کے سماجی کاموں کے دائرہ میں مزید وسعت ہوئی جیسے مولانا سجاد میموریل ہاسپٹل کو مزید منظم کیا گیا اور اسے جدید آلات سے آراستہ کیا گیا۔ ساتھ ہی ساتھ تعلیمی محاذ پر نمایاں کام انجام دیے گئے، خاص طور سے عصری علوم کے حوالہ سے کئی اہم اقدامات اٹھانے کے ساتھ ساتھ قضاۃ و مفتیان کرام کی تربیت کے لیے المعہد العالی جیسے ادارہ کی داغ بیل ڈالی گئی تھی۔

امیر شریعت خامس کا زمانہ امارت 7سال، 8ماہ، 23دن-14 رمضان 1411ھ تا7 جمادی الاخری 1419ھ / 31مارچ 1991ء تا29 ستمبر 1998ء- پر مشتمل ہے۔

6. امیر شریعت سادس: مولانا سید نظام الدین علیہ الرحمہ (1927-2015ء)

امارت شرعیہ کے ارباب حل وعقد نے مولانا سید نظام الدینؒ کا انتخاب 11رجب1419ھ / یکم نومبر 1998ء کو بطور چھٹے امیر شریعت کے کیا تھا۔ ان کے انتخاب کا عمل المعہد العالی، امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ کے ہال میں پورا کیا گیا تھا۔ اس منصب پر فائز ہونے سے پہلے وہ امارت شرعیہ کے ناظم اور نائب امیر شریعت جیسے اہم عہدوں پر فائز رہ چکے تھے۔ انہوں نے اپنے عہد امارت میں سابق امرائے شریعت کے کاز کو آگے بڑھایا اور مسلم پرسنل بورڈ کے ساتھ یگانگت اور یک جہتی کے ساتھ جڑے رہے۔

امیر شریعت سادس کا زمانہ امارت 17سال ،5ماہ، 22 دن-11رجب1419ھ تا3 محرم1437ھ / یکم نومبر 1998ء تا17 اکتوبر 2015ء- پر مشتمل ہے۔

7. امیر شریعت سابع: مولانا سید محمد ولی رحمانی علیہ الرحمہ (1943- 2021ء)

دارالعلوم زیرومائل، اراریہ میں منعقد ہونے والے جلسہ (16صفر1437ھ /29نومبر2015ء)میں ارباب حل وعقد نے مولانا سید محمد ولی رحمانی علیہ الرحمہ کا انتخاب بطور ساتویں امیر شریعت کے کیا تھا۔ان کا انتخاب امارت شرعیہ کے لیے نیک فال ثابت ہوا کہ ان کے مختصر عہد امارت میں امارت کو دن دوگنی، رات چوگنی ترقی حاصل ہوئی کہ گویا امارت شرعیہ کے تن مردہ میں ایک نئی جان پڑ گئی تھی۔ان کے عہد امارت میں مختلف نئے منصوبوں پر کام ہوا، دینی وعصری تعلیم پر خصوصی توجہ دی گئی اور امارت شرعیہ کے انتظامی ڈھانچہ کو مزید پختہ کیا گیا، حالات اور ضروریات کے پیش نظر کچھ نئے شعبہ جات بنائے گئے اور نئے دعاۃ وقضاۃ کے تقرر کے علاوہ دیگر اہم امور انجام پائے۔ انہوں نے کچھ اہم اور دانشمندانہ فیصلے بھی کیے ہیں جن پر ان کے جانشین عمل پیرا ہوتے رہے تو امارت شرعیہ کے کارناموں میں وقتاً فوقتاً اضافہ ہوتا چلا جائے گا اور اس کے اچھے اور دوررس اثرات مرتب ہوں گے۔

امیر شریعت سابع کا زمانہ امارت 5سال،چارماہ اورچار دن-16صفر1437ھ تا1442ھ /29 نومبر2015ء تا 3اپریل2021ء-پر مشتمل ہے۔امارت شریعہ کی تاریخ میں ان کے عہد امارت کی مدت سب سے مختصر ہے۔

8. امیر شریعت ثامن:مولاناسید احمد ولی فیصل رحمانی صاحب

امیر شریعت سابع مولانا سید محمد ولی رحمانی علیہ الرحمہ کے انتقال کے بعد2ربیع الاول1443ھ /9اکتوبر 2021ء کو ان کے صاحبزادہ مولانا سید شاہ احمد ولی فیصل رحمانی صاحب کا انتخاب آٹھویں امیر شریعت کی حیثیت سے عمل میں آیاہے۔ یہ انتخاب ایک بااختیار گیارہ رکنی کمیٹی نے باقاعدہ مقرر کردہ مشاہدین کے زیر نگرانی کیا تھا۔ انتخاب کی کاروائی المعہد العالی ،امارت شرعیہ ، پھلواری شریف ،پٹنہ میں نائب امیر شریعت مولانا محمد شمشاد رحمانی قاسمی صاحب کے زیر صدارت منعقد ہونے والے جلسہ میں مکمل کی گئی تھی۔ ۔غالبا امارت کی تاریخ میں یہ واحد انتخاب تھا جس میں کافی ہلچل کے بعد امیر شریعت ثامن کا انتخاب عمل میں آیا تھا لیکن اس لحاظ سے منفرد نہیں تھا کہ ان کا انتخاب ایک بااختیار کمیٹی نے کیا تھا۔ان سے پہلے بھی چند امرائے شریعت کا انتخاب منتخب کمیٹی نے کیا تھا۔

موجودہ امیر شریعت اپنے والد بزگوار کے نقش قدم پر چلتے ہوئے امارت شرعیہ کی ہمہ جہت ترقی کے لیے کوشاں اور سرگرداں ہیں۔انہوں نے بھی چند جرات مندانہ اور دانش مندانہ فیصلے کیے ہیں اور اللہ کی ذات سے امید ہے کہ اس کے اچھے اور دوررس اثرات مرتب ہوں گے۔

2.2.14 نائبین امرائے امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ

1. نائب امیر شریعت اول:مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد علیہ الرحمہ

امارت شرعیہ کے اولیں نائب شریعت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد علیہ الرحمہ تھے جنہوں نے کسر نفسی سے کام لیتے ہوئے ایثار کی ایک عمدہ مثال پیش کی تھی کہ امارت شرعیہ کے بانی ومبانی ہونے کے باوجود انہوں نے امیر شریعت کا عہدہ قبول نہیں کیا تھا اور میدان عمل میں پوری طرح باعمل رہنے کے لیے بہت زیادہ اصرار پر نائب امیر شریعت کا عہدہ قبول کیا تھا۔ان کا انتخاب امیر شریعت کے ساتھ ہی 19شوال1339ھ /26جون 1921ء کو کیا گیا اور اس عہدہ پر وہ اپنی وفات تک برقرار رہے اور تاحیات امارت شرعیہ کو اپنے خون جگر

سے سینچتے رہے۔ ان کی کل مدت کارکردگی 19سال،11ماہ اور 29 دن پر مشتمل ہے۔وہ 19شوال1339ھ تا17 شوال1359ھ /26جون1921ء تا18نومبر1940ء کے درمیان نائب امیر شریعت تھے۔

امارت شرعیہ کے قیام،اس کے ہمہ جہت مقاصد کو عملی جامہ پہنانے اوراس کی بنیادوں کو مضبوط کرنے اور اسے ترقی کی راہوں پر گامزن کرنے میں مولانا مرحوم کا بنیادی کردار تھا۔ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے لکھا ہے کہ ''ان دونوں بزرگوں-مولانا شاہ بدرالدین صاحبؒ امیر شریعت اول اور مولانا شاہ محی الدین صاحبؒ امیر شریعت ثانی-کی موجودگی میں مولانا محمد سجاد صاحبؒ بدستور نائب امیر شریعت رہے اور وہی درحقیقت اس پورے نظام کا دماغ اور مرکز اعصاب تھے۔امیر شریعت کی شکل میں قلب دردمند اور نائب امیر شریعت کی شکل میں ذہن بیدار اس نظام کو حاصل تھا۔دل ودماغ کے اس تعاون نے اس نظام میں وہ اعتدال وتوازن اور عوام وخواص کا وہ اعتماد پیدا کردیا جو ایسی تنظیم وتحریک کے لیے ضروری تھا"(امارت شرعیہ،دینی جدوجہد کا روشن باب،ص25-26)۔

بقول پروفیسر محمد فہیم اختر ندوی، شعبہ اسلامیات، مولانا آزاد اردو نیشنل یونیورسٹی نائب امیر شریعت کی حیثیت سے مولانا ابوالمحاسنؒ نے امارت شرعیہ کے نظام کو بہت زیادہ مستحکم کیا،اس کے اصول وضوابط کو مرتب کیااور اس کی تعمیر وترقی میں اپنی تمام توانائیوں کو صرف کردیا جس کے نتیجہ میں آج پورے صوبہ بہار میں امارت شرعیہ کا نظام بہت مضبوط بنیادوں پر قائم ہے۔اس نظام کو پورے ملک میں نافذ کرنے کی ضرورت ہے تاکہ مولانا ابوالمحاسن سجاد علیہ الرحمہ کے خواب کی مکمل تعبیر سامنے آسکے(چند معاصر شخصیات اور ان کے اجتہادی افکار از ڈاکٹر محمد فہیم اختر ندوی، البلاغ پبلی کیشنز، جامعہ نگر، نئی دہلی، نومبر2020ء، ص16-17)۔

2. نائب امیر شریعت ثانی:مولانا عبدالصمد رحمانی علیہ الرحمہ

دوسرے نائب امیر شریعت مولانا عبدالصمد رحمانی علیہ الرحمہ تھے۔ان کی کل مدت کارکردگی 29سال اور دودن پر مشتمل ہے۔ ان کا اس منصب کے لیے انتخاب 8ربیع الثانی 1364ھ /23مارچ 1943ء کو ہوا تھا اور وہ تاحیات یعنی 10ربیع الثانی 1393ھ /4مئی 1973ء تک اس عہدہ پر فائز رہے۔نائب امیر شریعت کی حیثیت سے ان کا دور امارت سب سے زیادہ طویل ہے۔

3. نائب امیر شریعت ثالث:مولانا عبدالرحمن علیہ الرحمہ

تیسرے نائب امیر شریعت کا انتخاب چوتھے امیر شریعت مولانا سید منت اللہ رحمانی نے کیا تھا۔اس عہدہ پر وہ 14جمادی الاولی 1393ھ /16جون1973ء کو فائز کیے گئے تھے اور18سال اور چار ماہ اس عہدہ پر فائز رہے حتی کہ انہیں14رمضان 1411ھ /31مارچ 1991ء کو امیر شریعت کے عہدہ پر فائز کردیا گیا۔

4. نائب امیر شریعت رابع:مولانا سید نظام الدین علیہ الرحمہ

جب مولانا عبدالرحمنؒ کو امیر شریعت منتخب کرلیا گیا تو ان کی جگہ پر مولانا سید نظام الدین علیہ الرحمہ کو چوتھا نائب امیر شریعت بنادیا گیا۔انہوں نے اس ذمہ داری کا بار6شوال 1411ھ /12مئی 1991ء کو سنبھالا تھا اور10رجب 1419ھ /31اکتوبر1998ء تک اس عہدہ پر فائز رہے۔پانچویں امیر شریعت کے انتقال کے بعد11رجب 1419ھ /یکم نومبر1998ء کو ان کا انتخاب بطور امیر شریعت کیا گیا۔

نائب امیر شریعت کی حیثیت سے ان کی کارگردگی کی کل مدت 17 سال، 5 ماہ اور 22 دن پر مشتمل ہے۔

5. نائب امیر شریعت خامس: مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی علیہ الرحمہ

چھٹے امیر شریعت مولانا سید نظام الدینؒ نے 9 ربیع الاول 1420ھ / 24 جون 1999ء کو مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب کو پانچواں نائب امیر شریعت مقرر کیا۔ وہ اس عہدہ پر اپنی وفات تک 21 محرم 1423ھ / 4 اپریل 2002ء تک فائز رہے۔ نائب امرائے شریعت میں ان کی مدت کارکردگی سب سے کم یعنی 2 سال، 10 ماہ اور 12 دن پر مشتمل ہے لیکن اس مختصر سی مدت میں انہوں نے امارت کے دائرہ کو کافی پھیلا دیا اور اس کے رنگ وروپ میں کافی اضافہ کر دیا تھا۔ انہیں کی کوششوں سے ابتدائی دینی تعلیم کو فروغ دینے کے متعدد مکاتب کے قیام کے ساتھ ساتھ عصری اور ٹیکنیکل تعلیم کو فروغ حاصل ہوا تھا۔ انہیں کی کوششوں سے سجاد میموریل جیسا اسپتال قائم ہوا تھا جس سے عوام الناس مسلسل مفید ہو رہے ہیں۔

6. نائب امیر شریعت سادس: مولانا سید محمد ولی رحمانی علیہ الرحمہ

مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کے انتقال کے بعد امیر شریعت سادس مولانا سید نظام الدینؒ نے نائب امیر شریعت کے عہدہ پر مولانا سید محمد ولی رحمانیؒ کو فائز کیا۔ چھٹے نائب امیر شریعت کے عہدہ پر انہیں 23 صفر 1426ھ / 3 اپریل 2005ء کو فائز کیا گیا تھا اور اس عہدہ پر ساتویں امیر شریعت منتخب ہونے تک فائز رہے۔ ان کی کل مدت کارکردگی 10 سال، 11 ماہ اور 23 دن ہے۔

7. نائب امیر شریعت سابع: مولانا محمد شمشاد رحمانی قاسمی صاحب

ساتویں امیر شریعت مولانا سید محمد ولی رحمانیؒ نے اپنی وفات (3 اپریل 2021ء) سے کچھ دنوں پہلے یعنی 7 شعبان 1442ھ / 21 مارچ 2021ء کو مولانا محمد شمشاد رحمانی قاسمی صاحب کو ساتواں نائب امیر شریعت منتخب کیا تھا اور تاحال وہ اس عہدہ پر فائز ہیں۔

2.2.15 امارت شرعیہ کی اہم دینی وملی خدمات

امارت شرعیہ کی دینی وملی خدمات سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اس نے مختلف محاذ پر مسلمانوں کی رہنمائی کی ہے اور ان ترقی کے لیے کئی ایک اہم اقدامات کیے ہیں۔ اس کی اہم خدمات میں مسلمانوں کی ملی شیرازہ بندی، بیت المال، دارالقضاء ودارالافتاء کا قیام، مشرکانہ مراسم سے توبہ اور عقائد واعمال کی اصلاح، نشہ خوری سے بچانے کی کوشش، صلح وآشتی کے لیے عملی اقدامات، اسلام کی دعوت، تحریک شدھی سنگھٹن کا مقابلہ، ارتداد سے محفوظ رکھنے کی عملی تدابیر، مکاتب ومساجد کا جال پھیلانا، گدی قوم کی اصلاح، جرائم پیشہ افراد میں اسلام کی تبلیغ، فسادات میں ہر قسم کی امداد فراہم کرنا، مسئلہ فلسطین کی حمایت، مختلف مسائل میں حکومت وقت کے خلاف احتجاج کرنا، عقد ثانی کو فروغ دینا، قومی آفات کے موقع پر ہر قسم مدد کرنا، تعاون باہمی کو فروغ دینا وغیرہ شامل ہیں۔

2.3 فرہنگ

سَرگرداں : پریشان، مضطرب

مربوط : ربط کیا گیا، وابستہ، لگا ہوا، پیوستہ، بندھا ہوا

پراگندہ : بکھرا ہوا، متفرق، پریشان، منتشر

مختلف النوع : الگ الگ نوع کے، مختلف اقسام کے، الگ الگ قسمیں

دولخت : دو حصّے، دو ٹکڑے، پارہ پارہ

اصلاح ذات البین : لوگوں کے درمیان صلح کرانا، تعلقات درست کرنا

2.4 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ نے امارت شرعیہ، بہار کی بنیاد 26 جون 1921ء کو رکھی تھی جس کا بنیادی مقصد ہندوستانی مسلمانوں کی اجتماعی زندگی گرازنے کا ایک پلیٹ فارم مہیا کرنا تھا تاہم اس کا دائرہ کار ملک، ملت اور سماج کی ہمہ جہت ترقی پر محیط ہے۔ امارت شرعیہ، بہار کے پہلے امیر مولانا سید شاہ بدرالدین قادری اور مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد پہلے نائب امیر شریعت تھے۔
- امارت شرعیہ کی دینی وملی خدمات سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اس نے مختلف محاذ پر مسلمانوں کی رہنمائی کی ہے اور ان ترقی کے لیے کئی ایک اہم اقدامات کیے ہیں۔ اس کی اہم خدمات میں مسلمانوں کی ملی شیرازہ بندی، بیت المال، دارالقضاء ودارالافتاء کا قیام، مشرکانہ مراسم سے توبہ اور عقائد واعمال کی اصلاح، نشہ خوری سے بچانے کی کوشش، صلح وآشتی کے لیے عملی اقدامات، اسلام کی دعوت، تحریک شدھی سنگھٹن کا مقابلہ وغیرہ

2.5 نمونہ امتحانی سوالات

2.5.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1. امارت شرعیہ کے قیام کا محرک کون تھا؟

(a) مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ (b) مفتی محمد کفایت اللہؒ (c) مولانا محمد علی مونگیریؒ (d) مولانا محمود الحسنؒ

2. امارت شرعیہ کیا قیام کب عمل میں آیا تھا؟

1918(a) 1919(b) 1920(c) 1921(d)

3. اب تک کتنے امیر شریعت مقرر ہو چکے ہیں؟

10(a) 9(b) 8(c) 7(d)

4. امیر شریعت ثامن کا کیا نام ہے؟

(a)مولانا عبد الرحمن صاحب (b)مولانا سید نظام الدین صاحب

(c)مولانا منت اللہ رحمانی صاحب (d)مولانا احمد ولی فیصل صاحب

5. پہلے نائب امیر شریعت کون تھے؟

(a)مولانا ابو المحاسن محمد سجادؒ (b)مفتی محمد کفایت اللہؒ (c)مولانا عبد الصمد رحمانیؒ (d)مولانا قاضی مجاہد

2.5.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1. شعبہ دارالافتا پر اپنی معلومات قلم بند کیجیے؟
2. شعبہ دارالقضا پر مختصر نوٹ لکھیے۔
3. امارت شرعیہ کے مقاصد پر ایک نوٹ لکھیے۔
4. امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ کے تنظیمی ڈھانچہ ایک نوٹ لکھیے۔
5. امیر شریعت ثانی پر ایک نوٹ لکھیے۔

2.5.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. ہندوستان میں امارت شرعیہ کی اہمیت وضرورت پر تفصیلی نوٹ لکھیے۔
2. امارت شرعیہ کی اہم دینی وملی خدمات کا جائزہ لیجیے۔
3. امارت شرعیہ کے شعبہ جات کا تفصیلی جائزہ لیجیے۔

2.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. امارت شرعیہ، دینی جدوجہد کا روشن باب از مولانا محمد ظفیر الدین مفتاحیؒ، مکتبہ امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ، پھلواری شریف، پٹنہ، ربیع الاول 1394 / اپریل 1974۔
2. تاریخ امارت از مولانا عبد الصمد رحمانی، طبع دوم، 1369ھ۔
3. محاسن سجاد از مسعود عالم ندوی، کتب خانہ عزیزیہ، دہلی، 1941ء۔
4. حیات سجاد از مولانا انیس الرحمن قاسمی، امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ، 1998ء۔
5. چند معاصر شخصیات اور ان کے اجتہادی افکار از پروفیسر محمد فہیم اختر ندوی، البلاغ پبلیکیشنز، نئی دہلی، نومبر 2020ء

معروضی سوالات کے جوابات:

1. A	2. D	3.C	4. D	5.A

اکائی 3: سنی بریلوی جماعت

اکائی کے اجزا:

3.0 تمہید

3.1 مقاصد

3.2 سنی بریلوی جماعت

3.3 مولانا احمد رضا خان

3.4 مولانا احمد رضا خاں کا علمی مقام

3.5 سنی بریلوی جماعت کے نظریات

3.5.1 نظریہ توحید و شرک

3.5.2 تقدیسِ شانِ الوہیت و حفاظتِ ناموسِ رسالت

3.5.3 تردید امکانِ کذب باری تعالی

3.5.4 عشق رسول ﷺ

3.5.5 علم غیب مصطفی

3.5.6 نظریہ نور و بشر

3.5.7 نظریہ شاہد و ناظر

3.5.8 مختار کل

3.5.9 نظریۂ توسل

3.5.10 بدعت کے بارے میں نقطہ نظر

3.6 بریلوی مکتب فکر کی اہم کتابیں

3.7 سنی بریلوی جماعت کی تبلیغی خدمات

3.8 سنی بریلوی جماعت کے ممتاز ادارے

3.9 فرہنگ
3.10 اکتسابی نتائج
3.11 نمونہ امتحانی سوالات
3.11.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات
3.11.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات
3.11.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات
3.12 تجویز کردہ اکتسابی مواد

3.0 تمہید

ہندوستانی مسلمانوں کا مذہب ومسلک شروع سے سنی حنفی رہا ہے البتہ کیرالا کے کچھ خطوں میں امام شافعیؒ کے پیروکار آباد ہیں اسی طرح کچھ تعداد اہل تشیع کی بھی ہے۔ انیسویں صدی کے دو دہائی کے بعد ائمہ اربعہ امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کی فقہی تقلید کو خصوصا اور تصوف وطریقت کو عموما موضوع بحث بنایا گیا اور اسے بدعت وضلالت سے تعبیر کیا گیا۔ انہیں اختلافات کی وجہ سے کئی مسالک وجود میں آئے۔

ہندوستانی مسلمانوں میں جماعت بندی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (1703ء-1762ء) کے صاحبزادے شاہ عبد العزیز محدث دہلوی (1746ء-1823ء) کے آخری زمانے میں شروع ہوئی۔ ان کے تلامذہ اور متبعین میں ایک گروہ تو شاہ ولی اللہ محدث وہلوی کے مسلک پر گامزن تھا اور شرعی مسائل میں ان سے سرمو انحراف پسند نہیں کرتا تھا مگر دوسرا گروہ ظاہری نصوص پر عمل آوری اور عدم تقلید کا رجحان رکھتا تھا۔ چنانچہ رفتہ رفتہ ان گروہوں میں مختلف مسائل میں اختلاف رونما ہونے لگا۔ اس اختلاف کی وجہ سے جو جماعتیں وجود میں آئیں وہ دو طرح کی ہیں:

ایک جماعت کے نزدیک مسائل فقہیہ میں کسی امام کی تقلید ناجائز وحرام ہے اور ان کے نزدیک کتاب وسنت سے جو احکام صراحتا معلوم ہوں انہیں کی اتباع کرنی چاہیے۔ یہ لوگ تقلید کو حرام سمجھتے ہیں اور مسائل فقہ میں اجماع امت اور قیاس کو حجت شرعی نہیں مانتے اور ائمہ اربعہ میں سے کسی کی تقلید کرنے والے کو اہل بدعت اور گمراہ بتاتے ہیں۔ اس جماعت کے لوگ نواب صدیق حسن خان بھوپالی (1832ء-1890ء)، شیخ نذیر حسین دہلوی (1805ء-1902ء) اور مولانا فاخر الہ آبادی (1875ء-1930ء) کے تلامذہ ومتبعین ہیں۔

دوسری جماعت ان لوگوں کی ہے جو امام اعظم ابو حنیفہؒ کی تقلید کرتے ہیں۔ اس جماعت کے لوگ بحر العلوم ملا عبد العلی بن ملا نظام الدین (1731ء-1820ء)، مولانا عبد الحئ فرنگی محلی (1848ء-1886ء) اور مولانا شیخ فضل رسول بدایونی (1798ء-1872ء) کے

تلامذہ و متبعین ہیں۔ امام اعظم ابو حینفہؒ کی تقلید کرنے والوں میں عقائد و نظریات کی وجہ سے دو جماعتیں وجود میں آئیں: دیوبندی اور بریلوی۔

اس اکائی میں ہم سنی حنفی بریلوی جماعت کے بارے میں پڑھیں گے۔ یہ جماعت اہل سنت والجماعت اور بریلوی جماعت سے بھی جانی جاتی ہے اور اسی جماعت کو اکیسویں صدی میں مسلک اعلی حضرت کے نام سے بھی موسوم کیا جانے لگا۔

3.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد ہے کہ آپ:

- سنی بریلوی جماعت کے تعارف و تاریخ، اس جماعت کے اہم نظریات ،اس جماعت کی تبلیغی خدمات و ممتاز علمائے کرام اور اہم اداروں کے بارے میں واقفیت حاصل کر سکیں۔
- آپ جماعت کے ترجمان کی سوانح حیات اوران کی اہم تصانیف، ان کی اہمیت اور انفرادیت کے حوالے سے بھی معلومات حاصل کر سکیں۔

3.2 سنی بریلوی جماعت

برصغیر ہند و پاک میں اکثریت حنفی مسلمانوں کی ہے جو امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالی کی تقلید کرتے ہیں اور خود کو اہل سنت والجماعت کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یہ جماعت امام اعظم کی تعلیمات پر عمل پیرا ہیں اور قادری، چشتی، نقشبندی و سہروردی وغیرہ سلاسل تصوف میں منقسم ہے۔ عقائد و نظریات کے اعتبار سے ان کی دو جماعت ہیں: دیوبندی اور بریلی۔

بریلوی جماعت کا تعارف:

بریلوی جماعت کے مقتدر علما کے مطابق یہ جماعت آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کی تعلیمات پر عمل کرنے والی جماعت ہے اور عقائد میں ابو منصور ماتریدی اور فقہ میں امام اعظم ابو حنیفہ کی تقلید کرتی ہے۔ یہ جماعت اسی عقائد و نظریات کو مانتی ہے جسے مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی (1564ء-1624ء) اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (1703ء-1764ء) نے پیش کیا۔

بریلوی جماعت کا تعارف پیش کرتے ہوئے مفسر قرآن مولانا نعیم الدین مرادآبادی (1887ء-1948ء) خلیفہ امام احمد رضا محدث بریلوی (1856ء-1921ء) لکھتے ہیں کہ سنی وہ ہے جو "ما أنا عليه وأصحابي" کا مصداق ہو۔ یہ وہ لوگ ہیں جو خلفائے راشدین، ائمہ دین، مسلم مشائخ طریقت اور متأخر علمائے کرام میں سے حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی (1551ء-1642ء)، ملک العلما حضرت بحر العلوم مولانا عبد العلی فرنگی محلی (1731ء-1820ء)، حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی (1797ء-1861ء)، حضرت مولانا شاہ فضل رسول بدایونی (1798ء-1872ء)، حضرت مفتی ارشاد حسین رام پوری (1832ء-1897ء) اور حضرت مولانا مفتی شاہ احمد رضا بریلوی (1856ء-1921ء) کے مسلک پر ہوں۔

مشہور بریلوی عالم مولانا یس اختر مصباحی (1953ء-2023ء) اس جماعت کا تعارف کراتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ متوارث

طور پر عہد رسالت ودور صحابہ وتابعین سے منقول ومعمول جو عقائد واعمال، قدیم کتب تفسیر وحدیث وفقہ وتصوف وسیرت وتاریخ میں موجود ہیں وہی اہل سنت وجماعت کے عقائد واعمال ہیں۔ علمائے فرنگی محل لکھنؤ وخیر آباد وبدایوں وبریلی نے تحریر وتقریر کے ذریعے ہمیشہ انہیں اعمال کی دعوت دی ہے۔ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی (و1025ھ) اور حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی (و1239ھ) کی تعلیمات ونظریات کے صحیح داعی وترجمان بھی یہی ہیں جو اسلام کے وارث وامین ہیں۔ جو کسی دخیل فکر یا جدید نظریہ اور غیر اسلامی خیال کو ایک لمحہ کے لیے بھی قبول بلکہ برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اپنی قدیم وراثت کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں اور اسے ہی اپنے اور دیگر مسلمانان عالم کے لیے سرمایۂ سعادت وذریعۂ نجات سمجھتے ہیں۔

بریلوی جماعت کا آغاز وارتقا:

1825ء تک ہندوستان میں زیادہ تر سنی حنفی مسلمان تھے اور بہت کم تعداد میں شیعہ تھے، البتہ کیرالا میں کچھ سنی شافعی مسلمان بھی تھے۔ سنی مسلمان جن کی تعداد تقریبا نوے فیصد تھی سید شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے صاحبزادے امام شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے پیروکار اور متبع تھے۔ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی تک مسلمانوں میں فرقہ بندی نہیں پائی جاتی تھی۔ ان کے آخری دور میں ولی اللہی تعلیمات سے انحراف شروع ہوا اور عقائد واعمال اہل سنت کے خلاف ایک نیا نظریہ پیش کیا گیا جس کی رو سے تقدس شان الوہیت وعظمت ناموس رسالت کے مجروح ہونے کا خطرہ لاحق ہوا، ساتھ ہی مسئلہ تقلید اور تقلید ائمہ کے خلاف مہم شروع ہوگئی یہاں تک کہ عقائد ومعمولات اہل سنت والجماعت کو بدعت وگمراہی سے تعبیر کیا جانے لگا۔

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی (1746ء-1823ء) کے شاگردوں نے اس نئے نظریے کی مخالفت کی اور اسے تقدس ذات باری تعالی اور ناموس رسالت ﷺ کے خلاف بتایا اور اس کی مذہبی خرابیوں کو بیان کرتے ہوئے لوگوں کو اس سے باز رکھنے کی کوششیں کیں اور اپنے عقائد ومعمولات کو کتاب سنت اور اقوال علمائے اسلاف سے مبرہن کرکے پیش کیا۔

بریلوی جماعت کے مشہور عالم علامہ یس اختر مصباحی نے اس دور کے حامیان عقائد ومعمولات اہل سنت میں ان علما کا نام پیش کیا ہے: حضرت علامہ عبد العلی فرنگی محلی لکھنوی (1144ھ-1235ھ)، حضرت شاہ محمد اجمل الہ آبادی (1160ھ-1236ھ)، حضرت شاہ انوار الحق فرنگی محلی (1167ھ-1236ھ)، حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی (1159ھ-1239ھ)، حضرت شاہ ابو سعید مجددی رام پوری (1196ھ-1236ھ)، حضرت شاہ آل احمد اچھے میاں برکاتی مارہروی (1160ھ-1262ھ)، حضرت شاہ ابو الحسن فرد پھلواروی (1191ھ-1265ھ)، حضرت شاہ احمد سعید مجددی رام پوری (1217ھ-1277ھ)، حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی (1212ھ-1278ھ) حضرت علامہ عبد الحلیم فرنگی محلی لکھنوی (1209ھ-1285ھ)، حضرت علامہ فضل رسول بدایونی (1213ھ-1289ھ)، حضرت سید شاہ آل رسول احمدی برکاتی مارہروی (1209ھ-1296ھ)، حضرت مولانا نقی علی بریلوی (1246ھ-1297ھ) وغیرہم۔

اسی طرح انہوں نے چودھویں صدی ہجری کے مشہور علمائے اہل سنت میں ان علما کا ذکر کیا ہے: مولانا عبد الحئ فرنگی محلی لکھنوی (1246ھ-1304ھ)، حضرت مفتی ارشاد حسین رام پوری (1248ھ-1311ھ)، حضرت مولانا فضل رحمن گنج مرادآبادی

(1208ھ-1313ھ)، حضرت مولانا غلام دستگیر قصوری لاہوری (و1315ھ)، حضرت مولانا عبد القادر بدایونی (1253ھ-1319ھ)، حضرت مولانا ہدایت اللہ رام پوری ثم جون پوری (و1326ھ)، حضرت مولانا خیر الدین دہلوی (و1326ھ)، حضرت مولانا احمد رضا بریلوی (1272ھ-1340ھ)، حضرت شاہ علی حسین اشرفی کچھوچھوی (1266ھ-1355ھ)، حضرت شاہ مہر علی گولڑوی پنجابی (1274ھ-1356ھ) وغیرہ۔

چودہویں صدی ہجری میں اس تحریک میں مولانا احمد رضا بریلوی نے قائدانہ رول ادا کیا اس لیے پوری جماعت کو انہیں کی طرف منسوب کر دیا گیا اور اسے بریلوی جماعت کہا جانے لگا۔ اس تحریک میں ان کا ساتھ دینے والے مشہور علما میں حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی (1836ء-1916ء)، مولانا محمد امجد علی اعظمی (1842ء-1948ء)، حضرت مولانا نعیم الدین مرادآبادی (1878ء-1948ء)، حضرت سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری (1834ء-1951ء)، حضرت سید دیدار علی الوری (1856ء-1935ء)۔ حضرت مولانا حامد رضا قادری (1875ء-1943ء)، حضرت مولانا مصطفی رضا نوری (1893ء-1981ء)، حضرت مولانا عبد المقتدر بدایونی (1867ء-1916ء)، حضرت عبد القدیر بدایونی (1894ء-1960ء)، حضرت مولانا عبد العلیم صدیقی میرٹھی (1892ء-1954ء)، حضرت سید محمد اشرفی کچھوچھوی (1864ء-1961ء)، حضرت مولانا ظفر الدین قادری بہاری (1880ء-1968ء)، حضرت مفتی محمد عبد الباقی برہان الحق جبل پوری (1892ء-1985ء)، حضرت مولانا حشمت علی لکھنوی (1901ء-1960ء)، حضرت مولانا کرامت اللہ دہلوی (1800ء-1873ء)، حضرت مولانا حسنین رضا بریلوی (1892ء-1980ء) وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

چونکہ مولانا احمد رضا بریلوی اس جماعت کے ممتاز قائدین میں سے ہیں اور بعد کے زمانے میں انہیں سے اس جماعت کو منسوب بھی کر دیا گیا ہے اس لیے ہمیں ان کے بارے میں جاننا ضروری ہے۔ ذیل میں ان کی حیات و خدمات پیش کی جا رہی ہے۔

3.3 مولانا احمد رضا خان

مولانا احمد رضا خان علیہ الرحمہ 10 شوال 1272ھ مطابق 14 جون 1856ء کو ہندوستان کی ریاست اتر پردیش کے شہر بریلی میں پیدا ہوئے اور 1921ء میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ نسبتاً پٹھان مسلکاً حنفی اور مشرباً قادری تھے۔ آپ کے والد ماجد مولوی نقی علی خاں (متوفی 1880ء) اور جد امجد مولوی رضا علی خاں (متوفی 1866ء) اپنے وقت کے ممتاز علماء میں شمار کیے جاتے تھے۔ مولانا احمد رضا خان نے اپنے والد ماجد اور دوسرے اساتذہ سے علوم منقولہ و معقولہ کی تعلیم حاصل کی۔ اساتذہ اور ذاتی مطالعہ سے جن علوم و فنون کی تحصیل کی ان کی تعداد 55 تک پہنچتی ہے اور بعض حضرات نے ان کی تعداد 120 بھی لکھی ہے۔ مولانا اپنی فطری ذکاوت و ذہانت کی وجہ سے علوم عقلیہ و نقلیہ میں بہت کم عمری میں ہی ماہر ہو گئے تھے۔

3.4 مولانا احمد رضا خاں کا علمی مقام

مولانا احمد رضا بریلوی علم قرآن، تفسیر، حدیث، اصول حدیث، اسماء الرجال، فقہ اربعہ، اصول فقہ، جدل، عقائد و کلام، عربی زبان

وادب، منطق وفلسفہ وغیرہ کے ماہر اور اردو، عربی اور فارسی کے بہترین طبع زاد شاعر تھے۔ مولانا کو بہت سے علوم وفنون میں تبحر حاصل تھا جس کی تعداد تقریبا54 بتائی جاتی ہے۔ اس کا اندازہ ان علوم فنون میں ان کی بکثرت مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تصانیف سے ہوتا ہے۔

علم قرآن میں ان کا اردو ترجمہ امتیازی شان رکھتا ہے، جو کنز الایمان فی ترجمۃ القران کے نام سے 1330ھ / 1911ء میں منظر عام پر آیا۔ پھر اس پر ان کے خلیفہ مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی نے خزائن العرفان فی تفسیر القرآن کے عنوان سے تفسیری حواشی لکھے۔ اس ترجمہ وتفسیر کے بہت سے ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

مولانا نے ترجمہ قرآن کے علاوہ تفسیر کا سلسلہ بھی شروع کیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے سورہ ضحی کی بعض آیات کی تفسیر 80 جز تک لکھی، مگر دوسرے دینی وعلمی مشاغل کی وجہ سے قرآن پاک کی مبسوط تفسیر نہیں لکھ سکے۔ یہ کام ان کے تلامذہ وخلفاء اور تلامذہ کے تلامذہ نے انجام دیا۔ مثلا تفسیر خزائن العرفان، تفسیر حسنات، تفسیر نعیمی، تفسیر ضیاء القران، تفسیر ازہری، تفسیر تنویر القرآن وغیرہ ان کے شاگردوں کی تفاسیر ہیں۔

صاحب نزہۃ الخواطر نے مولانا کے علمی تبحر، کثرت مطالعہ اور کثرت معلومات کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اللہ نے آپ کو سیال قلم اور معلومات سے بھرپور فکر عطا کیا تھا۔ انہوں نے خاص کر آپ کی فقہی بصیرت اور علم فقہ میں آپ کے تبحر کا دل کھول کر اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ وہ مولانا کی فقہی مہارت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فقہ حنفی اور اس کی جزئیات پر ان کو جو عبور حاصل ہے اس کی نظیر شاید کہیں ملے اور اس دعوی پر ان کا مجموعہ فتاوی شاہد ہے، نیز ان کی کتاب "كفل الفقيه الفاهم في أحكام قرطاس الدراهم" بھی اس پر گواہ ہے جو انہوں نے 1323ھ میں مکہ معظمہ میں لکھی تھی۔ انہیں فقہ کے جزئیات پر غیر معمولی عبور حاصل تھا۔ مثلاوہ پانی جس سے وضو جائز ہے مولانا نے اس پانی کی 160 قسمیں بیان کی ہیں اور وہ پانی جس سے وضو ناجائز ہے اس کی 146 قسمیں بیان کی ہیں۔ اسی طرح پانی کے استعمال سے عجز کی 155 صورتیں بیان کی ہیں اور اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ تصنیف کیا جس کا عنوان ہے "سمع النداء فی ما یورث عن العجز عن الماء"۔ مائے مطلق اور مائے مقید کی تعریف میں ایک رسالہ لکھا جس کا عنوان ہے "النور والنورق لإسفار ماء مطلق"۔ وہ اشیاء جن سے تیمم جائز ہے ان کی 181 قسمیں بیان کیں جن میں سے 74 تو منصوصات ہیں لیکن 107 زیادات (یعنی قیاسی) ہے۔ اور وہ اشیاء جن سے تیمم جائز نہیں، ان کی 130 قسمیں بیان کیں جن میں 58 منصوصات اور 72 زیادات ہیں"۔

جزئیاتِ فقہ کے علاوہ متونِ فقہ پر مولانا کو جو قدرت حاصل تھی وہ اہل علم کے لیے حیرت انگیز تھی، چنانچہ صاحب "نزہۃ الخواطر" لکھتے ہیں:

"حرمین شریفین کے قیام کے زمانے میں بعض رسائل بھی لکھے اور علمائے حرمین نے بعض سوالات کیے تو ان کے جوابات بھی تحریر کیے۔ متونِ فقہیہ اور اختلافی مسائل پر ان کی ہمہ گیر معلومات، سرعتِ تحریر اور ذہانت کو دیکھ کر سب کے سب حیران اور ششدر رہ گئے۔ متون فقہیہ پر استحضار کی یہ کیفیت تھی کہ بعض اوقات وہ بغیر دیکھے عبارات کی عبارات لکھتے جاتے تھے۔ چنانچہ قیام مکہ معظمہ کے زمانے میں بھی اس قسم کے مظاہر سامنے آئے۔ آخری ایام میں علالت کی وجہ سے بریلی سے بھوالی چلے گئے تھے، کوئی کتاب پاس نہ تھی۔

اس زمانے میں ایک استفتاء کا جواب دیا تو اس میں کتبِ فقہ و حدیث کے 31 حوالے موجود ہیں"۔

فتاوی رضویہ کے مطالعے سے مولانا کے تبحر علمی کے ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ علم فقہ کتنا وسیع علم ہے اور ایک باکمال فقیہ ہونے کے لیے کس قدر علوم وفنون سے واقفیت ضروری ہے ۔ مولانا کے دارالافتاء میں ہندوستان، برما، چین، امریکہ، افغانستان، افریقہ، حجاز مقدس اور بلاد اسلامیہ سے بکثرت فتوے معلوم کیے جاتے تھے۔ اور فتوی نویسی کے فرائض بغیر کسی ادنی معاوضے کے للّٰہیت و خلوص کے ساتھ انجام دیتے تھے۔(حیات امام اہل سنت)

فتاوی رضویہ کے علاوہ ان کی مطبوعہ وغیر مطبوعہ کتب وحواشی وملفوظات ومکتوبات وغیرہ کی تعداد ایک ہزار تک بتائی جاتی ہے۔ان میں تمہید ایمان، جد الممتار علی الدر المختار، المعتمد المستند، حسام الحرمین، احکام شریعت، الملفوظ، حدائق بخشش(نعتیہ مجموعہ)وغیرہ مشہور ہیں۔ اس کے علاوہ بھی ان کی متعدد علوم وفنون پر سینکڑوں کتابیں ہیں جن سے ان کی تبحر علمی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

3.5 سنی بریلوی جماعت کے نظریات

بریلوی جماعت کے نظریات اس جماعت کے علما کے مطابق متوارث اسلامی تعلیمات ہیں جس کی تبلیغ مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کے تلامذہ نے کیا۔ انیسویں صدی عیسوی میں ان نظریات کے خلاف نئے نظریات ظاہر ہوئے جن کی وجہ سے ہندوستانی مسلمان چند فرقوں اور جماعتوں میں تقسیم ہوگئے۔

بریلوی نقطہ نظر کے مطابق سنی بریلوی جماعت حقیقی طور پر تمام صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، صالحین، علمائے امت اور بزرگانِ دین کے مسلک پر ہے۔ بریلوی مسلک کی تشریحات کے مطابق عقائد میں شان الوہیت کا تقدس اور ناموسِ رسالت کی عظمت سب سے اہم ہے چنانچہ وہ ذات باری تعالی کے لیے کسی ایسے لفظ یا تعبیر کے استعمال کو درست نہیں مانتے جو اللہ تعالی کی شایانِ شان نہ ہو، اسی طرح عظمت مصطفی ﷺ کے خلاف ہو۔ معمولات میں بدعت کو بدعت حسنہ وسیئہ میں تقسیم کرتے ہیں اور بدعت حسنہ پر عمل کے قائل ہیں چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ میلاد و قیام، صلوٰۃ و سلام، ایصال ثواب، عرس یہ سب معمولات صدیوں سے اہل سنت والجماعت میں رائج ہیں اور علمائے امت نے انہیں باعث ثواب قرار دیا ہے۔ ان معمولات کو بعد کی پیداوار قرار دینا، انہیں رسومات وبدعات کہنا ضلالت و گمراہی ہے۔

بریلوی جماعت کے اہم نظریات حسب ذیل ہیں:

3.5.1 نظریہ توحید و شرک

بریلوی نقطۂ نظر کے مطابق حضور علیہ الصلوۃ و السلام کی ذاتِ مبارکہ کا ادب و تعظیم اور آپ علیہ الصلاۃ و السلام کی تعریف و توصیف باعثِ سعادت ہے، اسے شرک پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔ اس مسلک کے مطابق قرآن مجید کے سورہ اخلاص کی روشنی میں شرک کی تین صورتیں ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی ایک بھی صادر ہو تو شرک ہوگا ورنہ نہیں، وہ تین صورتیں درج ذیل ہیں:

- کسی مخلوق کو رب قرار دینا یا اللہ تعالیٰ پر حاکم قرار دینا۔

- کسی کو اللہ کی اولاد قرار دینا یا اللہ کو کسی کی اولاد قرار دینا۔
- کسی مخلوق میں کوئی صفت ازلی (ہمیشہ سے)، ذاتی (از خود بغیر اللہ کی عطا کے) کا عقیدہ رکھنا، یا اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کے ہمسر قرار دینا۔ لہذا اگر حد درجہ مبالغہ آرائی اور غلو کے باوجود اللہ تعالیٰ سے کمتر سمجھا تو شرک نہیں۔

لہذا ان تین شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کو اللہ کا بندہ اور رسول اور مخلوق میں افضل ترین سمجھتے ہوئے ان کی حد درجہ تعریف و توصیف اور ادب و تعظیم کرنا شرک کے دائرہ میں نہیں آتا۔

3.5.2 تقدیسِ شانِ الوہیت و حفاظتِ ناموسِ رسالت

بریلوی جماعت کے ترجمان مولانا احمد رضا بریلوی شانِ الوہیت و شانِ رسالت میں ایسے کلمات کا استعمال خلاف ادب خیال کرتے ہیں جو بظاہر حق معلوم ہوتے ہوں مگر ساتھ ہی ان تعبیرات میں کسرِ شان کا بھی پہلو ہو اور بسا اوقات گستاخی تک بھی لے جاتے ہوں۔ وہ اس امر کے قائل ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے محامد و محاسن جو قرآن و حدیث میں بیان کیے گئے ہیں وہ من و عن بیان کیے جائیں تا کہ آپ ﷺ کی شخصیت ابھر کر سامنے آئے اور مسلمانوں کے دلوں میں آپ ﷺ کی عزت و عظمت قائم ہو۔ وہ اس امر کے قائل ہیں کہ نبی اکرم ﷺ تمام کائنات میں سب سے افضل ہیں اور اللہ تعالی کی مخلوق میں کوئی بھی ان کے جیسا نہیں اس لیے انہیں اپنے جیسا بشر بایں طور کہنا کہ اس میں تنقیص شان رسالت ہو یا کوئی ایسا جملہ یا فقرہ استعمال کرنا جو تنقیص شان نبوی کا سبب بنے کفر ہے۔

3.5.3 تردید امکانِ کذب باری تعالی

امکانِ کذب باری تعالی یعنی اللہ تعالی جس طرح جملہ ممکنات پر قادر ہے اسی طرح جھوٹ پر بھی قادر ہے یا نہیں؟ برصغیر میں ایک جماعت باری تعالی کی طرف امکانِ کذب کو اس طور پر جائز سمجھتی ہے کہ اس کا صدور اللہ سے نہیں ہوا، جب کہ بریلوی جماعت اس طرح کے عقیدہ کو شانِ الوہیت کے خلاف سمجھتی ہے اور کہتی ہے کہ جھوٹ ایک قبیح عمل ہے جو اللہ تعالی کے صفاتِ کمالیہ کے خلاف ہے اور اللہ تعالی کے لیے اس کو ممکن ماننا خواہ اس کا صدور ہو یا نہ ہو اللہ تعالی کے شایانِ شان نہیں اور اس میں اس کی عظمت و رفعت کی تخفیف و توہین ہے۔

3.5.4 عشق رسول ﷺ

بریلوی جماعت کی بنیاد عشق رسول ﷺ پر ہے۔ یہ حضور اکرم ﷺ کے محامد و محاسن کو خوب خوب بیان کرتے ہیں تا کہ لوگوں کے دلوں میں آپ ﷺ کی عزت و عظمت بیٹھ جائے اور آپ ﷺ سے عشق و محبت ہو جائے اور آپ ﷺ کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے لگے۔ یہ جماعت یہ بھی مانتی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی شان میں بے ادبی و گستاخی سنگین جرم اور کھلا ہوا کفر ہے جس کی تصریحات قرآن و حدیث اور اقوال صحابہ و تابعین میں موجود ہیں۔

3.5.5 علم غیب مصطفی

علمائے بریلی کے مطابق اللہ تبارک و تعالی نے نبی اکرم ﷺ کو جمیع ما کان وما یکون کا علم عطا فرمایا تھا یعنی وہ تمام چیزیں جو

ہو چکی اور ہوں گی آپ ﷺ کو ان تمام چیزوں کا علم اللہ نے عطا فرمایا اور اسی کو وہ علم غیب سے تعبیر کرتے ہیں اور اس پر متعدد قرآنی آیات واحادیث نبوی سے استدلال کرتے ہیں۔

3.5.6 نظریہ نور و بشر

سنی بریلوی جماعت رسول اللہ ﷺ کی نورانیت کے قائل ہیں اور رسول اللہ ﷺ کو بشر کے ساتھ ہی ایک نورانی مخلوق بھی مانتی ہے۔ اس سلسلے میں وہ قرآنی آیات اور احادیث سے استدلال کرتی ہے، جن میں سے ایک وہ حدیث بھی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا: يَا جَابِرُ، اِنَّ اَللّٰه تَعَالٰی قَدْ خَلَقَ قَبْلَ الْاَشْيَاءِ نُوْرَ نَبِيِكَ مِنْ نُورِهٖ۔ اے جابر اللہ تعالیٰ نے ہر تخلیق سے پہلے تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا کیا۔

3.5.7 نظریہ شاہد و ناظر

سنی بریلوی جماعت کا ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمہ جہت شاہد و ناظر ہیں۔ وہ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ آپ ﷺ نے دنیا میں عالم غیب کو دیکھ کر اطلاع دی اور اسی طرح بعد از وصال بھی آپ علیہ الصلوۃ والسلام تمام احوال سے باخبر ہیں۔ اس سلسلے میں وہ مختلف آیات قرآنی و احادیث نبوی سے استدلال کرتے ہیں۔ جن میں سے ایک آیت یہ ہے: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا- اے نبی ہم نے آپ (ﷺ) کو شاہد بنا کر بھیجا۔ مولانا احمد یار خان نعیم اپنی کتاب جاء الحق میں نظریہ حاضر و ناظر کے متعلق رقم طراز ہیں:

"حاضر و ناظر ہونے کا معنٰی یہ ہے کہ قُدسی (یعنی اللہ کی دی ہوئی) قوت والا ایک ہی جگہ رہ کر تمام عالم (یعنی سارے جہان، زمین و آسمان، عرش و کرسی، لوح و قلم، ملک و ملکوت) کو اپنے ہاتھ کی ہتھیلی کی طرح دیکھے اور دُور و قریب کی آوازیں سُنے یا ایک آن (لمحہ بھر) میں تمام عالم کی سیر کرے اور سینکڑوں مِیل دُور حاجت مندوں کی حاجت رَوائی کرے۔ یہ رفتار خواہ رُوحانی ہو یا جسمِ مثالی کے ساتھ ہو یا اسی مبارک جسم سے ہو جو قَبْر میں مَدفون ہے۔"

3.5.8 مختار کل

بریلوی مسلک کا نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام اور اولیائے عظام کو بہت سے اختیارات سے نوازا ہے، بالخصوص نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے مختار کل بنایا ہے۔ اس جماعت کے مطابق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دائرہ ماذونیت میں مختار کل ہیں۔ دائرہ ماذونیت سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اذن اور اختیار دیا گیا ہے۔

بعض کلمات کا اطلاق بعض مقامات میں مختلف معنی دیتا ہے۔ مثلاً لفظ کل جب اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہو گا تو حقیقی معنی میں ہو گا مگر جب یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی مقرب بندہ کے لیے استعمال ہو گا تو اضافی معنی میں ہو گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے مختار کل کا لفظ اسی معنی میں مراد لیا جاتا ہے۔ جب یہی لفظ کل مخلوق کے لیے ہو تو اس کے اطلاقات درجہ بدرجہ بدلتے رہتے ہیں۔ مثلاً ایک چیز کسی دوسری چیز کے مقابلے میں کل ہے تو وہی چیز کسی دوسرے کے مقابلے میں جزو بھی ہو سکتی ہے۔

انسانی علم جتنا بھی لامحدود اور وسیع ہو جائے وہ ماکان اور ومایکون کی حدود کے اندر ہی رہتا ہے، اس سے آگے اس کی حدیں ختم ہو جاتی ہے۔ یہی کل انسانی علم جب حضور تاجدار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلے میں رکھا جائے گا تو مخلوق کا سارا علم حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے مقابلے میں جزو ہو گا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم تمام مخلوق کے مقابلے میں کل ہو گا۔ مگر جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کل علم معبود الٰہی کے مقابلے میں لایا جائے گا تو یہ جزو ہو گا۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے سارے اختیارات آپ علیہ السلام کے دائرہ ماذونیت میں ہیں، جس میں آپ مختار کل ہیں۔

3.5.9 نظریہ توسل

بریلوی حضرات نہ صرف رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی سے توسل کے قائل ہیں بلکہ آپ ﷺ سے منسلک اشیاء مثلاً آپ کے موئے مبارک اور آپ کی نعلین شریفین کو اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ بنانے کے قائل ہیں اور اسے شریعت کے مطابق قرار دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر صحابہ کرام بشمول اہل بیت اطہار اور بزرگان دین سے توسل کو بھی جائز قرار دیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے وسیلہ سے بارگاہ الٰہی میں دعا کرنا ان کے نزدیک مستحسن ہے۔ اس کے لیے مختلف الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں جیسے توسل، استغاثہ، تشفع، توجہ وغیرہ۔

3.5.10 بدعت کے بارے میں نقطہ نظر

اس مسلک کے نقطہ نظر کے مطابق بدعت کی دو اقسام ہیں: ایک بدعتِ حسنہ یعنی اچھی بدعت اور دوسری بدعتِ سیئۃ یعنی بری بدعت جیسا کہ ذیل کی حدیثِ نبوی میں منقول ہے۔

من سن في الإسلام سنة حسنة كان له أجرها وأجر من عمل بها من بعده لا ينقص ذلك من أجورهم شيئا، ومن سن في الإسلام سنة سيئة كان عليه وزرها ووزر من عمل بها من بعده لا ينقص ذلك من أوزارهم شيئا(أخرجه مسلم في صحيحه)ترجمہ: جو آدمی اسلام میں کوئی اچھا طریقہ رائج کرے گا تو اسے اس کا اجر ملے گا اور اس اچھے طریقے پر عمل کرنے والوں کا بھی اجر ملے گا بغیر اس کے کہ اس کے متبعین کے اجر میں کچھ کمی کی جائے، اور اسلام میں کوئی برا طریقہ رائج کرے گا اسے اس کا گناہ ملے گا اور اس برے طریقے پر عمل کرنے والوں کا بھی گناہ بغیر اس کے کہ اس کے متبعین کے گناہ میں کچھ کمی کی جائے۔

صحیح مسلم کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے اس مکتب فکر کے مطابق دین میں کوئی نیا اچھا عمل جاری کرنا جو شریعت کے بنیادی اصولوں کے مخالف نہ ہو، نہ صرف جائز بلکہ مستحب عمل ہے۔ جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رمضان المبارک میں باجماعت نمازِ تراویح شروع کرنے کے اپنے عمل کو نِعْمَ الْبِدْعَةُ هَذِهِ (یہ اچھی بدعت ہے، بخاری) فرما کر نبی کریم ﷺ کی حدیثِ مبارکہ کی عملی تشریح کی۔ اسی طرح بہت سے ایسے افعال جو حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں نہیں تھے اور صحابہ کرام یا ان کے بعد امتِ مسلمہ میں رائج ہوئے وہ بدعت کے زمرے میں نہیں آتے۔ جیسے قرآنِ مجید کو خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں کتابی شکل میں جمع کرنا یا بعد ازاں حجاج بن یوسف کے دور میں قرآنِ پاک پر اعراب لگانا، فقہ کی تدوین، نحو کی ایجاد، ایمانِ مفصل و ایمانِ مجمل، چھ کلمے، مساجد میں مینار گنبد و محراب وغیرہ ایسے افعال ہیں جو امت میں بعد میں رائج ہوئے اور کسی شرعی حکم سے ٹکراؤ

نہ رکھنے کے باعث، یہ افعال حدیثِ نبوی ﷺ کی روشنی میں بدعتِ حسنہ کے ضِمن میں آتے ہیں۔ اسی طرح عید میلاد النبی، قیام و سلام، سوم، چہلم، ختم، عرس اور گیارہویں شریف وغیرہ بھی بدعت حسنہ کے ضمن میں آتے ہیں۔

3.6 بریلوی مکتب فکر کی اہم کتابیں

ذیل میں بریلوی مکتب فکر کی چند اہم کتابوں کا تعارف پیش کیا جارہا ہے۔

1. کنزالایمان فی ترجمۃ القران

مولانا احمد رضا خان کا اردو ترجمہ قرآن 1911ء میں مکمل ہوا۔ یہ اردو تراجم قرآن میں ایک مشہور ترجمہ ہے، اس اردو ترجمہ کا ترجمہ ہندی، سندھی، انگریزی، ڈچ، گجراتی، پشتو اور بنگلہ میں ہو چکا ہے۔

2. العطايا النبوية في الفتاوى الرضوية

یہ کتاب مولانا احمد رضا خان کے جاری کردہ ہزاروں فتاوی کا مجموعہ ہے، اس علمی ذخیرے کو فقہ حنفی کا انسائیکلوپیڈیا کہا جاسکتا ہے۔ اس کا پورا نام "العطايا النبوية في الفتاوى الرضوية" ہے جسے مختصر طور پر فتاویٰ رضویہ کہا جاتا ہے۔ تخریج شدہ تینتیس جلدوں میں شائع ہوئی ہے، جن میں کل 6847 سوالات کے جوابات ہیں، جن میں مولانا احمد رضا خان کے 206 رسائل بھی شامل ہیں۔

3. تمہید ایمان

یہ کتاب مولانا احمد رضا خان نے عوام الناس کے عقائد کی حفاظت وصیانت کے لیے تحریر کی۔ اس کتاب میں انہوں نے اہل سنت والجماعت کے عقائد کو قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان فرمایا ہے اور ان عقائد کے خلاف جن عقائد کو عوام میں رائج کیا جارہا تھا اس کی تردید کی اور عام مسلمانوں کو اس سے بچنے کی تاکید کی۔

4. ضیاء النبی

پیر محمد کرم شاہ الازہری کی سیرت نبوی پر لکھی ہوئی ایک علمی کتاب ہے جو 7 جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کو حکومت پاکستان وزارت مذہبی امور کی طرف سے اردو مقابلہ سیرت 1994ء میں پہلے انعام کا مستحق قرار دیا گیا۔ محمد قیوم اعوان نے اس کتاب کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا ہے، اور یہ ترجمہ بھی سات جلدوں میں شائع ہوا ہے۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری کی 'ضیاء النبی' عصر حاضر کی کتب سیرت میں نمایاں مقام و مرتبہ رکھتی ہے۔ اس کتاب میں قدیم و جدید سیرت کے تمام ماخذوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔ صاحب کتاب کا انداز بیاں سادہ، منطقی اور مدلل ہے کتاب میں مغربی مفکرین کی کتب سے بھی اسلام کی حقانیت ثابت کرنے کے لیے حوالے درج کیے گئے ہیں۔

5. تفسیر ضیاء القرآن

مولانا پیر محمد کرم شاہ الازہری کی تفسیر قرآن جو 3500 صفحات اور پانچ جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ تفسیر آپ نے 19 سال کے طویل عرصہ میں مکمل کی۔ یہ تفسیر قدرے مفصل اور معانی قرآن کے بیان میں بہت ہی واضح ہے، مصنف موصوف کی تفہیم کا انداز بڑا اچھوتا ہے۔

6. بہار شریعت

بہار شریعت مولانا محمد امجد علی اعظمی کی معرکہ آرا تصنیف ہے، اس کتاب کے سبب وہ زندہ جاوید ہوئے اس کتاب میں انہوں نے فقہ حنفی کو اردو قالب میں ڈھال کر وقت کی اہم ضرورت کو پورا کیا ہے اس سے فائدہ حاصل کرنے والوں میں علما و عوام دونوں شامل ہیں۔ بہار شریعت کو اردو زبان میں کتب فقہ میں وہی مقام حاصل ہے جو عربی زبان میں فتاوی شامیہ اور فتاوی ہندیہ کو حاصل ہے۔ فقہ اسلامی اور مسائل شرعیہ کو مولانا امجد علی مکمل طور پر بیس جلدوں میں سمیٹنا چاہتے تھے، مگر عمر نے ساتھ نہ دیا اور سترہ حصے لکھنے کے بعد دنیائے فانی سے کوچ کر گئے اور وصیت کر گئے کہ میری اولاد یا تلامذہ یا علمائے اہل سنت میں سے کوئی اس کو پورا کر دیں۔ چنانچہ ان کے شاگرد اور دیگر علماء نے بہار شریعت کے باقی تین حصے 18، 19، 20 ضبط تحریر میں لا کر اس کی تکمیل کی ہے۔

ان کتابوں کے علاوہ جاء الحق، سنی بہشتی زیور، فیضان سنت، تفسیر نعیمی، کتاب العقائد، جامع الرضوی المعروف بہ: صحیح البھاری، سیرت مصطفی وغیرہ بھی بریلوی مسلک کی اہم کتابیں شمار کی جاتی ہیں۔

3.7 سنی بریلوی جماعت کی تبلیغی خدمات

ہندوستان پر انگریزوں کے تسلط وقبضہ کے بعد ہندوستانی مسلمان مختلف النوع داخلی وخارجی مسائل سے دوچار ہوئے۔ بیسویں صدی عیسوی میں یہ پریشانی مزید بڑھ گئی اور عیسائی مشنریز، آریہ سماج اور شدھی تحریک بڑی تیزی سے مسلمانوں کے عقائد و نظریات کو متزلزل کرنے لگے اور مسلمانوں کی بڑی تعداد ارتداد کا شکار ہونے لگی۔

پنڈت سردھانند نے ہندو مذہب میں اصلاح اور اس کے ماننے والوں کو منظم کرنے کے لیے 1875ء میں ''آریہ سماج'' کی بنیاد رکھی، اس نے اسلام، سکھ، عیسائی، جین اور بودھ تمام ہندوستانی مذاہب کو نشانہ بنایا۔ اس نے ''ستیارتھ پرکاش'' نامی کتاب کے چودھویں باب میں قرآن مقدس پر کئی طرح کے اعتراضات کیے اور اس سے مسلمانوں کے عقیدہ کو متزلزل کرنے کی کوشش کی۔

پنڈت سردھانند کی طرح پنڈت دیانند نے 1920ء میں شدھی تحریک کی بنیاد رکھی اور مسلمانوں کو شدھ کر کے ہندو مذہب میں داخل کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ جگہ جگہ محفلیں منعقد کرتا، اسلام اور قرآن پر اعتراض کرتا، مناظرہ کے لیے چیلنج کرتا اور مسلمانوں میں بد دینی پھیلا کر انہیں ہندو مذہب میں داخل کرنے کی کوشش کرتا۔

ان تحریکوں کے خلاف متعدد انفرادی واجتماعی کوششیں اور تحریکیں سرگرم عمل تھیں۔ انہیں تحریکوں میں ایک تحریک مولانا احمد رضا خان کا قائم کردہ جماعت رضائے مصطفی بھی ہے جو صرف تقدیس ذات باری تعالی وعظمت ناموس رسالت کے لیے ہی کھل کر میدان میں نہیں آئی بلکہ اس نے عیسائی مشنریز، آریہ سماج اور شدھی تحریک کا بھی زبردست مقابلہ کیا اور ارتداد کے شکار مسلمانوں کے دلوں میں عظمت اسلام و قرآن کو جاگزیں کیا اور اسلام پر قائم ودائم رہنے میں ان کی مدد کی۔

اس دور میں عیسائی مقررین ومبلغین سوال وجواب کے لیے حاضرین مجلس کو اجازت دیتے تھے، اور دیگر جماعتیں مناظرہ کا چیلنج کرتی تھی۔ جماعت رضائے مصطفی کے کارکنان ہر اس جگہ جاتے جہاں سوال وجواب کا موقع دیا جاتا یا مناظرہ کے لیے بلایا جاتا اور ان لوگوں سے مناقشہ ومناظرہ کرتے اسلام اور قرآن پر کیے گئے اعتراضات کا اطمینان بخش جواب دیتے، مسلمانوں کے دلوں میں اسلام اور قرآن کی

عظمت جاگزیں کرتے اور مسلمانوں کو ارتداد کا شکار ہونے سے بچاتے۔

ذیل میں جماعت رضائے مصطفی سے منسلک چند مبلغین کی مختصر خدمات پیش کی جارہی ہیں:

مولانا ہدایت رسول قادری لکھنوی (1860ء-1915ء) یہ ایک بہترین خطیب اور عمدہ مناظر تھے۔ مولانا احمد رضا بریلوی ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ اگر مجھ جیسا لکھنے والا اور ہدایت رسول جیسا بولنے والا ہندوستان میں اور ہوتا تو بدمذہبیت کا نام ونشان نہیں ہوتا۔ یہ اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لیے ہندوستان کے طول عرض میں عیسائی پادریوں، آریہ سماج والوں، نیچریوں، قادیانیوں اور رافضیوں وغیرہ سے مناظرے کیے۔ ان کی تقاریر اور مناظروں کی وجہ سے بہت سارے لوگ تائب ہوئے اور راہ حق پر گامزن ہوگئے۔

مولانا قطب الدین برہم چاری (و:1932ء) یہ ایک غیر مسلم گھرانے میں پیدا ہوئے، سنسکرت کی تعلیم حاصل کی اور چاروں ویدیوں کے ماہر بن گئے۔ عین جوانی کے عالم میں اسلام لائے اور اسلامی علوم وفنون حاصل کیے۔ یہ طب وحکمت میں بھی ماہر تھے۔ یہ جماعت رضائے مصطفی کی شاخ اشاعت الحق کے ناظم اعلی بنائے گئے۔ ان کی تبلیغ کا طریقہ جداگانہ تھا۔ یہ ہندوستان کے مختلف علاقوں کے لوگوں کے ساتھ گھل مل کر اسلام کی دعوت وتبلیغ کیا کرتے تھے، لوگوں کو اسلام کی اچھائیاں بتاتے تھے اور اتدادی پروپیگنڈہ سے ان کے ذہنوں کو صاف کرتے تھے اور ان کی تعلیم وتربیت کا انتظام کرتے تھے۔

مولانا سید سلیمان اشرف بہاری (1878ء-1939ء) یہ مصنف، محقق اور ماہر تعلیم تھے، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ دینیات کے پروفیسر اور صدر شعبہ بھی رہے۔ ان کی مشہور کتاب "المبین" ہے۔ علوم اسلامیہ کی نشرواشاعت میں ان کی گراں قدر خدمات ہیں۔ ان کی دعوت وتبلیغ زیادہ تر علمی اور شخصی نوعیت کی تھی۔

حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان بریلوی (1875ء-1943ء) یہ مولانا احمد رضا خان کے بیٹے تھے۔ یہ بہترین ادیب، مایہ ناز خطیب اور عالم وفاضل تھے۔ دین اسلام کی خدمت، ناموس رسالت کی حفاظت اور قوم کی فلاح وبہبود ان کی زندگی کا مقصد تھا جس کے لیے وہ برصغیر کے مختلف علاقوں کا دورہ کرتے رہتے تھے۔ شدھی تحریک کے خلاف جی توڑ کوشش کی۔ جے پور، چتوڑ گڑھ، اودے پور اور گوالیار کے راجگان ان کے معتقدین تھے۔ ان کی دعوت وتبلیغ سے گمگشتگان ومتلاشیان راہ حق کو بہت مدد ملی اور بہت سے سارے لوگ تائب ہوئے۔

مفسر قرآن سید محمد نعیم الدین مرادآبادی (1878ء-1948ء): یہ مولانا احمد رضا خان کے شاگرد ومرید نہیں تھے بلکہ صرف خلیفہ تھے۔ ان کی مشہور کتابیں تفسیر "خزائن العرفان"، "تفسیر نعیمی" اور "سوانح کربلا" ہیں۔ انہوں نے رام چندر دہلوی اور دیانند سرسوتی کے دعوت مناظرہ کو قبول کیا اور ان سے کئی بار مناظرہ کیا۔ انہوں نے اکوڑہ، نینی تال اور ہلدوانی وغیرہ سواحلی علاقوں میں بھی قیام کیا اور وہاں دعوت وتبلیغ کے لیے ایک رسالہ "پراچین کال" لکھا۔

مبلغ اسلام مولانا عبد العلیم صدیقی میرٹھی (1892ء-1954ء) مولانا عبد العلیم نے درس نظامیہ کی تکمیل کے بعد پنجاب یونیورسٹی سے جرمن، جاپانی، انڈونیشین اور سواحلی زبانیں سیکھی۔ یہ عربی، فارسی، اردو، ہندی، انگریزی وغیرہ تقریبا پندرہ زبانیں بولتے تھے۔ انہوں نے عرب، افریقی، امریکی، یورپی ممالک بشمول چین وجاپان تقریبا پچاس سے زائد ملکوں کا تبلیغی دورہ کیا۔ انہوں نے بیرون

ممالک کئی ساری مسجدیں تعمیر کروائی، اسپتال بنوائے، مدارس و مکاتب قائم کیے۔ ان کی تبلیغ سے ایک بڑی تعداد میں یہودی، عیسائی اور دیگر مذاہب کے ماننے والے مشرف بہ اسلام ہوئے جن میں ماریشش کے گورنر مسٹر مروات اور سنگاپور کے مسٹر سچندر ناتھ بھی ہیں۔ انہوں نے ساؤتھ افریقہ میں مشہور ڈرامہ نگار جارج برنارڈ شا سے مناظرہ کیا اور اسے اسلام کی طرف راغب کیا۔ اسی طرح جنوبی امریکہ کے ٹرینیداد میں کولمبو یونیورسٹی کے پروفیسر اور سیلون حکومت کے سابق وزیر "ریوٹڈ لنگ لیری" جو بیس سال سے عیسائیت کی تبلیغ کر رہے تھے ان کی تقریر سے متأثر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔

مولانا حشمت علی خان قادری (1901ء-1960ء): یہ ایک کامیاب مدرس، مصنف، مبلغ اور مناظر تھے۔ ان کی تصنیفات میں "تذکرہ حسنین" اور "اسوہ حسنہ" بھی ہے۔ یہ تحفظ ناموس رسالت ﷺ کے لیے کمر بستہ رہتے اور حسب ضرورت تحریر و تقریر و مناظرہ کرتے رہتے تھے۔ یہ جماعت رضائے مصطفی کی طرف سے آگرہ، متھرا، بھرت پور وغیرہ میں پنڈت شردھانند کی شدھی تحریک کی طرف مناظرہ کی دعوت پر گئے تھے جہاں انہوں نے اسلام پر ہو رہے اعتراضات کا جواب دیا اور مسلمانوں کو اسلام کی طرف راغب کیا۔

محدث اعظم ہند مولانا سید محمد اشرفی جیلانی کچھوچھوی (1864ء-1961ء) یہ محدث، مفسر، مترجم قرآن، بہترین خطیب اور قادر الکلام شاعر تھے۔ ان کا دیوان "فرش پر عرش" ہے۔ یہ ہمیشہ مذہبی، قومی اور علمی خدمات میں مصروف رہتے۔ یہ رمضان المبارک کے علاوہ پورے سال ہندوستان کے طول و عرض میں لوگوں کی رشد و ہدایت میں سرگرم رہتے۔ بیرون ممالک میں عراق، فلسطین، سیریا، مصر، ساؤتھ افریقہ، برما، پاکستان اور بنگلہ دیش کا دورہ کرتے تھے۔ ان کی سرپرستی میں متعدد مدارس و مکاتب جاری تھے۔ ان کی دعوت و تبلیغ سے بہت سارے لوگ تائب ہو کر راہ حق پر گامزن ہوئے۔ ان کے مریدین کی تعداد لاکھوں میں ہے۔

ملک العلما مفتی محمد ظفر الدین بہاری (1880ء-1968ء): یہ بہترین مصنف، کہنہ مشق مفتی، لاجواب مناظر، ماہر علم توقیت اور با عمل داعی تھے۔ ان کی مشہور کتابوں میں "صحیح البھاری" اور "حیات اعلی حضرت" ہے۔ بریلی میں پنڈت جوالا پرشاد جو پہلے ہندو تھے پھر عیسائی ہو گئے اور ہر اتوار کو گرجا گھر میں تقریر کرتے تھے اور سامعین کے سوالوں کا جواب تھے۔ ملک العلما ان کی محفل میں جاتے اور اسلام پر ان کے اعتراضات کا جواب دیتے اور ان کے بیان پر سوالات کرتے۔ اسی طرح یہ آریہ سماج کی محفلوں میں بھی جاتے اور سوال جواب کے سیشن میں اسلام کے خلاف وارد اعتراضات کا جواب دیتے تھے۔ اسی طرح ناموس رسالت اور عظمت رسول ﷺ کی حفاظت وصیانت میں سرگرم رہتے۔ انہوں نے عیسائی، آریا سماج، قادیانی، مرجیہ اور اتحاد الوجود وغیرہ سے منسلک افراد سے مناظرے کیے جس کی وجہ سے سینکڑوں راہ حق سے بھٹکے ہوئے لوگ تائب ہوئے۔

مفتی اعظم ہند مولانا مصطفی رضا نوری (1893ء-1981ء): یہ مولانا احمد رضا کے بیٹے ہیں۔ یہ ایک اچھے مصنف، مفتی، فقیہ، محدث، مفسر قرآن، خطیب اور مبلغ تھے۔ "فتاوی مصطفویہ" ان کا مجموعہ فتاوی ہے۔ 1923-1924 میں آریہ سماج اور شردھانند کی شدھی تحریک کی وجہ سے علی گڑھ، متھرا، راجستھان، میرٹھ، بلند شہر اور بھرت پور وغیرہ میں بڑی تیزی سے مسلمان مرتد ہو رہے تھے۔ انہوں نے وعظ و نصیحت اور تقریر کے ذریعے مسلمانوں کے دلوں میں اسلام اور قرآن کی حقانیت کو جاگزیں کیا اور انہیں ارتداد کا شکار ہونے سے بچایا۔ ان کی کوششوں سے راہ حق سے بھٹکے ہوئے تائبین اور مریدین کی تعداد پانچ لاکھ بتائی جاتی ہے۔

3.8 سنی بریلوی جماعت کے ممتاز ادارے

مسلمانوں کی مذہبی و ملکی سربراہی کے لیے سنی بریلوی جماعت نے مختلف تعلیمی و نشریاتی و رفاہی ادرے قائم کیے جو حسب ذیل ہیں:

ممتاز مدارس اسلامیہ:

منظر اسلام بریلی، مظہر اسلام بریلی، الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور، مدرسہ قادریہ بدایوں، جامعہ نعیمیہ مراد آباد، مدرسہ شمس العلوم گھوسی مئو، دار العلوم امجدیہ گھوسی مئو، دارالعلوم اسحاقیہ جودھ پور، جامع اشرف کچھوچھہ، دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف، جامعۃ الرضا بریلی، دار العلوم امجدیہ کراچی، جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور، جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء نئی دہلی، دارالعلوم امجدیہ ناگپور، جامعہ حمیدیہ رضویہ بنارس، الجامعۃ الاسلامیہ روناہی فیض آباد، دارالعلوم علیمیہ جمدہ شاہی بستی، دارالعلوم محمدیہ بمبئی، فیض العلوم جمشید پور، ضیاء الاسلام ہوڑہ بنگال، دارالعلوم غریب نواز الہ آباد، احسن المدارس کانپور، دارالعلوم وارثیہ لکھنو وغیرہ۔

ان میں بریلوی مسلک کا سب سے بڑا اور مرکزی ادارہ فی الوقت الجامعۃ الاشرفیہ ہے جو 1317ھ / 1899ء میں مصباح العلوم کے نام سے مبارکپور میں قائم ہوا۔ یہ ادارہ پرائمری، درجہ حفظ و قرأت، درس نظامی اور تخصص فی الفقہ و تقابل ادیان وغیرہ جیسے کئی ایک شعبوں پر مشتمل ہے۔ اس کی اپنی لائبریری، اسکول و کالج و اسپتال ہے۔

اہم نشریاتی و اشاعتی ادارے

اس جماعت کے اہم نشریاتی ادارے ہیں جن میں المجمع الاسلامی مبارکپور، مجلس برکات مبارک پور اور مکتبۃ المدینہ کراچی درسی وغیر درسی کتب کی جدید تحقیق و تخریج اور حواشی کے ساتھ شائع کرنے میں پیش پیش ہے۔ مکتبۃ المدینہ دنیا کی متعدد زبانوں میں عوامی رسائل شائع کرتا ہے۔ ان دونوں کے علاوہ مشہور بریلوی نشریاتی ادارے یہ ہیں: سنی دار الاشاعت مبارکپور، مرکزی مجلس رضا لاہور، رضا اکیڈمی لاہور، رضا اکیڈمی ممبئی، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی، ادارۂ معارف نعمانیہ لاہور، مکتبہ نبویہ لاہور، دار القلم دہلی، امام احمد رضا اکیڈمی بریلی، مکتبہ جام نور دہلی، فاروقیہ بک ڈپو دہلی، رضوی کتاب گھر دہلی، مکتبہ نعیمیہ دہلی، خواجہ بک ڈپو دہلی، کتب خانہ امجدیہ دہلی، قادری کتاب گھر بریلی، مکتبہ رحمانیہ رضویہ بریلی۔

مشہور رسائل و مجلات

بریلوی جماعت کی طرف سے نکلنے والے رسالوں کی ایک بڑی تعداد ہے جن میں زیادہ تر اردو زبان میں شائع ہوتے ہیں۔ ان میں چند مشہور رسالے یہ ہیں: ماہنامہ کنز الایمان دہلی، ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور، ماہنامہ جام نور دہلی، ماہنامہ جہان رضا لاہور، ماہنامہ سنی دنیا بریلی، ماہنامہ اعلی حضرت بریلی، ماہنامہ طیبہ احمد آباد، ماہنامہ صراط مستقیم اودے پور، ماہنامہ طیبہ جودھ پور، سالنامہ معارف رضا کراچی، ماہنامہ ضیائے حرم لاہور، ماہنامہ بطحا حیدرآباد، ماہنامہ سنی دعوت اسلامی بمبئی، سالنامہ اہل سنت کی آواز مارہرہ، ماہنامہ خضر راہ اردو و ہندی و سالنامہ الاحسان اردو و عربی کوشامبی یوپی، سالنامہ کاروان رئیس القلم دہلی۔

قابل ذکر دینی ورفاہی تنظیمیں

علمی، سماجی، رفاہی اور دینی ودنیوی خدمات انجام دینے والی بریلوی تنظیموں میں جماعت رضائے مصطفی بریلی، سنی دعوت اسلامی ممبئی، مجمع مدینۃ الاسلامی کرناٹک، ورلڈ اسلامک مشن مانچسٹر انگلینڈ قابل ذکر ہیں۔

3.9 فرہنگ

انحراف	:	انکار، مخالفت، نافرمانی، پھر جانا
عدم تقلید	:	پیچھے نہ چلنا، پیروی نہ کرنا، کسی کے قدم بقدم نہ چلن
مصداق	:	آلہء تصدیق، ثبوتِ صداقت
متوارث	:	جو وراثت کی وجہ سے حاصل ہو، ورثے میں ملنے والا، جو میراث میں ملے
مبرہن	:	روشن، واضح، دلائل سے ثبوت
طبع زاد	:	اپنی ایجاد یا اختراع سے نکالا ہوا، ذاتی کدوکاوش سے پیدا کیا ہوا، اپنا لکھا یا کہا ہوا

3.10 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- برصغیر پاک وہند میں حنفی اہل سنت والجماعت کی ایک جماعت سنی بریلوی جماعت ہے۔
- مولانا احمد رضا خان 14 جون 1856ء کو اتر پردیش کے شہر بریلی میں پیدا ہوئے۔ اور 1921ء میں آپ کا انتقال ہوا۔
- مولانا احمد رضا کو کئی علوم وفنون میں تبحر حاصل تھا۔ انہوں نے قرآن کریم کا اردو ترجمہ کنز الایمان فی ترجمۃ القران کے نام سے کیا۔
- فقہ حنفی اور اس کی جزئیات پر مولانا احمد رضا خان کو جو عبور حاصل تھا، اس کی نظیر بہت کم ملتی ہے۔ ان کا مجموعہ فتاوی "فتاوی رضویہ" ایک اہم شاہکار ہے۔
- سنی بریلوی جماعت کے نظریات بعض چیزوں میں علمائے دیوبند اور علمائے اہل حدیث سے مختلف ہیں۔ مثلاً "نظریہ نور و بشر" بریلوی مسلک کے حامل افراد رسول اللہ ﷺ کی جسمانیت ونورانیت دونوں کے قائل ہیں۔
- مولانا احمد رضا کا مجموعہ فتاوی "العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویہ" اور مفتی امجد علی اعظمی کی "بہار شریعت" فقہ حنفی کی انسائکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے۔
- پیر محمد کرم شاہ الازہری کی سیرت نبوی پر لکھی ہوئی دلنشیں کتاب "ضیاء النبی"، اور تفسیر کے موضوع پر تصنیف کردہ "تفسیر ضیاء القرآن" بھی بڑی شہرت کی حامل ہیں۔

- مجلس برکات مبارک پور، المجمع الاسلامی مبارکپوراور مکتبۃ المدینہ کراچی درسی وغیر درسی کتب کی جدید تحقیق و تخریج اور حواشی کے ساتھ شائع کرنے میں پیش پیش ہے۔

3.11 نمونہ امتحانی سوالات

3.11.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1. مولانا احمد رضا کی ولادت کس سن عیسوی میں ہوئی؟

(a).1888ء (b).1877ء (c).1856ء (d).1857

2. امام احمد رضا کس شہر میں پیدا ہوئے؟

(a).بدایوں (b).میرٹھ (c).دہلی (d).بریلی

3. امام احمد رضا کا سن وفات کیا ہے؟

(a).1920 (b).1921 (c).1924 (d).1925

4. کتاب "دوام العیش فی ائمة من قریش" امام احمد رضا کی کس فکر کو بیان کرتی ہے؟

(a).سیاسی (b).سماجی (c).اصلاحی (d).علمی

5. بریلوی مکتب فکر کے مطابق حضور ﷺ کا علم غیب کیسا ہے؟

(a).ذاتی (b).عطائی (c).دونوں (d).ان میں سے کوئی نہیں

6. بریلوی مکتب فکر تقدیس شان الوہیت کو کیا قرار دیتے ہیں؟

(a).ایمان کا مدار (b).کفر کا مدار (c).دونوں (d).ان میں سے کچھ بھی نہیں

7. بزرگان دین کے مزارات کی زیارت اور عروس کا انعقاد سنی بریلوی جماعت کے نزدیک کیا ہے؟

(a).فرض (b).واجب (c).سنت (d).باعث اجر وثواب

8. بہار شریعت کس کی تصنیف ہے؟

(a).پیر کرم شاہ ازہری (b).مفتی امجد علی (c).مولانا احمد رضا (d).علامہ ارشد القادری

9. بریلوی مسلک کا سب سے بڑا مدرسہ کون سا ہے؟

(a)جامعہ اشرفیہ مبارک (b)جامعہ نعیمیہ مراد آباد (c)دارالعلوم امجدیہ ناگپور (d)جامعہ حمیدیہ رضویہ بنارس

10. تفسیر ضیاء القران کس کی تصنیف ہے؟

(a)مولانا محمد اختر رضا قادری ازہری (b)علامہ ارشد القادری (c)پیر کرم شاہ ازہری (d)مولانا ضیاء المصطفی قادری

3.11.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1. ہندوستان میں فرقہ بندی کی شروعات کیسے ہوئی؟
2. کن مسائل کی وجہ سے سنی علما کا اختلاف شروع ہوا؟
3. کیا شاہ ولی اللہ دہلوی تمام سنی فرقوں میں مرکزی مقام رکھتے ہیں؟
4. فقہ میں مولانا احمد رضا کا علمی مقام بیان کیجیے۔
5. نظریہ نور و بشر واضح کیجیے۔

3.11.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. بریلوی جماعت کے نظریات کو تفصیل سے قلم بند کیجیے۔
2. مولانا احمد رضا کی سوانح حیات پر ایک تفصیلی نوٹ لکھیے۔
3. کتاب حسام الحرمین کا تفصیلی جائزہ پیش کیجیے۔

3.12 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. تعارف اہل سنت : یسین اختر مصباحی
2. عقائد اہل سنت : مولانا محمد عبد الحامد قادری بدایونی
3. عقائد اہل سنت : مولانا منور حسین عثمانی رضوی
4. حیات امام اہل سنت : پروفیسر محمد مسعود احمد
5. مطالعہ بریلویت : ڈاکٹر خالد محمود
6. امام احمد رضا نمبر، ماہنامہ "المیزان" بمبئی، 1976ء

معروضی سوالات کے جوابات:

1. C	2. D	3.B	4. A	5.B
6.A	7.D	8.B	9.A	10. C

اکائی 4: تبلیغی جماعت

اکائی کے اجزا:

4.0 تمہید

4.1 مقاصد

4.2 بانی تبلیغی جماعت: ذاتی احوال اور تبلیغی جماعت کا آغاز

4.2.1 تبلیغی گشتوں کا آغاز

4.2.2 تبلیغی اجتماعات اور جلسے

4.2.3 وفات بانی جماعت

4.3 تبلیغی جماعت کے مقاصد

4.4 تبلیغی جماعت کے چھ اصول

4.4.1 کلمہ طیبہ

4.4.2 نماز

4.4.3 علم وذکر

4.4.4 اکرام مسلم

4.4.5 تصحیح نیت

4.4.6 تبلیغ

4.5 تبلیغی جماعت کے امیر

4.5.1 مولانا محمد یوسف کاندھلوی (امیر ثانی)

4.5.2 مولانا محمد انعام الحسن کاندھلوی (امیر ثالث)

4.5.3 مولانا محمد اظہار الحسن، مولانا محمد زبیر الحسن، مولانا محمد سعد

4.6 فرہنگ

4.7 اکتسابی نتائج
4.8 نمونہ امتحانی سوالات
4.8.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات
4.8.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات
4.8.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات
4.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

4.0 تمہید

ہندوستان اور عالمی سطح پر جو تحریکات اٹھی ہیں، ان کے خصوصی پس منظر رہے ہیں۔ ہندوستان میں شروع ہونے والی تحریک 'تبلیغی جماعت' کا بھی ایک خاص پس منظر تھا۔ اس کے پیش نظر یہ بات تھی کہ مسلمانوں کے اندر اسلامی تعلیمات سے متعلق بیداری لائی جائے اور انہیں کتاب وسنت سے جوڑا جائے۔ اس تحریک کا آغاز دہلی اور میوات کے علاقے میں ہوا۔ اس وقت ان علاقوں میں زیادہ بے دینی تھی۔ اس کی تفصیل آپ آئندہ صفحات میں پڑھیں گے۔

4.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد ہے کہ آپ:

- برصغیر کی ایک اہم تحریک 'تبلیغی جماعت' سے متعلق واقفیت حاصل کر سکیں۔
- تبلیغی جماعت کے آغاز وارتقا پر تبادلہ خیال کر سکیں۔
- تبلیغی جماعت کی خدمات پر اختصار سے روشنی ڈال سکیں، اس کے کام کرنے کے اصولوں اور مقاصد پر تبصرہ کر سکیں۔

4.2 بانی تبلیغی جماعت: ذاتی احوال اور تبلیغی جماعت کا آغاز

تبلیغی جماعت کے بانی مولانا محمد الیاس بن محمد اسماعیل ہیں۔ مولانا محمد الیاس صاحب کی پیدائش 1303ھ کاندھلہ، صوبہ اتر پردیش میں ہوئی اور آپ کا تاریخی نام اختر الیاس رکھا گیا۔ قرآن مجید کا حفظ اور عربی وفارسی کی ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے والد صاحب سے، نیز کاندھلہ میں حکیم محمد ابراہیم سے حاصل کی۔ پھر 1314ھ کے اختتام یا 1315ھ کے آغاز میں اپنے بڑے بھائی مولانا محمد یحییٰ کے ساتھ مولانا رشید احمد گنگوہی کی خدمت میں گنگوہ تشریف لے گئے، اور آگے کی تعلیم وہاں جاری رکھی۔ 1323ھ میں مولانا گنگوہی کے انتقال کے بعد اپنے بڑے بھائی کی صحبت میں رہے، اور علماء وبزرگان نیز مولانا گنگوہی کے خلفاء سے تربیت وسلوک اور فیض حاصل کرتے رہے۔ بعد ازاں

مولانا خلیل احمد سہارنپوری سے آپ نے راہ سلوک کی منزلیں طے کیں۔ 1326ھ میں آپ شیخ الہند مولانا محمود حسن کے درس حدیث میں شریک ہونے کے لئے دیوبند تشریف لے گئے۔ پھر بعد میں اپنے بڑے بھائی مولانا محمد یحییٰ سے بھی حدیث کا دورہ کیا۔

شوال 1328ھ میں مظاہر العلوم سہارنپور میں خدمت تدریس سے وابستہ ہو گئے، جہاں آپ نے متوسط کتابوں کی تدریس انجام دی۔ 6/ ذی قعدہ 1330ھ مطابق 17/ اکتوبر 1912ء کو اپنے حقیقی ماموں مولانا رؤف الحسن کی صاحبزادی سے آپ کا نکاح ہوا۔ 25/ ربیع الاول 1336ھ کو آپ کے سب سے بڑے بھائی مولانا محمد کا انتقال ہو گیا، جو دہلی میں والد صاحب کے قائم کردہ مدرسہ میں خدمات انجام دے رہے تھے۔ میوات اور دہلی کے لوگ ان سے خصوصیت کے ساتھ مستفید ہوتے تھے۔ آپ ان کی تعلیم و تدریس کے ساتھ تربیت و سلوک کی مجلسیں بھی منعقد کرتے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد مولانا محمد الیاس صاحب مظاہر العلوم سے دہلی منتقل ہو گئے اور وہیں اپنا کام جاری رکھا۔

اہل میوات کے ساتھ تعلق اور ان کی اصلاح کا کام آپ کے والد صاحب کے زمانہ سے ہی جاری تھا۔ والد صاحب مولانا محمد اسماعیل کے دہلی میں مدرسہ قائم کرنے سے پہلے ہی یہ سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ مدرسہ قائم ہو جانے کے بعد والد صاحب اور آپ کے بڑے بھائی مولانا محمد کا طریقہ کار لوگوں کی اصلاح و تربیت کے سلسلہ میں یہ رہا کہ اپنے مدرسہ میں میوات کے بچوں کو رکھ کر ان کی خوب اچھی تعلیم و تربیت کرتے پھر انہیں ان کے علاقوں میں بھیج دیتے تھے، جہاں وہ لوگوں کی اصلاح و تربیت کا کام انجام دیتے تھے۔ لیکن جب مولانا محمد الیاس ان کی جگہ دہلی آئے تو انہیں اہل میوات کی اصلاح کے لئے والد صاحب اور بڑے بھائی کا یہ عمل کافی نہ لگا۔ انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ میوات میں بھی مدارس اور مکاتب قائم کئے جائیں، تاکہ اصلاح و تبدیلی کی رفتار تیز ہو۔

اس وقت اہل میوات میں دینی جہالت اس قدر تھی کہ ان کے گھروں میں غیر مسلموں کے معبودان (مورتیاں) رکھے ہوتے تھے، وہ غیروں کے ساتھ ان کے مذہبی تہواروں میں شریک ہوتے تھے، حتیٰ کہ ان کے بچوں کے نام بھی غیر مسلموں کے نام پر ہوتے تھے، انہیں نماز، روزہ تو درکنار بسا اوقات کلمہ طیبہ کا بھی پتا نہیں ہوتا تھا۔ لوٹ مار اور ڈاکہ زنی کے وہ عادی تھے۔

ان کی اس صورت حال پر مولانا محمد الیاس کا یہ قوی احساس تھا کہ اگر اس علاقہ میں دینی تعلیم کی اشاعت کی گئی تو وہاں کی جہالت اور بے دینی دور ہو جائے گی۔ چنانچہ انہوں نے دہلی میں والد صاحب کے ذریعہ قائم کردہ مدرسہ کے علاوہ میوات کے علاقہ میں بھی مدارس اور مکاتب قائم کرنے کا منصوبہ بنایا۔ لیکن یہ ایک دشوار گزار عمل تھا، کیونکہ اہل میوات کے نزدیک کاشت کاری اور گلہ بانی سے بڑھ کر کوئی منفعت بخش اور اہم کام نہ تھا، لہٰذا وہ کسی بھی طرح اس بات کے لئے رضامند نہ ہوتے تھے کہ ان کے بچے ان کاموں کو چھوڑ کر کسی دوسرے کام میں مصروف ہوں۔ لیکن مولانا الیاس کی مسلسل کوششوں اور انتھک محنتوں سے ان کا منصوبہ کامیاب ہوا، اور ابتداءاً ایک مکتب قائم کر لیا گیا۔ پھر چند ہی دنوں میں دس مکاتب ان کی نگرانی میں قائم ہو گئے۔ اس کے بعد بہت مختصر مدت میں بڑی تعداد میں مکاتب قائم ہو گئے اور لوگوں کی اصلاح اور دینی تعلیم کی مہم تیز تر ہو گئی۔

لیکن پھر جلد ہی انہیں اس بات کا بھی احساس ہو گیا کہ ان مکاتب سے جو طلبا فارغ ہو رہے ہیں ان کی خاطر خواہ اصلاح اور دینی

تربیت نہیں ہو پارہی ہے۔ اس نتیجہ کی مختلف وجوہات تھیں۔ بڑی وجہ یہ تھی کہ طلبا کے گھر اور محلہ والوں کے نزدیک دین کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی، اور نہ ہی اسے حاصل کرنے کا کوئی شوق و جذبہ تھا۔ چنانچہ طلبا کو گھروں میں دینی تعلیم کے حصول پر کسی قسم کا شوق نہیں دلایا جاتا تھا۔ وہ فارغ ہو کر آتے تھے تو ان کے علمی مقام کی بنیاد پر نہ ہی ان کی کوئی عزت ہوتی تھی اور نہ ہی ان کی باتوں کی کوئی وقعت تھی۔ یہی وجہ تھی کہ فراغت کے بعد جب وہ اپنے خاندان اور محلہ میں جاتے تھے تو وہ انہی کے رنگ میں رنگ جاتے تھے۔

4.2.1 تبلیغی گشتوں کا آغاز

چنانچہ مولانا نے مدارس و مکاتب کے ساتھ لوگوں کی اصلاح و تربیت کی یہ تدبیر اختیار کی کہ تبلیغی گشت نکالی جائیں، جو لوگوں کے پاس جا جا کر دین کی باتیں بتائیں۔ ان تبلیغی گشتوں کا آغاز 1345ھ مطابق 1926ء میں ہوا۔ لیکن چونکہ لوگ اس طریقہ دعوت و تبلیغ سے نا آشنا تھے، اس لئے جب مبلغین گشت میں ان سے ملتے اور اسلام کے اصول و ارکان بیان کرتے تو انہیں بڑی حیرانی اور تعجب ہوتا تھا، جس کی وجہ سے مبلغین کو بھی اپنی باتیں پیش کرتے ہوئے کچھ پس و پیش ہوتی تھی۔ لیکن پھر جلد ہی قصبہ نوح میں ایک اجتماع ہوا۔ اس اجتماع میں اس علاقے کے بالخصوص میوات کے سربر آوردہ لوگ شریک تھے۔ مولانا نے ان سے مفصل طور پر اپنا طریقہ دعوت بیان فرمایا اور ان سے مطالبہ کیا کہ جماعتیں بنا کر گاؤں اور قصبوں میں گشت کی جائے اور لوگوں کے سامنے اسلام کی بنیادی تعلیمات پیش کی جائیں۔ لوگوں نے آپ کے اس طریقہ دعوت کو پسند تو کیا لیکن آپ کے مطالبہ کو پورا کرنے میں قدرے سستی برتی۔ تقریباً ایک مہینہ کے بعد جماعت تیار ہوئی اور وہ گاؤں بھی طے ہو گیا جہاں جماعت جانی تھی۔ یہ جماعت ایک ہفتہ کے دورہ پر تھی۔ یہ طے کر دیا گیا تھا کہ یہ جماعت اختتام پر جمعہ 'سوہنے' گاؤں، ضلع گوڑ گانوہ میں پڑھے گی۔ اس موقع پر مولانا بھی جمعہ میں موجود تھے۔ وہاں دوبارہ جماعت تیار ہوئی، جو دورہ کرتے ہوئے آئندہ جمعہ تاؤڑو پہنچی۔ پھر جماعتیں بنتی گئیں اور میوات کے مختلف علاقوں میں ان کی گشتیں ہوتی رہیں اور اسلام کی بنیادی تعلیمات لوگوں کے سامنے پیش کی جاتی رہیں۔ (سید ابوالحسن علی ندوی، حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت، ص 91-92)

اب تک ان گشتوں کا سلسلہ میوات کے پانچ کوس کے دائرہ میں جاری تھا۔ ان گشتوں سے اگرچہ میوات کے لوگ دینی تعلیمات سے آگاہ ہو رہے تھے، لیکن مولانا کی نظروں میں ان گشتوں سے وہ فائدے حاصل نہیں ہو رہے تھے جن کی آپ توقع رکھتے تھے۔ چنانچہ محرم 1352ھ مطابق اپریل 1933ء سے آپ نے میوات کے کاشتکاروں کو میوات سے باہر دینی مراکز بھیجنے کا فیصلہ کیا، تاکہ وہ اپنے مشاغل سے مکمل طور پر فارغ ہو کر جماعت کی شکل میں نکلیں، اور جو کچھ اب تک سیکھتے رہے ہیں ان کا آپس میں مذاکرہ کریں اور ان پر پابندی کے ساتھ عمل پیرا ہونے کی کوشش کریں۔ اس کے علاوہ دینی مراکز میں اللہ کے نیک اور دیندار بندوں کی زندگیوں اور نشست و برخاست کا قریب سے مشاہدہ کریں، قرآن پڑھیں، مسائل و فضائل معلوم کریں اور ان کے مطابق اپنی زندگی ڈھالنے کی کوشش کریں۔ چنانچہ اس مقصد کے ساتھ میوات کے لوگوں پر مشتمل پہلی جماعت کاندھلہ بھیجی گئی جو خود مولانا محمد الیاس کا وطن تھا، اور علماء کی بڑی تعداد وہاں آباد تھی۔ دوسری جماعت رائے پور (سہارنپور) بھیجی گئی، جو ایک روحانی مرکز تھا، اور جہاں شاہ عبد الرحیم رائے پوریؒ کے جانشین مولانا عبد القادرؒ کی خانقاہ قائم تھی۔

اس کے بعد جماعتیں نکلنے کا سلسلہ چلتا رہا، اور آہستہ آہستہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ میوات کے جن لوگوں کو پانچ کوس کی جماعت میں نکلنا دشوار ہوتا تھا، وہ ملک کے کونے کونے تک اسلامی تعلیمات کی تبلیغ واشاعت کے لئے جماعتوں اور چلوں میں نکلنے لگے، ایک ایک گھر سے ایک ہی وقت میں کئی کئی افراد چلوں (چالیس دن) میں نکلتے تھے۔ مولانا سید محمد ثانی حسنی ان کے تبدیلیٔ احوال کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"چند ہی سال میں میوات کے وسیع علاقہ میں دین اور دینداری کی ایسی اشاعت ہوئی اور اس تاریک خطہ میں ایسی روشنی پھیلی جس کی مثال دور دور نہیں ملتی۔ میواتی جو خود دین سے ناآشنا اور نابلد تھے، دوسرے شہروں اور دور دراز علاقوں میں اپنی سادگی کے ساتھ دین کی اشاعت کا کام کرنے لگے۔ جہاں میلوں اور کوسوں تک مسجد نظر نہیں آتی تھی وہاں گاؤں گاؤں مسجدیں بننے لگیں۔ جہاں دور دور تک کوئی قرآن پڑھنے والا نہ تھا، اب وہاں ایک گھر میں کئی کئی حافظ ایک ایک گاؤں میں کئی کئی عالم ہونے لگے۔ ہندووانہ وضع ولباس سے نفرت پیدا ہونے لگی، اسلامی وشرعی لباس کی وقعت دلوں میں پیدا ہوگئی، شادیوں کے مشرکانہ رسوم کا خاتمہ ہونے لگا۔ جرائم، فسادات اور بداخلاقیوں کا تناسب کم ہوگیا۔" (سید محمد ثانی حسنی، سوانح حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی. 154- 155)

اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی تحریر فرماتے ہیں:

> "بعض علاقوں میں گاؤں کے گاؤں ایسے ہیں جہاں ایک بچہ بھی آپ کو بے نمازی نہ ملے گا۔ دیہات کی وہ مسجدیں جہاں یہ لوگ اپنے مویشی باندھتے تھے، آج وہاں پانچوں وقت اذان اور جماعت ہوتی ہے۔ آپ کسی راہ چلتے دیہاتی کو روک کر اس کا امتحان لیں۔ وہ آپ کو صحیح تلفظ کے ساتھ کلمہ سنائے گا۔ اسلام کی تعلیم کا سیدھا سادھا لب لباب، جو ایک بدوی کو معلوم ہونا چاہیے، آپ کے سامنے بیان کرے گا اور آپ کو بتائے گا کہ اسلام کے ارکان کیا ہیں۔ اب آپ وہاں کسی مسلمان مرد عورت یا بچہ کو ہندووانہ لباس میں نہ پائیں گے، نہ اس کے جسم کو بے ستر دیکھیں گے، نہ اس کے گھر کو، نہ اس کے لباس کو نجاستوں میں آلودہ پائیں گے۔ ان کی عادات وخصائل اور ان کے اخلاق میں بھی اس مذہبی تعلیم وتبلیغ کی وجہ سے نمایاں فرق ہوگیا ہے۔ اب وہ متمدن اور مہذب طرز زندگی کی طرف پلٹ رہے ہیں۔ جرائم میں حیرت انگیز کمی ہوگئی ہے۔ لڑائیاں، فسادات اور مقدمات بہت کم ہوگئے ہیں۔ ان کا علاقہ اب ایک پرامن علاقہ ہے جس کا اعتراف خود وہاں کے حکام کر رہے ہیں۔" (سید ابوالاعلیٰ مودودی، "احیاء دین کی جدوجہد کا صحیح طریقہ اور ایک قابل تقلید نمونہ۔ ص23-24)

چونکہ دہلی مرکز رہی ہے، وہاں بستی نظام الدین کی جامع مسجد میں ہر جمعہ کی رات کو اور ہر مہینہ کے آخری چہار شنبہ کو مولانا کا روح پرور اور مؤثر خطاب ہوتا تھا، جس سے بڑی تعداد میں لوگ متاثر ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ ملک کے مختلف حصوں سے آنے والے لوگوں سے مولانا کی ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں۔ ان کی اکثریت مولانا سے متاثر تھی، بلکہ اکثر وبیشتر مولانا کے طریقہ دعوت وتبلیغ پر کام کرنے کے لئے آمادہ ہوتے تھے۔ اس طرح یہ دعوتی وتبلیغی مہم بڑے پیمانے پر پورے ملک میں پھیلی۔ دہلی کی بڑی شخصیتوں میں ڈاکٹر ذاکر حسین خان کا نام خصوصی طور پر قابل ذکر ہے۔ وہ مولانا سے بڑے متاثر تھے۔ ملک کے بڑے بڑے تعلیمی ادارے خصوصاً دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، مظاہر العلوم سہارنپور، دار العلوم دیوبند وغیرہ کا بھی آپ کے ساتھ تعلق رہا ہے۔ وہاں کے فضلا اور طلبا آپ کے طریقہ دعوت پر اپنے اپنے

علاقوں میں اسلام کا پیغام اور بنیادی اسلامی اصول وارکان کو عام کرتے رہے ہیں۔

4.2.2 تبلیغی اجتماعات اور جلسے

اکثر ایسا ہوتا تھا کہ مہینہ میں ایک مرتبہ میوات میں کسی جگہ اور سال میں نوح کے مدرسہ میں ایک تبلیغی جلسہ ہوا کرتا تھا۔ ان جلسوں کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو اسلام کی بنیادی تعلیمات اور اس کے اصول وارکان سے واقف کرایا جائے، اور زیادہ سے زیادہ تعداد میں لوگ تبلیغی جماعتوں میں نکلنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ دراصل ان اجتماعات اور جلسوں میں جس قدر زیادہ لوگ تبلیغی جماعتوں میں جانے کے لئے تیار ہوتے تھے اسی قدر انہیں کامیاب اجتماع اور جلسہ مانا جاتا تھا۔ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ تحریر کرتے ہیں:

> ”ان جلسوں میں تقریریں اور مواعظ بالکل ضمنی تھے، اصل مقصود اور اصل کوشش نئی جماعتیں بنانے اور ان کو باہر نکالنے کی ہوا کرتی تھی، اور یہی جلسہ کی کامیابی کا معیار تھا کہ کتنی جماعتیں اپنے علاقے سے باہر جانے اور یوپی کے گشت کے لئے آمادہ ہوئیں، اور کتنے آدمیوں نے کتنا وقت دیا؟“۔ (ندوی، *حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت*، 140)

اسی نوعیت کا ایک جلسہ 8، 9، 10 ذی قعدہ 1360ھ مطابق 28، 29، 30 نومبر 1941ء میں قصبہ نوح میں ہوا تھا۔ یہ اجتماع اپنی نوعیت کا بڑا اہم اجتماع تھا۔ اس میں شرکاء کی تعداد کا اندازہ 25 ہزار لگایا گیا ہے۔ اس کی اہمیت اس اعتبار سے قابل قدر ہے کہ اس میں گاؤں اور قصبوں کے کاشتکار، تاجر، مدارس کے علماو فضلا، کالجز کے طلبا اور عصری علوم کے حاملین نے بڑی تعداد میں شرکت کی تھی، اور انہوں نے باہم مل کر کام کرنے کا عزم کیا تھا۔ یہاں سے جماعتیں بنابنا کر مختلف علاقوں میں پھیل گئے تھے اور اسلام کے پیغام کو لوگوں تک پہنچانے میں بھرپور کوششیں کی تھیں۔ جس کے بعد سے تبلیغی جماعت کے چرچے ہر چہار جانب ہونے لگے تھے۔

1356ھ میں آپ حج کے لئے تشریف لے گئے۔ وہاں بھی آپ نے اپنے رفقا اور احباب کے ساتھ لوگوں میں تبلیغی مشن کو جاری رکھا۔ مختلف مواقع پر آپ نے عوام سے خطابات کئے، لوگ کافی متاثر ہوئے، اور اس طرز پر کام کرنے کے لئے آمادہ ہوئے۔ آپ نے مکۃ المکرمہ کے سلطان سے بھی ملاقات کی، ان کے سامنے اپنی بات پیش کی انہوں نے تحسین فرمائی اور حوصلہ افزائی کی۔ اس کے علاوہ مدینہ منورہ کے امیر، اور مختلف دیگر امراء وحکام، تجار اور پیشہ وروں سے بھی ملاقاتیں ہوتی رہیں، سبھوں نے اس کام کی تائید و تحسین کی، اور اپنے علاقوں میں اس طرز پر کام کرنے کا یقین دلایا۔

4.2.3 وفات بانی جماعت

مولانا محمد الیاس شروع ہی سے کافی کمزور تھے۔ پھر جب تبلیغی مہم کا آغاز ہوا تو اسی میں دن رات لگے رہے، اسی کی فکر ہر وقت دامن گیر رہتی، جس کی وجہ سے آپ کی صحت مزید خراب ہوتی چلی گئی۔ آخری عمر میں آپ کو پیچش کی شکایت ہو گئی تھی، جس سے کمزوری اس قدر بڑھی کہ آپ صاحب فراش ہو گئے۔ دو آدمیوں کے سہارے سے نماز کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ بالآخر مرکز حضرت نظام الدین میں 11/رجب 1363ھ مطابق 1/جولائی 1944ء کو آپ مالک حقیقی سے جاملے۔ إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ.

4.3 تبلیغی جماعت کے مقاصد

ہندوستان میں جو تحریکات اٹھیں، ان کے مقاصد مختلف تھے۔ تبلیغی جماعت کا آغاز جس خاص پس منظر میں ہوا اس کا ابتدائی مقصد یہ تھا کہ جو لوگ دین سے بالکل ناواقف ہیں، اسلام کی بنیادی تعلیمات اور اس کے عقائد و نظریات سے بے بہرہ ہیں، انہیں کسی طرح ان تعلیمات سے نہ صرف آگاہ کر دیا جائے بلکہ ان کے دلوں میں ان پر عمل پیرا ہونے کا داعیہ پیدا کر دیا جائے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے انہوں نے مساجد کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ جماعتوں کی شکل میں دوسرے علاقوں کے اسفار اور گشتوں کے پیش نظر بھی یہی مقصد تھا کہ وہ اپنی تجارت وزراعت اور دیگر مصروفیتوں سے کچھ وقت اپنے لئے فارغ کریں اور ایک خاص فضا میں رہیں، اور جو کچھ پہلے سیکھتے رہے ہیں ان کا اپنے ساتھیوں کے ساتھ مذاکرہ کریں اور ان پر عمل پیرا ہو جانے کی کوشش کریں، عبادات واذکار میں وقت گذاریں، اور تربیت یافتہ ہو کر گھر واپس جائیں۔ پھر اسی مقصد کے ساتھ ان کی ابتدائی جماعتیں ایسے مقامات کی جانب روانہ ہوئیں جو علما، صلحا اور دینداروں کے مراکز تھے، تاکہ انہیں اسلامی تعلیمات کے عملی نمونوں کا مشاہدہ ہو، وہ ان کی صحبتوں میں رہیں، اور نتیجتاً ان کے دلوں میں ان تعلیمات پر عمل کا داعیہ پیدا ہو۔ اس کے ساتھ ہی ان اسفار اور گشتوں کا ایک مقصد یہ بھی ہوتا تھا کہ جماعت کے امیر کی نگرانی میں اسلام کی ان بنیادی تعلیمات کو عوام تک پہنچائیں، انہیں ان تعلیمات کے مطابق زندگی اختیار کرنے کی تلقین کریں اور انہیں مسجدوں تک لانے کی کوشش کریں۔

تبلیغی جماعت کے قیام کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ اسلام کے پورے نظام حیات کو ساری قوم پر برپا کر دیا جائے، اور اس کے مطابق امت مسلمہ اپنی زندگی گذارے۔ تمام اوامر ونواہی اور احکام ومسائل میں محض اللہ اور اس کے رسول کے احکام کو پیش نظر رکھا جائے۔ اس جماعت کے بانی مولانا محمد الیاس نے ایک موقع پر فرمایا تھا:

> "ہماری اس تحریک کا اصل مقصد ہے مسلمانوں کو 'جمیع ما جاء به النبي ﷺ' سیکھانا، (یعنی اسلام کے پورے علمی وعملی نظام سے امت کو وابستہ کر دینا) یہ تو ہے ہمارا اصل مقصد۔ رہی قافلوں کی یہ چلت پھرت اور تبلیغی گشت، سو یہ اُس مقصد کے لئے ابتدائی ذریعہ ہے، اور کلمہ ونماز کی تلقین وتعلیم گویا ہمارے پورے نصاب کی 'الف، ب، ت' ہے۔" (محمد الیاس، ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ، مرتبہ محمد منظور نعمانی (لکھنؤ، کتب خانہ الفرقان، بار ششم)، 31)

پھر ایک دوسری جگہ بانی جماعت اپنے مقصد کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> "میں سچ کہتا ہوں کہ ابھی تک آلی (اصلی) کام شروع نہیں ہوا، جس دن کام شروع ہو جائے گا (یعنی زندگی کے تمام شعبوں میں پورا دین آجائے گا) تو مسلمان سات سو برس پہلے کی حالت کی طرف لوٹ جائیں گے، اور اگر کام شروع نہ ہوا بلکہ اسی حالت پر رہا، جس پر اب تک ہے اور لوگوں نے اس کو منجملہ تحریکات کے ایک تحریک سمجھ لیا ہے، اور کام کرنے والے اس راہ میں بچل گئے (یعنی جمود کا شکار ہو گئے اور اصل مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش نہ کی) تو جو فتنے صدیوں میں آتے وہ مہینوں میں آجائیں گے۔ اس لئے اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔" (محمد الیاس، ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ، 42۔)

البتہ علماء کی جماعتوں اور گشتوں کا بنیادی مقصد شروع ہی سے یہ رہا کہ وہ عوام میں جائیں اور اسلام کے بنیادی ارکان واصول سے انہیں آگاہ کریں، انہیں ان پر عمل کرنے کی ترغیب دلائیں، ان کے سامنے عملی نمونے پیش کریں اور انہیں مسجدوں سے جوڑیں۔

تبلیغی جماعت غیر مسلموں میں تبلیغ کی قائل نہیں ہے۔ ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ جب تک ہم اسلامی تعلیمات اور اسوۂ حسنہ سے خود کو آراستہ نہیں کر لیں گے، اسلام کی اشاعت نہیں ہو گی۔ پھر جب لوگ اجتماعی طور پر اسلامی تعلیمات اور اخلاق حسنہ سے خود کو مزین کر لیں گے تو نہ صرف اس سے گرد و پیش کے لوگ متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوں گے بلکہ اس سے ہمارے دنیاوی حالات بھی بدلیں گے اور ہمارے حق میں بہتر ہوں گے۔ (عبد الباری، *آزاد ہندوستان میں مسلم تنظیمیں: ایک جائزہ* (نئی دہلی: انسٹی ٹیوٹ آف آبجکٹیو اسٹڈیز، 2001ء)، 141-142)

4.4 تبلیغی جماعت کے چھ اصول

تبلیغی جماعت کے پیش نظر جو مقاصد ہیں انہیں حاصل کرنے کے لئے بانی جماعت نے چھ اصول مرتب کئے ہیں۔ یہ ان کے نزدیک کتاب و سنت سے ماخوذ ہیں اور ان کا نچوڑ ہیں۔ ان اصولوں میں وہ سارے امور شامل ہیں جن پر عمل کرنے سے ایک انسان کی زندگی میں بتدریج اسلامی تعلیمات مکمل طور پر داخل ہو جاتی ہیں، اور اس راستے میں جو بھی پریشانیاں اور مشکلات پیش آتی ہیں ان سے نبرد آزما ہونے کے لئے وہ اسے تیار کر دیتی ہیں۔ اس لئے تبلیغی جماعت میں نہایت ہی سختی اور پابندی سے ان پر عمل کرایا جاتا ہے۔ بانی جماعت ان کی اہمیت کی وضاحت کرتے ہوئے ایک موقع پر فرماتے ہیں:

> "دوستو! اس تبلیغ میں اصولوں کی پابندی نہایت ضروری ہے۔ اگر کسی اصول میں ذرا بھی کوتاہی کرو گے تو خدا کا وہ عذاب جو شاید بدیر آئے فوراً ہی تمہارے سر پر آموجود ہو گا۔ اس تحریک کی تاریخ میں دو ایسے واقعات پیش آئے جب یہ تحریک ظاہراً اپنے بام ترقی پر پہنچ کر اصول کی غیر جانبداری ہی کی وجہ سے پھر نیچے گری۔ پس بھائیو! چھ اصولوں کی سختی سے پابندی کرو۔" (ندوی، *حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت*، 168)

اسی طرح تبلیغی جماعت اور بانی جماعت سے دیرینہ تعلق رکھنے والے مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ ایک مقام پر تبلیغی جماعت کی مختلف خصوصیات ایثار و قربانی کا جذبہ، رضائے الٰہی کی طلب، اسلام اور مسلمانوں کا احترام، فرائض کی ادائیگی کا اہتمام، یاد الٰہی اور ذکر خداوندی کی مشغولیت وغیرہ کا تذکرہ کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

> "جماعت کی یہ خصوصیت اور امتیاز، داعی اول کے اخلاص..... کے بعد ان اصول وضوابط کا بھی نتیجہ ہے جو شروع سے اس کے داعی اول (حضرت مولانا الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ) نے اس کے لئے ضروری قرار دیئے اور جن کی ہمیشہ تلقین و تبلیغ کی گئی۔ وہ کلمہ طیبہ کے معانی و تقاضاؤں پر غور، فرائض وعبادات کے فضائل کا علم، علم و ذکر کی فضیلت کا استحضار، ذکر خداوندی میں مشغولیت، اکرام مسلم اور مسلمان کے حق کی شناسائی وادائیگی، ہر عمل میں تصحیح نیت واخلاص، ترک مالا یعنی، اللہ کے راستہ میں نکلنے اور سفر کرنے کے فضائل وترغیبات کا استحضار اور شوق، یہ وہ عناصر اور خصائص تھے جنہوں نے

اس دعوت کو ایک سیاسی، مادی تحریک اور استحصال فوائد، حصول جاہ ومنصب کا ذریعہ بننے سے محفوظ فرمادیا اور وہ ایک خالص دینی دعوت اور حصول رضائے الٰہی کا ذریعہ رہی۔

یہ اصول و عناصر جو اس دعوت و جماعت کے لئے ضروری قرار دیئے گئے، کتاب وسنت سے ماخوذ ہیں، اور وہ رضائے الٰہی کے حصول ودین کی حفاظت کے لئے ایک پاسبان و محافظ کا درجہ رکھتے ہیں۔ ان سب کے مآخذ کتاب الٰہی اور سنت واحادیث نبوی ہیں۔"

چنانچہ ان چھ اصولوں کی اسی اہمیت اور ضرورت کے پیش نظر بانی جماعت کے صاحبزادہ اور امیر جماعت ثانی مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ نے احادیث نبویہ ﷺ پر مشتمل ایک پوری کتاب "منتخب احادیث" کے نام سے تالیف کر دی، جو تبلیغی جماعت کے انہی چھ اصولوں کے مرکزی عناوین کے تحت بیان ہوئی ہیں۔ وہ چھ اصول حسب ذیل ہیں:

4.4.1 کلمہ طیبہ

کلمہ طیبہ یعنیٰ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ" میں کئی باتیں مضمر ہیں۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ کلمہ طیبہ ہر ایک کو بہترین تجوید کے ساتھ یاد کرایا جائے۔ پھر کلمہ طیبہ کو محض زبانی پڑھ لینے پر اکتفانہ کیا جائے، بلکہ اس کا معنیٰ بھی خوب اچھی طرح سمجھ لیا جائے، کیونکہ اسی کے ذریعہ سے اس کا رابطہ دل کے ساتھ استوار ہو گا، اور دل اس کا اثر قبول کرے گا، پھر جسم دل کی آمادگی پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو گا۔ تبلیغی جماعت کے اس اصل کا مطلب یہ ہے کہ یہ تمام اسلامی عقائد پر متضمن ہے۔ لہٰذا اس کا مقصد یہ ہے کہ جب کوئی شخص اسے پڑھے تو اس کا معنیٰ و مفہوم کو سمجھتے ہوئے اللہ کی وحدانیت کے ساتھ تمام اسلامی عقائد پر ایمان لائے، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ انسان رسول خدا محمد ﷺ کی رسالت پر بھی ایمان لائے گا، جو کہ کلمہ طیبہ کا لازمی جز ہے۔ اور آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی سنتوں کو اپنی پوری زندگی میں اتارا جائے، اور اسے اپنا ضابطہ حیات بنالیا جائے۔

4.4.2 نماز

نماز پر بطور ایک اصل تبلیغی جماعت نے اس لئے زور دیا ہے کہ اس کے اثرات انسان کی پوری زندگی پر حاوی ہیں۔ اس کے اثر سے جہاں انسان گناہ کے کام کرنے سے رک جاتا ہے (سورہ عنکبوت:45)، وہیں اللہ کے دیگر احکام کی ادائیگی کی جانب دلی آمادگی بھی پیدا ہوتی ہے۔ پھر کلمہ طیبہ کے اقرار کے بعد انسان سے جس کام کے کرنے کا مطالبہ سب سے پہلے ہے، وہ یہی نماز ہے۔ لہٰذا ایک کلمہ توحید کے مقر شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ نماز کی ہر اعتبار سے درستگی اور اصلاح کی کوشش کرے۔ ظاہری اعتبار سے بھی اور باطنی بنیادوں پر بھی۔ ظاہری اعتبار سے اپنی نماز درست کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نماز کے اندر جو چیزیں پڑھی جاتی ہیں مثلاً قرآن شریف، ثنا، تحیات، درود شریف، اور دعائے قنوت، ان کو خوب اچھی طرح درست کرلے، پھر نماز کی شرائط وارکان کی ادائیگی مکمل طور پر تو کرے ہی، ساتھ ہی سنن ومستحبات کی بھی اپنی نمازوں میں خوب پابندی کرے۔ اور باطنی طور پر اصلاح کا مطلب یہ ہے کہ جب نماز کے لئے نمازی کھڑا ہو تو کمال خشوع وخضوع کے ساتھ اس کی ادائیگی کرے، پورے طور پر اس کی توجہ اللہ تعالیٰ کی جانب ہو، اور وہ ہر طرح کے خیالات اور تفکرات سے خالی ہو۔

4.4.3 علم وذکر

تبلیغی جماعت کا تیسرا اصل یہ ہے کہ حصول علم اور ذکر اللہ کے لئے صبح اور شام میں کچھ وقت فارغ کیا جائے۔ بانی جماعت نے حصول علم کے باب میں عام لوگوں کے لئے اور اہل علم کے لئے الگ الگ نصاب بنایا ہے۔ عوام کے لئے جو نصاب مقرر کیا ہے وہ ہے فضائل نماز (شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ)، فضائل قرآن (شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ)، حکایات صحابہ (شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ)، فضائل ذکر (شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ)، جزاء الاعمال (مولانا اشرف علی تھانویؒ)، اگر قرآن پڑھنا نہ جانتا ہو تو اس کی تعلیم حاصل کرنا ضروری ہے۔ پھر اگر کوئی شخص صاحب علم ہو تو اس کے لئے کتاب الاعمال، کتاب العلم والاعتقادات یا کتاب السنۃ یا کتاب الجہاد، کتاب المغازی، کتاب الفتن، کتاب الرقاق، کتاب الامر بالمعروف وغیرہ کا مطالعہ کرتے رہنا ضروری ہے۔

بانی جماعت نے عمومی ذکر کے طور پر ہر شخص کے لئے جو نصاب مقرر کیا ہے ان میں کلمہ تمجید کی ایک تسبیح صبح میں اور ایک تسبیح شام میں، اسی طرح درود واستغفار کی دو دو تسبیحات صبح وشام میں، اور قرآن کریم کی تلاوت ذکر میں شامل ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص کسی شیخ کے ہاتھوں بیعت ہو تو اس کے کہے کے مطابق ذکر کا اہتمام کرے۔

4.4.4 اکرام مسلم

تبلیغی جماعت کی اس اصل کا تعلق حقوق العباد اور آداب واخلاق سے ہے۔ انسان سماج میں رہتا ہے، جس کی وجہ سے لوگوں پر ایک دوسرے کے حقوق اور ذمہ داریاں ہیں۔ ان کی ادائیگی لازمی اور ضروری ہے۔ اسی طرح بڑوں کا احترام وتوقیر، چھوٹوں سے شفقت ومحبت کا تعلق رکھنا بھی اس ضمن میں شامل ہے۔ اس اصل کی اہمیت اس اعتبار سے بھی ہے کہ جب کوئی شخص حقوق العباد کی ادائیگی کرتا ہے، اور اچھے اخلاق وکردار کا حامل ہوتا ہے، تو اس سے دین اسلام کی اشاعت ہوتی ہے۔ پھر مستقل طور پر ان اوصاف سے متصف ہونے اور حقوق وفرائض کی ادائیگی کا حکم بھی دیا گیا ہے۔ بانی جماعت اس باب میں فرماتے ہیں:

"اس کا خلاصہ ادائیگی حقوق ہے۔ ہر شخص کے ذمہ کچھ حقوق ہیں۔ ایک عمومی: ہر شخص کے ذمہ ہر مسلم کا نفس اسلام کی وجہ سے حق ہے۔ دوم خصوصی: خصوصیت کے اعتبار سے۔ مثلاً چھوٹا ہونا، اس کے حقوق خصوصی مثلاً شفقت، بڑا ہونا اس کا اس کی توقیر ہے اور قرابت کے حقوق ہیں۔ ہر ذی حق کے حق کو ادا کرنا۔ ان حقوق کی ادائیگی کو اشاعت دین کا وسیلہ بنایا جائے۔ مقصود نہ بنایا جائے۔" (افتخار فریدی، ارشادات ومکتوبات بانی تبلیغ حضرت مولانا شاہ الیاس، 109)

4.4.5 تصحیح نیت

کتاب وسنت میں نیت کی درستگی کی بڑی تعلیم دی گئی ہے۔ ان تعلیمات کا حاصل یہ ہے کہ کوئی بھی دینی کام، خواہ وہ کتنا ہی بڑا ہو اگر اس میں اللہ کی رضا کی نیت نہ ہو، لوگوں کو دکھانے کے لئے یا اپنی شہرت وغیرہ کے لئے ہو تو اس بڑے کام کے ذریعہ سے آخرت میں اسے کچھ بھی حاصل نہ ہو سکے گا۔ تبلیغی جماعت میں اسے بطور ایک اصل اپنے اصول میں رکھتے ہوئے یہ تعلیم دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ وہ جو بھی نیک عمل کرتے ہیں، خواہ وہ مستقل طور پر نماز، روزے اور دیگر عبادات ہوں یا اذکار اور تسبیحات، اگر ان میں نیت خالص نہ ہوئی تو یہ

سارے نیک اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ پھر اپنے دلوں میں نیتوں کی تصحیح کرنے کے مختلف طریقے بھی بتائے گئے ہیں، مثلاً یہ نیت کی جائے کہ میں یہ کام اللہ کی رضا کے لئے کر رہا ہوں، یا جنت حاصل کرنے کے لئے، یا آخرت کے خوف سے، یا جہنم سے بچنے کے لئے، یا محض اللہ کا حکم سمجھ کر عمل کر رہا ہوں۔ یہ سب اخلاص کے دائرہ میں داخل ہیں۔ اسی طرح نیک اعمال پر اللہ اور اس کے رسول نے جو وعدے اور بشارتیں دی ہیں ان کے شوق میں، یا برے اعمال پر جو وعیدیں سنائی گئی ہیں ان سے بچنے کے لئے جو بھی عمل کئے جائیں گے وہ بھی اخلاص نیت میں شامل ہوں گے۔ مولانا محمد الیاسؒ فرماتے ہیں:

"ان سب کاموں کو محض رضائے الٰہی خداوندی کے لئے کرنا اور اپنی اصلاح کے لئے کرنا۔ نظر کا کسی غیر کی طرف نہ جانا۔ اثر و نتیجہ کی طرف بھی ملتفت نہ ہونا۔" (ایضاً۔)

4.4.6 تبلیغ

یہ تبلیغی جماعت کی چھٹی اصل ہے۔ اس اصل کے تحت اس پر بہت زور دیا جاتا ہے کہ ہر شخص اسلامی تعلیمات اور اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچانے کے لئے اپنا کچھ وقت فارغ کرے، اور لوگوں سے ملاقاتیں کرے، جماعت کی شکل میں دوسرے علاقوں کا سفر کرے۔ ان تبلیغی اسفار اور جماعتوں کی مدّت تین دن، چالیس دن، چار ماہ اور ایک سال تک ہو سکتی ہے۔ یہ افراد اس دوران علاقے کی مسجد میں قیام کرتے ہیں۔

4.5 تبلیغی جماعت کے امیر

تبلیغی جماعت کا جب آغاز ہوا تھا تو عملی طور پر اس کے پہلے امیر مولانا محمد الیاس صاحب ہی تھے۔ ان کے تفصیلی حالات آپ اوپر پڑھ چکے ہیں۔ ان کے بعد تبلیغی جماعت کے جو دیگر امیر ہوئے ان کے حالات پر اختصار کے ساتھ ذیل میں روشنی ڈالی جا رہی ہے۔

4.5.1 مولانا محمد یوسف کاندھلوی (امیر ثانی)

آپ کی پیدائش 25/ جمادی الاولیٰ 1335ھ مطابق 20/ مارچ 1917ء کو ہوئی تھی۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ دس سال کی عمر تک قرآن کریم حفظ کر لیا تھا۔ صرف کی تقریباً ساری کتابیں والد صاحب سے پڑھیں۔ مولانا مقبول حسن گنگوہی سے فقہ پڑھی۔ 1351ھ میں مظاہر العلوم سہارنپور تشریف لے گئے اور ہدایہ ومیبذی وغیرہ وہاں پڑھیں۔ محض ایک سال کے اندر ہی آپ والد صاحب کے پاس لوٹ آئے اور ان سے مشکوٰۃ وجلالین کا درس لیا۔ پھر دوبارہ 1354ھ میں مظاہر العلوم سہارنپور گئے، ابھی صحاح ستہ کا کچھ حصہ ہی پڑھا تھا کہ والد صاحب کی خرابیٔ صحت کی وجہ سے واپس ان کے پاس لوٹ آئے، اور صحاح کا بقیہ حصہ اپنے والد صاحب سے پڑھا۔ آپ کو تصنیف وتالیف سے بھی خاص شغف تھا، چنانچہ آپ نے شرح معانی الآثار (مؤلفہ امام طحاوی) کی شرح "امانی" کے نام سے ایک جلد میں عربی زبان میں لکھی ہے، دوسری کتاب "حیاۃ الصحابہ" اردو زبان میں تین جلدوں پر مشتمل ہے، جن میں سے ہر ایک اوسطاً 850 صفحات پر محتوی ہے۔ یہ دونوں کتابیں آپ کی علمی یادگار ہیں۔

مولانا محمد یوسف جماعت کے کاموں میں شروع ہی سے والد صاحب کے ساتھ وابستہ رہے تھے۔ اس لئے انہیں جماعت کے کاموں میں والد صاحب کے طریقہ کار سے خوب آگاہی تھی، والد صاحب کی غیر موجودگی میں آپ ہی اس کی ساری سرگرمیوں کی نگرانی کرتے تھے، اور والد صاحب کے منشاء کے مطابق جماعت کے کاموں کو آگے بڑھاتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ بانی جماعت نے انتقال سے چند دنوں پہلے ہی اجازت وخلافت عطا فرمادی تھی، پھر 1363ھ /1944ء میں جب آپ کے والد صاحب کا انتقال ہوا تو لوگوں نے اتفاق رائے سے آپ کو اپنا امیر منتخب کر لیا تھا۔ آپ اپنی وفات (1384ھ /1965ء) تک امیر جماعت کے طور پر خدمات انجام دیتے رہے تھے۔

4.5.2 مولانا محمد انعام الحسن کاندھلوی (امیر ثالث)

آپ کی پیدائش کاندھلہ میں 18/ جمادی الاولیٰ 1336ھ مطابق 20/ فروری 1918ء کو ہوئی۔ حفظ قرآن اپنے وطن میں حافظ منگتو کی نگرانی میں کیا، پھر اپنے نانا سے بوستاں تک کی تعلیم پائی، بعد ازاں ابتدائی عربی کی تعلیم مدرسہ کاشف العلوم، نظام الدین، دہلی میں بانی جماعت مولانا محمد الیاس سے حاصل کی۔ 1351ھ میں مظاہر العلوم سہارنپور گئے۔ محض ایک سال کے اندر ہی مولانا محمد یوسف (امیر ثانی) کے ساتھ نظام الدین، دہلی لوٹ آئے اور مولانا الیاس سے مشکوٰۃ وجلالین پڑھیں۔ پھر 1354ھ میں مظاہر العلوم سہارنپور کا دوبارہ سفر ہوا، لیکن اس بار بھی صحاح ستہ کی تعلیم ادھوری رہی اور نظام الدین آکر انہیں مولانا محمد الیاس سے مکمل کیا۔

چونکہ بچپن ہی سے آپ کی رفاقت مولانا محمد یوسف کے ساتھ رہی تھی۔ تبلیغی کاموں میں بھی ان کے ساتھ تھے، اور برابر کا تجربہ بھی تھا۔ اس لئے اہل تبلیغ کے نزدیک مولانا محمد یوسف کے بعد سب سے مستند اور قابل اعتبار شخص مولانا محمد انعام الحسن ہی تھے۔ چنانچہ 1965ء میں جب مولانا محمد یوسف کی وفات ہوئی تو آپ کو امیر جماعت کے طور پر منتخب کیا گیا۔ آپ تاحیات اس منصب کی ذمہ داریاں انجام دیتے رہے۔ آپ کی وفات 10/ محرم 1416ھ مطابق 10/ جون 1995ء کو ہوئی۔

4.5.3 مولانا محمد اظہار الحسن، مولانا محمد زبیر الحسن، مولانا محمد سعد

مولانا محمد انعام الحسن کاندھلوی کی وفات سے قبل 1990ء میں ایک دس رکنی مجلس شوریٰ تشکیل دی گئی تھی جو دنیا بھر میں پھیلے تبلیغی جماعت کے کاموں کو باہمی مشورے سے انجام دیتی تھی۔ پھر جب جماعت کے تیسرے امیر مولانا انعام الحسن کا انتقال ہوا تو اسی مجلس شوریٰ نے اپنی ہی مجلس کے تین افراد پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی جو امیر جماعت کے قائم مقام ہو، اور مرکز نظام الدین کے ساتھ ہندوستان بھر میں تبلیغی جماعت کے انتظامی امور کو باہمی مشورے سے انجام دے۔ یہ کمیٹی جن تین افراد پر مشتمل تھی ان میں مولانا محمد اظہار الحسن، مولانا محمد زبیر الحسن، اور مولانا محمد سعد تھے۔ لیکن محض ایک سال کے بعد ہی 13/ اگست 1996ء کو مولانا محمد اظہار الحسن کی وفات ہو گئی۔ پھر 18/ مارچ 2014ء کو مولانا محمد زبیر الحسن کا بھی انتقال ہو گیا۔ اس دوران مجلس شوریٰ کے دیگر اراکین بھی یکے بعد دیگرے فوت ہوتے گئے۔ آخری رکن حاجی محمد عبد الوہاب کی وفات 18/ نومبر 2018ء کو ہو گئی۔ اس وقت مجلس شوریٰ کے اراکین میں سے صرف مولانا محمد سعد کاندھلوی باحیات ہیں۔

4.6 فرہنگ

منفعت بخش : فائدہ دینے والا، فائدہ مند

دامن گیر : ایسا خیال، شوق یا جذبہ وغیرہ جو کسی فعل پر ابھارے اور آمادہ کرے، اپنی جانب کھینچنے والا، متوجہ کرنے والا

صاحب فراش : وہ بیمار جو چلنے پھرنے کے قابل نہ ہو اور بستر پر لیٹا رہے

متضمن : شامل، مشتمل، مشمولہ، داخل

مقر : تسلیم کرنے والا، اعتراف کرنے والا، ماننے والا، اقراری، معترف، قائل

4.7 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- تبلیغی جماعت کا آغاز 1345ھ مطابق 1926ء میں میوات اور دہلی کے نواح میں ہوا تھا۔ اس کے بانی مولانا محمد الیاس کاندھلوی ہیں۔
- تبلیغی جماعت کے قیام کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ اسلام کے پورے نظام حیات کو ساری قوم پر برپا کر دیا جائے، اور اس کے مطابق امت مسلمہ اپنی زندگی گذارے۔
- تبلیغی جماعت کے کام کرنے کے چھ اصول ہیں جنہیں خود بانی جماعت نے مرتب کئے ہیں۔ وہ چھ اصول یہ ہیں: کلمہ طیبہ، نماز، علم وذکر، اکرام مسلم، تصحیح نیت، تبلیغ۔
- اس کے اولین امیر، بانی جماعت مولانا محمد الیاس تھے۔ پھر مولانا محمد یوسف کاندھلوی، مولانا محمد انعام الحسن کاندھلوی بالترتیب امیر ہوئے۔ بعد ازاں امیر کے طور پر شورائی نظام کو بروئے کار لایا گیا، اور اس کے لئے مولانا محمد انعام الحسن کے دور میں تشکیل دی گئی دس افراد پر مشتمل مجلس شوریٰ میں سے تین افراد کو مقرر کیا گیا، جن میں مولانا محمد اظہار الحسن، مولانا محمد زبیر الحسن اور مولانا محمد سعد شامل تھے۔

4.8 نمونہ امتحانی سوالات

4.8.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1. بانی تبلیغ جماعت کا تاریخی نام کیا تھا؟

(a). محمد الیاس (b). اختر الیاس (c). احمد الیاس (d). الیاس اختر

2. تبلیغی جماعت کا آغاز کس علاقہ سے ہوا؟

(a).نوح (b).میوات (c).لکھنؤ (d).مئو

3. تبلیغ کی پہلی جماعت کب نکلی تھی؟

(a).1933ء (b).1920ء (c).1926ء (d).1940ء

4. تبلیغی جماعت کے سالانہ اجتماعات کہاں ہوا کرتے تھے؟

(a).نوح (b).میوات (c).لکھنؤ (d).دہلی

5. درج ذیل میں سے تبلیغی جماعت کے اصولوں میں کیا شامل نہیں ہے؟

(a).نماز (b).اکرام مسلم (c).تبلیغ ودعوت (d).مشورہ

6. امیر ثالث مولانا انعام الحسن کاندھلوی کی امارت کا دورانیہ کیا تھا؟

(a).1970-1997ء (b).1960-1992ء (c).1965-1995ء (d).سب غلط

7. درج ذیل تبلیغی جماعت کے امیروں کی کون سی ترتیب درست ہے؟

(a). محمد الیاس، محمد انعام الحسن، محمد یوسف (b). محمد یوسف، محمد الیاس، محمد انعام الحسن

(c). محمد الیاس، محمد یوسف، محمد انعام الحسن (d).سب غلط

8. 1995ء میں تشکیل دی گئی سہ رکنی مجلس شوریٰ میں مولانا محمد اظہار الحسن اور مولانا محمد زبیر الحسن کے ساتھ تیسرے فرد کون تھے؟

(a). مولانا محمد سعد (b). مولانا محمد عمر پالن پوری (c). حاجی محمد عبد الوہاب (d). مفتی زین العابدین

9. عوام کے علم کے نصاب میں کیا داخل نہیں ہے؟

(a). فضائل نماز (b). حکایات صحابہ (c). قرآن کریم (d). کتاب الفتن کا مطالعہ

10. تبلیغی جماعت کے کل اصول کتنے ہیں؟

(a).آٹھ (b).چھ (c).پانچ (d).دس

4.8.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1. تبلیغی جماعت کے آغاز وارتقا پر گفتگو کیجیے۔
2. تبلیغی جماعت کے مقاصد پر روشنی ڈالیے۔
3. تبلیغی جماعت کے اصولوں میں سے کسی تین پر تعارفی نوٹ تحریر کیجیے۔
4. تبلیغی جماعت کے اجتماعات اور جلسوں کا جائزہ لیجیے۔

5. تبلیغی جماعت سے پہلے میوات کے دینی حالات کیا تھے؟ بیان کیجیے۔

4.8.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. بانی تبلیغی جماعت کے تفصیلی حالات قلم بند کیجیے۔
2. تبلیغی جماعت کے اصولوں پر ایک جامع مضمون لکھیے۔
3. تبلیغی جماعت کے امیروں پر ایک تجزیاتی نوٹ درج کیجیے۔

4.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت : مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ
2. ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ : مولانا محمد منظور نعمانیؒ
3. مکاتیب حضرت مولانا محمد الیاسؒ : مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ
4. ارشادات ومکتوبات بانی تبلیغ حضرت مولانا شاہ محمد الیاسؒ صاحب : افتخار فریدی
5. سوانح حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ : سید محمد ثانی حسنی

معروضی سوالات کے جوابات:

1. A	2. B	3.A	4. A	5.D
6.C	7.C	8.A	9.D	10. B

اکائی 5: جماعت اسلامی ہند

اکائی کے اجزا:

5.0 تمہید

5.1 مقاصد

5.2 جماعت اسلامی کا قیام اور اس کا تاریخی پس منظر

5.2.1 آزادی کے بعد جماعت اسلامی

5.3 بانی جماعت

5.4 جماعت اسلامی ہند

5.4.1 جماعت اسلامی ہند کا نصب العین

5.4.2 طریق کار

5.4.3 نظم جماعت

5.4.4 جماعت اسلامی ہند کی تعلیمی خدمات

5.4.5 جماعت اسلامی ہند کی رفاہی خدمات

5.4.6 ملکی و ملی مسائل میں جماعت اسلامی ہند کا موقف

5.5 فرہنگ

5.6 اکتسابی نتائج

5.7 نمونہ امتحانی سوالات

5.7.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

5.7.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

5.7.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

5.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

5.0 تمہید

بیسوی صدی کی شروعات میں مختلف تحریکیں منظر عام پر آئیں۔ جس میں سیاسی، علمی، دعوتی، فکری اور نظریاتی تحریکات شامل ہیں۔ جماعت اسلامی بھی اپنی اصل کے اعتبار سے نظریاتی، فکری اور تہذیبی تحریک ہے۔ اس دور میں جب کہ مغربی فکر وفلسفہ اور تہذیب وتمدن کا ہر سو غلبہ تھا۔ امت مسلمہ میں بھی کچھ ایسے لوگ منظر عام پر آئے جنہوں نے اسلامی تہذیب کی سچائی کو فکر وعمل کے ساتھ زمانے کے سامنے پیش کیا اور اسلامی فکر کو مرتب کرنے میں اپنا مثبت کردار ادا کیا۔ ان تحریکوں نے امت کے اندر دینی بیداری اور اسلامی سوجھ بوجھ پیدا کی اور بحیثیت امت ان تحریکوں کے قائدوں نے اسلام اور اسلامی سماج میں ایک نئی روح پھونکنے کی کوشش کی۔ انہی تحریکات میں ایک نام جماعت اسلامی کا ہے۔ جس کو سید ابوالاعلیٰ مودودی نے 1941ء میں قائم کیا۔ اس تحریک کا ماننا ہے کہ قرآن وسنت کی تعلیمات زندگی کے ہر گوشے میں عملی طور پر نافذ ہو اور پوری زندگی اسی کی رہنمائی کے مطابق گزاری جائے۔

5.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد ہے کہ آپ:

- جماعتِ اسلامی اور اس کے تاریخی پسِ منظر سے تفصیلی واقفیت حاصل کر سکیں۔
- ا اس جماعت کے بانی کی خدمات، اور جماعت کے نصب العین وطریقِ کار کو سمجھ سکیں۔
- آزادی کے بعد جماعتِ اسلامی ہند کے امراء اور اس کی تعلیمی ورفاہی خدمات کے بارے میں آگاہی حاصل کر سکیں۔

5.2 جماعت اسلامی کا قیام اور اس کا تاریخی پس منظر

بیسویں صدی میں برصغیر کی شخصیتوں کا احاطہ کریں تو بے شمار شخصیتوں نے اپنے کارناموں سے اسلامی سماج کو متاثر کیا۔ انہی شخصیتوں میں ایک نام سید ابوالاعلیٰ مودودی کا ہے جنہوں نے اسلامی، سماجی اور تربیتی پہلو سے امت مسلمہ کی خدمت کی۔ سید مودودی نے اپنے اطراف کا جائزہ لیا تو انہیں ہندوستان کی صورت حال بڑی تشویشناک دکھائی دی۔ آپ نے ترک قومیت اور عرب قومیت کا نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ خود ہندوستان کے اندر مسلمان اور ہندوؤں کے درمیان کھینچا تانی جاری تھی اور انگریزوں کے خلاف مخالفت بھی چل رہی تھی۔ مولانا کو اللہ نے بے شمار صلاحیتوں سے نوازا تھا، آپ نے ان صلاحیتوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی تحریر وتقریر کے ذریعہ لوگوں کے دلوں میں اپنی جگہ بنائی۔ آپ نے اپنی تحریروں سے ذہن سازی کی اور اپنے افکار ونظریات کو مجلات کے توسط سے فروغ دیا۔ آپ نے صحافت کو اپنا میدان بنایا اور اپنی صلاحیت کے بقدر باطل پروپیگنڈوں کے خلاف قلمی کوششیں شروع کیں۔ چنانچہ 1933 میں ترجمان القرآن کی ادارت سنبھالی اور ترجمان القرآن کے ذریعہ آپ نے مغربی مفکرین کے اسلام وعقائد پر اعتراضات کا علمی انداز میں جواب دیا۔

سرمایہ داری اور اشتراکیت کی صحیح تصویر سے روشناس کرایا اور علی الاعلان اس بات کا پرچم بلند کیا کہ تمام مسائل کا حل اسلامی تعلیمات میں پنہاں ہے۔ آپ نے اس بات پر بھی زور دیا کہ اسلام اور اس کی تعلیمات پر عمل کرنے والے قولی و عملی نمونہ دوسروں کے سامنے پیش کریں۔ حالات کتنے بھی ناموافق رہے ہوں لیکن سید مودودی نے اپنے مقاصد کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھا اور اپنے مضامین کے ذریعہ ہندوستان کے سیاسی مستقبل کے بارے میں گفتگو کرتے رہے۔ آپ نے ترجمان القرآن میں ہی مسلم لیگ پر تنقید کی کیوں کہ ان کے مقاصد کا بھی اسلامی تعلیمات سے خاطر خواہ تعلق نہیں تھا۔ آپ نے اس بات کی کوشش کی کہ لوگ اسلامی تعلیمات کی طرف رجوع کریں، اس پر عمل پیرا ہوں اور دوسروں کو اس سے واقف کرائیں۔ ایک ایمان والے شخص کے لیے یہ موزوں نہیں کہ وہ انگریزوں سے تو آزاد ہو جائے لیکن انسانی غلامی میں جکڑا رہے بلکہ اللہ کی غلامی قبول کرے۔ غرض آپ کی تحریروں سے اندرون وبیرون ملک کے علما و صلحا اور مفکرین کافی متاثر ہوئے۔

اصلاحی سرگرمیوں کو جاری رکھتے ہوئے سید ابوالاعلیٰ مودودی کو اس بات کا احساس ہوا کہ ایک جماعت کی تشکیل لازمی ہے۔ اپنی تحریروں کے ذریعہ جماعت کی تشکیل دینے کا راستہ آپ ہموار کر چکے تھے۔ اس سلسلے میں ان کے دوست واحباب اور برصغیر کے علما و مفکرین بھی کافی عرصے سے اصرار کر رہے تھے کہ وہ باقاعدہ طور پر ایک جماعت بنائیں۔ سید مودودی نے بھی محسوس کیا کہ اقامت دین کی کوشش اجتماعی طور پر شروع کی جاسکتی ہے کیوں کہ باطل نظریات و عقائد پر تنقید کے بعد تعمیری کام کی سعی کی جاسکتی ہے۔ مولانا نے ''دیوانوں کی ضرورت'' کے عنوان سے مسلمانوں کو پکارا۔ ملک کے 75 لوگوں نے 25/اگست 1941ء کو محلہ اسلامیہ پارک لاہور میں اکٹھا ہوئے اور جماعت اسلامی کی بنیاد ڈالی۔ باہمی صلاح و مشورے کے بعد سید ابوالاعلیٰ مودودی کو اس جماعت کا امیر منتخب کیا گیا۔ جماعت کے قائم ہونے کے بعد ایک تحریری دستور منظور ہوا اور دستور کے بموجب شوریٰ کا انتخاب عمل میں آیا اور شوریٰ کے اجلاس میں جماعت کے لائحہ عمل پر غور اور بحث مذاکرے کے بعد جماعت کے کاموں کو متعدد شعبوں کے تحت منظم کیا گیا۔ مثلاً شعبہ علمی و تعلیمی، شعبہ نشرواشاعت، شعبہ تنظیم جماعت، شعبہ مالیات، شعبہ دعوت و تبلیغ وغیرہ۔ جماعت اسلامی اپنے ارکان کی اخلاقی و روحانی تربیت پر خاص طور پر زور دیتی ہے۔ جماعت کا مرکز تربیتی نصاب تجویز کرتا ہے اور ملک بھر میں حلقہ دار اور سیاسی طور پر تربیتی کیمپ منعقد ہوتے ہیں۔ اس تربیتی نصاب میں قرآن وحدیث کے مطالعے پر اور انہیں جدید دور کی ضروریات پر منطبق کرنے پر سب سے زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ امیر جماعت کا انتخاب پانچ سال بعد باقاعدگی سے ہوتا ہے۔ انتخاب میں کوئی امیدوار نہیں ہوتا۔ بلکہ درحقیقت کسی شخص کی طرف سے اقتدار کی خواہش کا ذرا سا اظہار بھی اس کو مکمل طور پر نااہل قرار دیتا ہے''

5.2.1 آزادی کے بعد جماعت اسلامی

جس مقاصد کے تحت جماعت اسلامی روبہ عمل میں آئی وہ منزل کی طرف رواں دواں تھی کہ تاریخ نے ایسا دردناک انمٹ نقوش چھوڑے کہ ہندوستان دو ملکوں میں تقسیم ہو گیا دوسرے کا نام پاکستان رکھا گیا۔ جس کی وجہ سے جماعت اسلامی بھی دو حصوں میں بٹ گئی۔

حالات اتنے پیچیدہ ہوگئے کہ جماعت اسلامی کا نظام ایک ملک سے دونوں جگہ کے نظام کو سنبھال لے یہ ممکن نہ تھا۔ ملک کا بٹوارہ ہونے کے بعد دونوں ملکوں کی جماعت نے از سر نو اپنا جائزہ لیا اور دونوں جگہ کے لوگوں نے امیروں کا انتخاب کیا۔

جماعت اسلامی ہند اور جماعت اسلامی پاکستان۔ جماعت اسلامی ہند نے اپنا راستہ الگ کر لیا اور جماعت کے لوگوں نے اتفاق رائے سے الہ آباد کے اجتماع میں 1948ء کو مولانا ابو اللیث اصلاحی کو جماعت اسلامی ہند کا امیر منتخب کیا۔ شروع میں کچھ دنوں کے لیے جماعت کا مرکز سرائے میر (اعظم گڈھ) رہا کیوں کہ مولانا ابو اللیث اصلاحی مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے۔ 1948ء کے آخر میں جماعت کا مرکز سرائے میر سے ملیح آباد (لکھنو) میں قائم کیا گیا۔ پھر 1949ء میں اس مرکز کو رام پور منتقل کر دیا گیا۔ 1960ء میں جماعت کے مرکز کو دہلی کی حیثیت کو مد نظر رکھتے ہوئے یہاں پر منتقل کر دیا گیا۔ 1991ء میں اس مرکز کو جامعہ ابو الفضل انکلیو اوکھلا میں شفٹ کر دیا گیا۔

5.3 بانی جماعت

سید ابو الاعلیٰ مودودی 25 ستمبر 1903 کو اورنگ آباد (مہاراشٹر) میں پیدا ہوئے۔ سادات گھرانے سے آپ کا تعلق تھا۔ خواجہ قطب الدین مودودی (و:527ھ) معتبر بزرگ شمار کیے جاتے تھے۔ آپ کا خاندان چشت سے برصغیر میں پندرہویں صدی عیسوی میں آیا۔ آپ کے خاندان کا مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر (و:1898) کے دربار سے گہرا تعلق تھا۔ آپ کے والد سید احمد حسن جنہوں نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے F.A کی تعلیم مکمل کی اور الہ آباد سے وکالت کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد وکالت کو معاش کا ذریعہ بنایا۔ آخر میں اورنگ آباد کو جائے سکونت بنایا اور یہیں پر وکالت کی۔ لیکن بعد میں دین کا رجحان بڑھنے کی وجہ سے وکالت کے پیشے کو ترک کر دیا اور اپنے آبائی وطن دہلی منتقل ہو گیے۔

سید ابو الاعلیٰ مودودی نے ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی۔ اس کے بعد آپ کا مدرسہ فرقانیہ اورنگ آباد میں داخلہ ہوا جہاں عربی و انگریزی زبانوں پر دسترس حاصل کی۔ پڑھائی کے دوران آپ نے تحریری و تقریری مقابلوں میں بھی حصہ لیا۔ پندرہ سال کی عمر میں اپنی صحافتی زندگی کا آغاز کیا۔ انجمن نظر بندان اسلام کی طرف سے نکلنے والا اخبار "تاج" کی ادارت سنبھالی۔ سرکاری پالیسی کے خلاف ہونے کی وجہ سے یہ اخبار بہت زیادہ دنوں تک جاری نہ رہ سکا اور بند ہو گیا۔ 1920ء میں یہ اخبار دوبارہ شروع ہوا اور سید مودودی کو مدیر بنایا گیا لیکن کچھ مہینے بعد دوبارہ پابندی عائد کر دی گئی۔ اس کے بعد جمعیۃ علماء کے ترجمان "المسلم" (1921-1922) اخبار کے مدیر ہوئے۔ "المسلم" بند ہو گیا تو "الجمعیت" (1925-1928) کے مدیر بنائے گیے۔ شدھی تحریک کی پوری سازش اور اس کے خلاف مسلمانوں کے رد عمل کی وجہ سے غیر مسلم حضرات نے یہ مہم چھیڑ دی کہ قرآن اور اس کی تعلیمات امن اور سلامتی کے خلاف ہے۔ مولانا محمد علی جوہر کی جامع مسجد کی تقریر کو سن کر سید مودودی نے جہاد کے فریضہ پر کتاب لکھنے کا فیصلہ کیا اور نظریہ جہاد کے خلاف جو ہنگامہ اٹھا تھا اس پر "الجہاد فی الاسلام" تحریر کی۔ الجمعیت سے استعفی دینے کے بعد آپ حیدرآباد منتقل ہو گیے اور تصنیفی و تالیفی کام میں مشغول ہو گیے۔ رسالہ ترجمان القرآن جس کو ابو محمد مصلح نے شروع کیا تھا ان سے مالکانہ حقوق 1933ء میں حاصل کر کے اس کے مدیر ہو گیے اور اس ذمہ داری کو آپ نے آخری وقت

تک ادا کیا۔ یہ رسالہ مسلمانوں اور تحریک کے لیے مشعل راہ ثابت ہوا۔ برصغیر اور عالم اسلام اس سے فیض یاب ہوتا رہا۔

مارچ 1938ء میں علامہ اقبال کی خواہش پر آپ حیدرآباد سے پٹھان کوٹ منتقل ہو گیے، اسلامیہ کالج لاہور کی پروفیسری اعزازی طور پر قبول کی۔ 1940ء میں آپ نے اعزازی پروفیسری چھوڑ دی کیوں کہ کالج انتظامیہ سرکار سے خوفزدہ تھا اور آپ نے تذبذب کو دیکھتے ہوئے الوادع کہہ دیا۔ اگلے سال 1941ء میں جماعت اسلامی کی بنیاد ڈالی۔ فروردی 1942ء سے تفہیم القرآن لکھنا شروع کیا جو رسالہ ترجمان القرآن میں قسط وار شائع ہوتا رہا۔ جون 1942ء میں ہی پٹھانکوٹ کے قریب جمال پور میں جماعت اسلامی کا مرکز دارالاسلام کے نام سے قائم کیا۔

مولانا مودودی زندگی بھر دین کے غلبے کے لیے کوشاں رہے اور اس کے لیے مختلف کوششیں کیں۔ آپ نے کئی اہم موضوعات پر قلم کو جنبش دی اور قرآن، حدیث وفقہ، دعوت و تبلیغ، تاریخ وافکار، عبادات و قوانین، معاشی و معاشرت، سیاست وسیادت وغیرہ اہم عنوانات پر آپ نے کتابیں تصنیف کیں۔ آپ کی مشہور کتابوں کے تراجم دنیا کی مختلف زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ آپ کی کتاب "دینیات" کا ترجمہ تقریباً 36 زبانوں میں ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے خلافت وملوکیت، پردہ، سرور عالم، الجہاد فی الاسلام، مسئلہ قومیت اور مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش وغیرہ جیسے موضوعات پر قابل قدر تحریری سرمایہ چھوڑا۔ تقاریر، مکتوبات، استفسارات، تراجم اور صحافت کے ذریعہ اردو زبان کو جدید علم کلام سے مالا مال کیا۔ مولانا مودودی کی تحریروں کو عربی، انگریزی، ترکی، فارسی، ہندی، جرمن، تمل اور بنگالی وغیرہ زبانوں میں منتقل کیا جا چکا ہے۔

5.4 جماعت اسلامی ہند

مولانا ابواللیث اصلاحی کے امیر بننے کے بعد ملک کو کئی حلقوں میں بانٹا گیا اور ہر حلقہ میں ایک قیم مقرر کیا گیا جس کے ذمہ اپنے حلقہ میں جماعت کے کام کو آگے بڑھانا تھا۔ ہندوستان پاکستان کے بٹوارے کے بعد جماعت اسلامی ہند کے پاس صرف مولانا مودودی کا دستاویزی اثاثہ موجود تھا، اس کے علاوہ جماعت کو نئے سرے سے اپنے مرکز، نصب العین، سرگرمیاں اور مقاصد کو پروان چڑھانا تھا۔ ہندوستان کے اس وقت کے تناظر میں دیکھا جائے تو یہ راہ کانٹوں بھری نظر آتی تھی، جماعت کا کام بالکل ابتدا سے شروع ہوا، 1948ء کی فرقہ وارانہ فضا میں جب جماعت پر مسلمان اور غیر مسلم دونوں طرف سے الزام کی بوچھار لگ رہی تھی تو مولانا ابواللیث ندوی نے صبر و تحمل کے ساتھ سب کچھ برداشت کرتے ہوئے جماعت کے کارواں کو آگے بڑھاتے رہے۔ مولانا لگاتار 24 سال تک 1948 تا 1972 جماعت کے امیر رہے، اکتوبر 1981 سے لے کر 1990 تک پھر جماعت کی امارت آپ کے کندھوں پر آگئی۔ اس کے بعد مولانا نے معذرت کرلی۔ تقریباً 34 سال تک آپ جماعت کے امیر رہے اس دوران آپ نے جماعت کو ہر جہت سے قوت فراہم کی۔ مولانا نے ایک طرف ملی اتحاد واتفاق کے لیے ہر طرح کی کوشش کی تو دوسری طرف ملکی سالمیت اور قومی یکجہتی کو فروغ دینے کے لیے بھی ممکنہ وسائل کا استعمال کیا۔ جماعت نے فسادات، قحط اور سیلاب کے نازک مواقع پر خلق خدا کی راحت کے لیے جو قابل قدر خدمات انجام دی ہے اور آج تک رفاہی کام میں جو کوششیں کر رہی ہے وہ اس کو دوسری جماعتوں سے ممتاز کرتی ہیں۔ مولانا کو اپنی زندگی میں کئی بار جیل کی بامشقت صعوبتیں بھی برداشت کرنی پڑیں

لیکن مولانا کے ارادے کے سامنے ساری مشکلات ہیچ تھیں۔ مولانا کی وفات 5/ دسمبر 1990ء کو ہوئی۔ اس جماعت کے دوسرے امیر محمد یوسف صاحب منتخب کیے گیے۔ 1972-1981ء تک یعنی دو میقات تک اس عہدے پر فائز رہے۔ اس جماعت کے تیسرے امیر محمد سراج الحسن جن کو 1990ء میں جماعت اسلامی ہند کی امارت سونپی گئی اور 2003ء تک آپ نے بخوبی اس فرض کو نبھایا۔ چوتھے امیر ڈاکٹر عبد الحق انصاری صاحب منتخب ہوئے۔ آپ نے 2003ء تا 2007ء تک اس ذمہ داری کو ادا کیا۔ پانچویں امیر مولانا سید جلال الدین عمری 2007ء تا 2019ء تک اپنی خدمات انجام دی۔ 2019ء تا حال چھٹے امیر کی حیثیت سے سید سعادت اللہ حسینی ہیں۔ جماعت اسلامی ہند طلبہ کی تنظیم کے لیے ایس۔ آئی۔ او (اسٹوڈنٹس اسلامک آرگنائزیشن آف انڈیا 1982ء میں قائم کی گئی) اور طالبات کے لیے جی۔ آئی۔ او (گرلس اسلامک آرگنائزیشن آف انڈیا 1984ء میں قائم کی گئی) کی سرپرستی کرتی ہے۔

جماعت اسلامی ہند نے آزادی کے بعد اپنے دستور میں مختلف تبدیلیاں کیں۔ اپریل 2011ء تک ترمیم شدہ دستور جماعت اسلامی ہند میں کل 75 دفعات کا ذکر ہے اور یہ دستور پانچ حصوں پر مشتمل ہے۔

حصہ اول: عقیدہ، نصب العین اور طریق کار

حصہ دوم: جماعت کی رکنیت

حصہ سوم: نظام جماعت

حصہ چہارم: مالیات

حصہ پنجم: متفرقات

5.4.1 جماعت اسلامی ہند کا نصب العین

جماعت اسلامی کا نصب العین اقامت دین ہے، جس کا حقیقی محرک صرف رضائے الٰہی اور فلاح آخرت کا حصول ہے۔

اس دفعہ کی تشریح میں اقامت دین سے کیا مراد ہے۔ دستور میں اس کی ترجمانی موجود ہے ملاحظہ کریں:

اقامت دین میں لفظ "دین" سے مراد وہ دین حق ہے جسے اللہ رب العالمین اپنے تمام انبیاء کے ذریعے مختلف زمانوں اور ملکوں میں بھیجتا رہا ہے اور جسے آخری اور مکمل صورت میں تمام انسانوں کی ہدایت کے لیے اپنے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے نازل فرمایا اور جو اب دنیا میں ایک ہی مستند، محفوظ اور عند اللہ مقبول دین ہے اور جس کا نام "اسلام" ہے۔ یہ دین انسان کے ظاہر و باطن اور اس کی زندگی کے تمام انفرادی و اجتماعی گوشوں کو محیط ہے۔ عقائد، عبادات اور اخلاق سے لے کر معیشت، معاشرت اور سیاست تک انسانی زندگی کا کوئی شعبہ بھی ایسا نہیں ہے جو اس کے دائرے سے خارج ہو۔ (دستور جماعت اسلامی ہند، دفعہ 4، ص 7)

5.4.2 طریق کار

اپنے مقاصد کی حصولیابی کے لیے جماعت اسلامی ہند کا طریق کار حسب ذیل ہو گا۔

1. قرآن وسنت جماعت کی اساس کار ہوں گی۔ دوسری ساری چیزیں ثانوی حیثیت سے صرف اسی حد تک پیش نظر رکھی جائیں گی، جس حد تک قرآن وسنت کی رو سے ان کی گنجائش ہو۔
2. جماعت اپنے تمام کاموں میں اخلاقی حدود کی پابند ہو گی اور کبھی ایسے ذرائع اور طریقے استعمال نہ کرے گی، جو صداقت و دیانت کے خلاف ہوں یا جن سے فرقہ وارانہ منافرت، طبقاتی کشمکش اور فساد فی الارض رونما ہو۔
3. جماعت اپنے نصب العین کے حصول کے لیے تعمیری اور پر امن طریقے اختیار کرے گی۔ یعنی وہ تبلیغ و تلقین اور اشاعت افکار کے ذریعے ذہنوں اور سیرتوں کی اصلاح کرے گی اور اس طرح ملک کی اجتماعی زندگی میں مطلوبہ صالح انقلاب لانے کے لیے رائے عامہ کی تربیت کرے گی۔ (دستور جماعت اسلامی، ص8)

5.4.3 نظم جماعت

جماعت اسلامی ہند کا نظام شورائیت پر مبنی ہے اور تمام کام باہم صلاح و مشورے سے انجام پاتے ہیں۔ مرکزی نظام ان اجزا پر مشتمل ہو گا۔ مجلس نمائندگان، امیر جماعت، مرکزی مجلس شوریٰ، قیم جماعت۔ دستور میں مجلس نمائندگان اور دیگر ذمہ داریوں کے لیے کن صفات کا حامل ہونا ہے اس کی کارکردگی، اختیارات، فیصلے کے طریقے اس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ امیر جماعت کی حیثیت کو واضح کرتے ہوئے دفعہ 22 میں درج ہے: "جماعت اسلامی ہند کا ایک امیر ہو گا، جس کی حیثیت بہ اصطلاح معروف "امیر المومنین" کی نہ ہو گی بلکہ صرف اس جماعت کے رہنما کی ہو گی۔ ارکان جماعت اس کی اطاعت فی المعروف کے پابند ہوں گے۔ جماعت کی دعوت اپنے امیر کی شخصیت یا امارت کی طرف نہ ہو گی۔ بلکہ اپنے عقیدے اور نصب العین کی طرف ہو گی۔" امارت کے لیے مطلوبہ صفات، انتخاب، مدت کارکردگی اور فرائض و اختیارات پر گفتگو کی گئی ہے۔ مرکزی مجلس شوریٰ کی حیثیت امیر جماعت کی مدد اور مشورے کے لیے ہو گی۔ امیر جماعت ان سے اہم معاملات میں مشورہ طلب کرے گا، جن کا جماعت کی پالیسی یا اس کے نظم پر قابل لحاظ اثر پڑتا ہے۔ اس کی تشکیل، رکنیت کے لیے مطلوبہ صفات، مدت کارکردگی، اجلاس، حاضری کا نصاب، کاروائی، فیصلے کا طریقہ اور غیر ارکان شوریٰ کی شرکت پر بحث کی گئی ہے۔ قیم جماعت کا تقرر امیر جماعت کرے گا اور اس کی تقرری کے سلسلے میں امیر جماعت مجلس شوریٰ کے ارکان کی رایوں کو بھی مد نظر رکھے گا۔ قیم جماعت کے لیے مطلوبہ صفات اور اس کے فرائض کی دستور میں نشاندہی کر دی گئی ہے۔

5.4.4 جماعت اسلامی ہند کی تعلیمی خدمات

جماعت اسلامی نے تعلیم اور نصاب پر بہت زیادہ کوشش کی ہے۔ جماعت اسلامی نے شروعاتی دور سے ہی ایک تھنک ٹینک کو تشکیل دے رکھا ہے جو مسلمانوں کی صورتحال کا جائزہ لیتا رہتا ہے اور اس کے مطابق لائحہ عمل تیار کرتا ہے۔ مولانا مودودی نے جماعت اسلامی ہند کے ذریعہ لوگوں کو اسلامی تعلیمات کی طرف متوجہ کیا، سید مودودی نے ہر اس موضوع پر کھل کر بحث کی جو مذہبی طبقہ کی نظر میں بحث کا موضوع نہیں تھا، سیاسی اسلام، سماجی اسلام، معاشی اسلام، اسلامی تہذیب و ثقافت، وغیرہ۔ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات کا نام ہے۔ مولانا مودودی نے سیاسی اور مذہبی لیڈروں کے درمیان مساوات قائم کرنے کی کوشش کی۔ جماعت اسلامی کی سب سے بڑی خدمات موجودہ

اسلامی وسائل کو مقامی زبانوں میں منتقل کرنا۔ ہندوستان ایک ایسا تکثیریت والا ملک ہے جہاں زبانوں کی بھرمار ہے۔ اسٹیٹ کے تبدیل ہوتے ہی بسا اوقات اسٹیٹ کے اندر ہی یہ تبدیلی آپ محسوس کرسکتے ہیں۔ اسی کے مد نظر جماعت اسلامی نے بنیادی اسلامی لٹریچر کو مقامی زبانوں میں منتقل کرنے کا بیڑہ جو اٹھایا ہے وہ قابل تعریف ہے۔ شعبہ علمی و تعلیمی کے نام سے جو شعبہ قائم کیا گیا اس کی ذمہ داری یہ تھی کہ:

''اسلام کے نظام فکر اور نظام حیات کا اس کے مختلف فلسفیانہ علمی اور تاریخی پہلو میں گہرا تفصیلی مطالعہ کرے۔ دوسرے نظام فکر و عمل پر بھی وسیع تنقیدی و تحقیقی نظر ڈالے اور اس کے نتیجے میں ایسا لٹریچر تیار کرے جو صرف اسلامی اصولوں پر ذہنی و فکری انقلاب برپا کرنے والا ہو۔''

جماعت اسلامی ہند اپنی تشکیل کے ساتھ ہی نئے نظام تعلیم و تربیت کے لیے بھی کوشاں ہوگئی اور شروع سے ہی اس پر توجہ دی۔ اس کے لیے ملک کے مختلف مقامات پر درس گاہیں قائم کی گئیں، اسی کے تحت 1949 میں رام پور میں درس گاہ قائم کی گئی۔ حالات کے تناظر میں نصاب کو تشکیل دیا گیا۔ جماعت نے اداروں کے قیام اور درسیات کی تیاری میں قابل قدر کوششیں کیں۔ 1972ء میں مرکزی درس گاہ کے انتظام کو جماعت اسلامی ہند نے ''اشاعت اسلام ٹرسٹ دہلی'' کے ماتحت کر دیا۔ 1981ء میں اس ''درس گاہ'' کا نام ''مرکزی درس گاہ اسلامی'' قرار دیا گیا۔ 1988ء میں اشاعت اسلام ٹرسٹ نے مقامی مجلس منتظمہ بنائی اور اس کے پہلے صدر جناب توسل حسین صدیقی (و:1993ء) بنائے گیے۔ اس کے بعد مولانا محمد یوسف اصلاحی (و:2021) کو یہ ذمہ داری سونپی گئی۔

جماعت نے جہاں تعلیم و تربیت اور درسی کتابوں کی تیاری پر اپنی توجہ مرکوز کی وہیں دوسری طرف اساتذہ کی دینی، فکری اور فنی رہنمائی کی طرف بھی خصوصی توجہ دی۔ شروعاتی دور میں اساتذہ کے لیے تین مہینے کی ٹریننگ رکھی گئی لیکن بعد میں اسے ایک مہینے میں تبدیل کر دیا گیا۔ 1990ء میں مرکز میں شعبہ تعلیم کا ڈیپارٹمنٹ قائم کیا گیا تو یہ کام اور بہتر طریقے سے انجام پانے لگا۔ ان لوگوں کی مصروفیات کا خیال کرتے ہوئے جن کے لیے ایک مہینہ کی ٹریننگ کرنا مشکل تھا تو دس روزہ، ہفت روزہ، اور کم از کم سہ روزہ ٹریننگ کا خاکہ تیار کیا گیا۔ 2019ء میں جماعت نے تعلیمی میدان کے کاموں میں وسعت لانے کے لیے ''مرکزی تعلیمی بورڈ'' قائم کیا ہے۔ جو درسیات پر نظر ثانی، تعلیمی اداروں کی رہنمائی اور حکومت کی تعلیمی پالیسی پر نظر جیسے اہم کام انجام دے رہی ہے۔ اس کے علاوہ جماعت اسلامی ہند نے ہندوستان کی مختلف زبانوں میں اخبارات و رسائل نکالے جو آج تک پابندی سے شائع ہو رہے ہیں۔

جماعت اسلامی ہند کی ایک اچھی پہل یہ ہے کہ اس نے اسلامک اسٹڈیز کا ایک انسٹی ٹیوشین قائم کیا ہے جو ''انڈین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز اینڈ ریسرچ سینٹر'' کے نام سے مشہور و معروف ہے یہ شعبہ 2016ء میں قائم کیا گیا اس کا مقصد مدارس اور کالجز کے جو باصلاحیت لوگ ہیں ان کے اندر ایک معیاری تعلیم کا بیج بویا جائے جو بیک وقت دینی و عصری دونوں علوم میں رہنمائی کر سکیں۔ مسلم سماج کے اندر تعلیم کے معیار کو بلند کیا جائے اور جو بھی امکانات ہوسکتے ہیں اس کو بہتر بنایا جائے۔ اس اکیڈمی کا مقصد ہندوستانی معاشرے، مذاہب، ثقافت، روایات، تاریخ اور تقابلی ادیان کی سمجھ طلبا کے اندر ابھاری جائے۔ اس میں انگریزی زبان کے ساتھ عصری علوم سیاسیات، معاشیات، لسانیات اور نفسیات جیسے علوم کو مدارس کے طلبہ کے درمیان فروغ دیا جائے۔ اردو، ہندی اور انگریزی میں صلاحیت کو پروان

چڑھانے کے لیے ہفتہ واری پروگرام، گروپ ڈسکشن، سیلف اسٹڈی وغیرہ۔ اس انسٹی ٹیوشن کے تحت تین کورس فی الحال چل رہے ہیں۔(1) دوسالہ ایڈوانسڈ ڈپلومہ تقابل ادیان وتہذیب(2) دوسالہ پوسٹ گریجویٹ ڈپلومہ ان اسلامک تھاٹ اینڈ سینٹر (3) ایک سالہ ڈپلومہ ان اسلامک ڈسکورس۔ اس میں اسلامی مفکرین کے ساتھ مغربی مفکرین کی آراء سے بھی روشناس کرایا جاتا ہے۔

5.4.5 جماعت اسلامی ہند کی رفاہی خدمات

جماعت اسلامی ہند نے اپنے رکن کو اس بات کی ہدایت دی ہے کہ وہ اپنے پاس پڑوس کے محتاج، کمزور اور لاچار لوگوں کی امداد کریں۔ جیسا کہ اسلامی تعلیمات کا تقاضا ہے۔ اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ انسان وہ ہے جو اللہ کی مخلوقات کے ساتھ حسن سلوک کا رویہ اختیار کرے۔ خدمت خلق اور رفاہ عامہ کے کاموں میں جماعت کے کارکن بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ جماعت کے رفقانے زلزلہ، سیلاب اور فسادات جیسے رونما ہونے والے حادثات پر بڑے پیمانے پر امداد کا کام کیا ہے۔ ان کارکنوں نے بلا تفریق مذہب وملت مصیبت زدہ لوگوں کی خدمات کی ہیں۔ عام چندہ کے ذریعے رقم اور ضرورت کا سامان اکٹھا کر کے ایک بہتر طریقے سے ریلیف کا کام کرتی ہے۔ 1948ء میں ملک کے اکثر وبیشتر علاقوں میں بارش کے قہر کی وجہ سے کافی نقصان ہوا جس میں بالخصوص اتر پردیش کا علاقہ زیادہ متاثر ہوا اور لاکھوں افراد بے گھر ہو گیے۔ جماعت اسلامی نے اس نازک موقع پر حتی الامکان ریلیف کی خدمات انجام دی۔

1967ء میں خشک سالی کے سبب بہار، مشرقی یوپی اور مدھیہ پردیش کے وسیع علاقوں میں شدید قحط پڑ گیا تھا۔ اس عام مصیبت میں خلق خدا کے ساتھ مواساۃ وتعاون کے جذبہ کے تحت جماعت اسلامی نے پورے ملک میں مہم چلا کر ڈھائی لاکھ روپے نقد اور بڑی تعداد میں دوائیں، کپڑے اور غلہ جمع کیا۔ چندہ دینے والوں میں غیر مسلم حضرات بھی شامل تھے۔ اس رقم کے ذریعہ جماعت نے ان علاقوں میں امدادی کیمپ قائم کر کے بلا تفریق مذہب وملت قحط زدگان کی امداد کا کام انجام دیا۔

5.4.6 ملکی وملی مسائل میں جماعت اسلامی ہند کا موقف

ہندوستان میں اسلام کی دعوت کو قبولیت ملنے کا دارومدار بڑی حد تک اس پر ہے کہ مسلمان بذات خود فکر وعمل سے اسلامی تعلیمات کا نمونہ بن جائیں۔ اپنی معاشرتی زندگی، باہمی معاملات اور دوسرے گروپوں کے سامنے اپنے مراسم کو اسلام کے بتائے ہوئے راستے کے مطابق ڈھال لیں اور اسلام کا قولی وعملی نمونہ پیش کریں تو اس ملک کے اجتماعی حالات پر اس کے گہرے اثرات مرتب ہوسکتے ہیں۔ جماعت اسلامی ہند اس بات کے لیے کوشاں ہے کہ دعوت، اصلاح اور تربیت کے ذریعہ ملت اسلامیہ ہند کو اس موقف پر لا کھڑا کرے، جہاں سماج کی صورت حال میں تبدیلی واقع ہو۔ اس ملک میں مسلمانوں کے تئیں کچھ مسائل جن کا تدراک جماعت اسلامی ہند چاہتی ہے اور اس کی نشاندہی بھی کی ہے۔

پہلا مسئلہ تحفظ جان ومال جس کے بارے میں جماعت اسلامی ہند اپنے کارکنوں کو ہدایت دیتی ہے کہ فرقہ وارانہ فساد سے دور رہیں اور سماج میں امن وامان قائم رکھنے کے لیے غیر مسلم عوام سے رابطہ رکھیں۔ غلط فہمیوں کا سدباب کریں اور افواہوں کا بازار گرم نہ ہونے دیں۔ اگر ماحول خراب ہو جائے تو کوشش کریں کہ ہر گروہ کے امن پسند لوگوں کی مدد سے امن کو قائم کیا جائے اور مظلوموں کا سہارا بنا

جائے۔ اس کے حصول کے لیے جماعت اسلامی نے نظم و اتحاد پر زور دیا ہے۔ وقت کا سب سے اہم اور سنگین مسئلہ ہے۔ ہندوستان میں آزادی کے بعد سے نہ جانے کتنے فسادات ہوئے اور اس میں امت مسلمہ کو کافی زیادہ جانی اور مالی نقصان اٹھانا پڑا ہے۔

دوسرا مسئلہ مسلمانوں کو اسلامی تعلیم حاصل کرنا اور اپنی آئندہ نسلوں کی اسلامی تعلیم و تربیت کا اہتمام کرنا۔ جماعت اسلامی ہند کا موقف یہ رہا ہے کہ ابتدائی دینی تعلیم ملت اسلامیہ کو خود کرنا ہے۔

تیسرا مسئلہ اردو زبان کا ہے کہ اگر ہندوستان کے مسلمانوں کو اس زبان سے محروم ہونا پڑے تو وہ اسلامی تعلیمات کے اس سرمایے سے بے گانہ ہو جائیں گے کیوں کہ ملک کی ایک کثیر آبادی کی ثقافتی اور تعلیمی مفادات اس زبان سے جڑے ہوئے ہیں۔ اسی وجہ سے جماعت اسلامی ان کوششوں کی تائید و حمایت کرتی ہے جو اردو کو جائز مقام دلوانے کے لیے سرگرم ہیں۔

چوتھا اہم مسئلہ مسلم پرسنل لاء اور اس کا تحفظ ہے۔ ہندوستانی دستور میں اسلامی قوانین پر جو آسانی دستور کی روح سے ملی ہے۔ حکومت یا کوئی گروپ اس میں مداخلت کر کے ترمیم کرنا چاہتی ہے تو جماعت اسلامی اس کی مخالفت کرتی ہے اور مسلم پرسنل لا کی بقا کی کوشش کرتی ہے۔ مسلم پرسنل لا کے تحفظ اور حکومت کی دخل اندازیوں سے بچانے کے لیے تحریک اسلامی برابر چوکنی رہتی ہے اور اس کے مخالف کسی بھی سرگرمی کو دیکھا یا نوٹس کیا تو فوراً تحریک اسلامی اس پر اپنے احتجاجات درج کرواتی ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سارے مسائل سے امت مسلمہ دوچار ہے جس میں دن بہ دن اضافہ ہو رہا ہے۔

دعوتی مشن کی تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ امت مسلمہ اسلامی بنیادوں اور اس کے مقاصد کے لئے یکجا ہو کر کوشش کریں۔ جتنے مسائل کا ذکر کیا گیا ہے اس کے حل اور تجاویز کے لیے ضروری ہے کہ مسلمانوں کی جتنی بھی جماعتیں اور گروہ ہیں وہ باہمی تعاون سے مناسب تدابیر عمل میں لائیں۔ 1964ء میں لکھنو کنونشن نے اس سلسلے میں ایک قدم اٹھایا اور مسلم مجلس مشاورت کا قیام عمل میں آیا۔ اس مجلس کے ساتھ جماعت اسلامی پوری سرگرمی کے ساتھ شریک رہی۔

5.5 فرہنگ

ادارت : اخبار یا رسالے کی ترتیب، تصحیح کرنا، ایڈیٹری

لائحہ عمل : کام کرنے کا پروگرام

استفسارات : سوال و جواب، پوچھ گچھ

ہیچ : معمولی، ادنی، کم حیثیت

اساس : بنیاد، مدار، انحصار

مواساۃ : مدد کرنا، دکھ درد میں شریک ہونا

5.6 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- 25/اگست 1941ء کو محلہ اسلامیہ پارک لاہور میں جماعت اسلامی کی بنیاد ڈالی گئی۔ باہمی صلاح ومشورے کے بعد سید ابوالاعلیٰ مودودی کو اس جماعت کا امیر منتخب کیا گیا۔ جماعت کے قائم ہونے کے بعد ایک تحریری دستور منظور ہوا اور دستور کے بموجب شوریٰ کا انتخاب عمل میں آیا اور شوریٰ کے اجلاس میں جماعت کے لائحہ عمل پر غوروخوص اور بحث مذاکرے کے بعد جماعت کے کاموں کو متعدد شعبوں کے تحت منظم کیا گیا۔
- جماعت اسلامی ہند اور جماعت اسلامی پاکستان۔ جماعت اسلامی ہند نے اپنا راستہ الگ کر لیا اور جماعت کے لوگوں نے اتفاق رائے سے الہ آباد کے اجتماع میں 1948ء کو مولانا ابواللیث اصلاحی کو جماعت اسلامی ہند کا امیر منتخب کیا۔
- جماعت اسلامی ہند کا نظام شورائیت پر مبنی ہے اور تمام کام باہم صلاح ومشورے سے انجام پاتے ہیں۔ مرکزی نظام ان اجزا پر مشتمل ہوگا۔ مجلس نمائندگان، امیر جماعت، مرکزی مجلس شوریٰ، قیم جماعت۔ دستور میں مجلس نمائندگان اور دیگر ذمہ داریوں کے لیے کن صفات کا حامل ہونا ہے اس کی کارکردگی، اختیارات، فیصلے کے طریقے اس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔
- جماعت اسلامی کی سب سے بڑی خدمات موجودہ اسلامی وسائل کو مقامی زبانوں میں منتقل کرنا۔ ہندوستان ایک ایسا تکثیریت والا ملک ہے جہاں زبانوں کی بھرمار ہے۔ اسٹیٹ کے تبدیل ہوتے ہی بسا اوقات اسٹیٹ کے اندر ہی یہ تبدیلی آپ محسوس کر سکتے ہیں۔ اسی کے مدنظر جماعت اسلامی نے بنیادی اسلامی لٹریچر کو مقامی زبانوں میں منتقل کرنے کا بیڑہ جو اٹھایا ہے وہ قابل تعریف ہے۔
- جماعت اسلامی ہند کی ایک اچھی پہل یہ ہے کہ اس نے اسلامک اسٹڈیز کا ایک انسٹی ٹیوشین قائم کیا ہے جو ''انڈین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز ریسرچ سینٹر'' کے نام سے مشہور ومعروف ہے یہ شعبہ 2016ء میں قائم کیا گیا اس کا مقصد مدارس اور کالجز کے جو باصلاحیت لوگ ہیں ان کے اندر ایک معیاری تعلیم کا بیج بویا جائے جو بیک وقت دینی وعصری دونوں علوم میں رہنمائی کر سکیں۔
- جماعت اسلامی ہند نے اپنے رکن کو اس بات کی ہدایت دی ہے کہ وہ اپنے پاس پڑوس کے محتاج، کمزور اور لاچار لوگوں کی امداد کریں۔ جیسا کہ اسلامی تعلیمات کا تقاضا ہے۔ اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ انسان وہ ہے جو اللہ کی مخلوقات کے ساتھ حسن سلوک کا رویہ اختیار کرے۔ خدمت خلق اور رفاہ عامہ کے کاموں جماعت کے کارکن بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔

5.7 نمونہ امتحانی سوالات

5.7.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1. جماعت اسلامی کی بنیاد کب ڈالی گئی؟

(a).1941ء (b).1947ء (c).1992ء (d).1841ء

2. جماعت اسلامی کے بانی کون ہیں؟

(a).سید ابوالاعلیٰ مودودی (b).حسین احمد مدنی (c).حاجی شریعت اللہ (d).ابوالحسن علی ندوی

3. جماعت اسلامی ہند کے پہلے امیر کون تھے؟

(a).مولانا ابواللیث ندوی (b).سید جلال الدین عمری (c).صدرالدین اصلاحی (d).ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی

4. جماعت اسلامی ہند کے موجودہ امیر کا نام بتائیں؟

(a).مولانا ابواللیث ندوی (b).سید جلال الدین عمری (c).صدرالدین اصلاحی (d).سید سعادت اللہ حسینی

5. مسلم مجلس مشاورت کا قیام کب عمل میں آیا؟

(a).1964ء (b).1952ء (c).1950ء (d).1991ء

6. انڈین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز اینڈ ریسرچ سینٹر کب قائم کیا گیا؟

(a).2016ء (b).2020ء (c).2008ء (d).2005ء

7. اسٹوڈنٹس اسلامک آرگنائزیشن کا قیام کب ہوا؟

(a).1984ء (b).1982ء (c).1972ء (d).سب غلط

8. جماعت کا مرکزی دفتر اوکھلا میں کب شفٹ کیا گیا؟

(a).1991ء (b).2016ء (c).1981ء (d).1948ء

9. کیا جماعت اسلامی ہند کے امیر کی حیثیت "امیر المومنین" کی ہوگی؟

(a).ہاں (b).نہیں (c).پتہ نہیں (d).سب غلط

10. مولانا ابواللیث ندوی کتنے سال تک امیر رہے؟

(a).تقریباً34 (b).تقریباً22 (c).تقریباً10 (d).تقریباً15

5.7.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1. آزادی کے بعد جماعت اسلامی پر اپنی معلومات قلم بند کیجیے۔
2. جماعت اسلامی ہند کے نظم جماعت کے بارے میں گفتگو کیجیے۔
3. جماعت اسلامی ہند کے نصب العین پر روشنی ڈالیے۔
4. جماعت اسلامی ہند کی رفاہی خدمات پر روشنی ڈالیے۔
5. بانی جماعت اسلامی کا مختصر تعارف پیش کیجیے۔

5.7.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. جماعت اسلامی کے قیام اور اس کے تاریخی پس منظر پر روشنی ڈالیے۔
2. جماعت اسلامی ہند کا تفصیلی جائزہ لیجیے۔
3. جماعت اسلامی ہند کی تعلیمی خدمات پر مضمون قلم بند کیجیے۔

5.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. 1947ء کے بعد ہندوستان میں اسلامی تحریکیں، ڈاکٹر اقتدار محمد خاں، مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، نئی دہلی 1995
2. دستور جماعت اسلامی ہند، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی 2013
3. جماعت اسلامی کی تعلیمی خدمات، محمد اشفاق احمد، دہلی، 2018
4. جماعت اسلامی ہند ایک تعارف، جمال پرنٹنگ پریس، دہلی، 1967
5. تحریک اسلامی ہند، مولانا صدر الدین اصلاحی، مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند، دہلی 1970
6. مختصر تاریخ جماعت اسلامی ہند، محمد شفیع مونس، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، 2010ء

معروضی سوالات کے جوابات:

1. A	2. A	3.A	4. D	5.A
6.A	7.B	8.A	9.B	10. A

اکائی 6: مرکزی جمیعت اہل حدیث

اکائی کے اجزا:

6.0 تمہید

6.1 مقاصد

6.2 مرکزی جمعیت اہل حدیث کا قیام و تاریخی پس منظر

6.3 اغراض و مقاصد

6.4 مرکزی جمعیت اہل حدیث کا منہج اور تنظیم و تشکیل

6.5 مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی صوبائی شاخیں

6.6 مرکزی جمعیت اہل حدیث کے شعبہ جات اور اس کے امتیازات

6.7 قومی و ملی خدمات

6.8 مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کا نصاب تعلیم

6.9 بیرون ملک میں سلفی جماعتوں کا مختصر تعارف

6.10 فرہنگ

6.11 اکتسابی نتائج

6.12 نمونہ امتحانی سوالات

6.12.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

6.12.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

6.12.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

6.13 تجویز کردہ اکتسابی مواد

6.0 تمہید

اس اکائی میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ جدید ہندوستان میں مسلمانوں کی ایک مشہور و نمائندہ تحریک 'مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند' کا ایک ایسا تعارف پیش کیا جائے جو اس کے قیام اور پس منظر کے بیان کے ساتھ ساتھ اس کے اغراض و مقاصد، نصب العین، تشکیل و تنظیم، طریقہ کار، کارگزاریوں اور خدمات پر مشتمل ہو۔ نیز یہ بتلانا بھی مقصود ہے کہ کس طرح یہ تحریک انسان کی انفرادی اور سماجی زندگی پر اثر انداز ہو رہی ہے۔

6.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد ہے کہ آپ:

- مشہور تحریک مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند کا بخوبی تعارف اور جامع واقفیت حاصل کر سکیں۔
- اس کے قیام کے پسِ منظر، اغراض و مقاصد، منہج، تنظیمی ڈھانچے اور دینی و ملی خدمات سے متعارف ہو سکیں۔

6.2 مرکزی جمعیت اہل حدیث کا قیام و تاریخی پس منظر

یہ جماعت بیسویں صدی کے آغاز میں منصہ شہود میں آئی۔ اس کے قیام کے محرکات میں جہاں مسلک اہل حدیث کے متبعین کی شیرازہ بندی مقصود تھی وہیں امت مسلمہ اور ملت اسلامیہ ہند کے درمیان غیر اسلامی رسم و رواج بدعات و خرافات اور مشرکانہ رسموں سے چھٹکارا دلا کر خالص کتاب و سنت کی تعلیمات پر گامزن کرنا تھا۔ تاریخ اسلام کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام کی شعاعیں پہلی بار عہد خلافت راشدہ میں ہندوستان میں پہونچیں، پھر محمد بن قاسم نے 712 میں سندھ کو فتح کیا۔ فتح سندھ کے وقت اسلام اپنی خالص ترین شکل میں تھا، پھر رفتہ رفتہ بدعات اور غیر اسلامی رسوم پیدا ہوئیں اور جڑ پکڑتی گئیں حتیٰ کہ مغل حکمراں اکبر کے دور تک تاریکی و گمراہی آخری حدوں کو چھو گئی، یہ درحقیقت اسلامی ہند کی ضلالت کبریٰ کا دور تھا۔ اس دور میں مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی (1564-1624) نمودار ہوئے اور اکبر کی بدعات اور تصوف کی گمراہیوں پر کاری ضرب لگائی۔ اس کے بعد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بے لاگ تحقیق و تنقید سے اسلامی معاشرے واقتدار اور امت کے فکری زوال کے ایک ایک سبب کا کھوج لگایا اور ہمہ گیر اسلامی انقلاب برپا کرنے کے تمام ذرائع کی نشاندہی کر کے تجدید و احیائے دین کی داغ بیل ڈالی اور اپنے تلامذہ اور خواص کی ایک جماعت تیار کر دی جنہوں نے آپ کے بعد آپ کے تجدیدی کاز کو آگے بڑھایا۔ آپ کے تلامذہ و خواص میں سید احمد شہید، شاہ اسماعیل شہید، مولانا نصیر الدین منگلوری، شیخ ولی پھلتی، سید نصیر الدین دہلوی، مولانا ولایت علی اور مولانا عنایت علی خاص طور پر قابل ذکر ہیں، ان بزرگوں نے تحریک جہاد فی سبیل اللہ اور قتال کفار کو پورے ہندوستان میں برپا کر کے ایک خالص اسلامی حکومت کی بنیاد استوار کرنے کی بر پور کوشش کی، بلکہ یہ کہنا بیجا نہ ہو گا کہ یہ جماعت اہل حدیث کا سب سے اہم کارنامہ تھا۔ اس کے بعد سید نذیر حسین محدث دہلوی اور نواب صدیق حسن خان بھوپالی کی کوششوں کی بدولت کتاب و سنت کی تدریس و تالیف، نشر و اشاعت اور دعوت و تبلیغ کی دھوم پورے ہندوستان میں مچ گئی، ان دونوں بزرگوں کی مساعی جمیلہ ہی کی وجہ سے آگے

چل کر جمعیت اہل حدیث کی بنا پڑی۔

چونکہ فکری سطح پر حاملین اہل حدیث کی نمائندگی کرنے کے لیے کوئی پلیٹ فارم موجود نہیں تھا ہر کوئی انفرادی طور پر ملت کی دینی و دنیاوی رہنمائی کے فرائض کی انجام دہی میں مصروف تھا، نیز انیسویں صدی کے نصف آخر اور بیسویں صدی کے آغاز میں جب سبھی مکتب فکر کے علماء نے اپنی اپنی جماعتیں اور پہچان بنالی تو اہل حدیث علما نے بھی الگ جماعت کے قیام کو وقت کی ضرورت سمجھا اور اس کے قیام کی جدوجہد شروع کی۔ ویسے تو اس تحریک کے اولین بانیوں میں عبداللہ غازی پوری، عبدالعزیز رحیم آبادی، محمد حسین پٹیالوی، محمد ابراہیم سیالکوٹی، مولانا عبدالسلام، حافظ عبداللہ روپڑی، مولانا عبدالرحمان مبارکپوری، عبدالتواب غزنوی اور قاضی محمد سلمان مبارکپوری وغیرہم کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں، لیکن جماعت اہل حدیث کو تنظیمی ڈھانچہ میں تبدیل کرنے کا اولین سہرا مولانا ثناءاللہ امرتسری کو جاتا ہے، جنہوں نے 5 اکتوبر 1906 میں اپنے موقر ہفت روزہ اخبار 'اہل حدیث' میں اس کے قیام پر زور دیتے ہوئے اس کو وقت کی اہم ضرورت بتایا چنانچہ ایک اعلان جاری کرتے ہوئے لکھا:

"اگر آپ حضرات اس تحریک کے موید ہیں تو بہت جلد اس کے متعلق اپنی آراء سے مطلع فرمائیں تاکہ آرہ کے جلسے میں جو شوال میں ہونے والا ہے جس میں علما اہل حدیث کی خاصی جمعیت ہوتی ہے، یہ تجویز پیش ہو کر پاس ہو جائے اور مناسب قواعد وضوابط تیار ہو کر 'اہل حدیث کانفرنس' کی بنیاد رکھی جائے"۔

ہر شش جہات سے اس تحریک کی پرزور تائید ہوئی۔ چنانچہ مدرسہ احمدیہ آرہ (بہار) کے دسمبر 1906 کے سالانہ مذکرہ علمیہ کے اجتماع میں "آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس" کی تاسیس عمل میں آئی۔ اس کانفرس کے پہلے صدر حافظ عبداللہ غازی پوری، ناظم مولانا ثناءاللہ امرتسری اور خازن بیت المال علامہ شمس الحق ڈیانوی منتخب ہوئے۔ دریں اثناء 1947 میں تقسیم وطن کے نتیجہ میں اکابرین وکارپردازان کانفرنس کے پاکستان ہجرت کر جانے کی وجہ سے جماعت کی ساری بساط ہی الٹ گئی اور جماعتی شیرازہ منتشر ہو گیا۔ ان حالات میں مولانا عبدالوہاب آروی کی زیر قیادت کانفرنس دوبارہ متحرک ہوئی اور باضابطہ دعوتی سلسلہ جاری ہو گیا۔ بعد میں دستور جمعیت میں حذف واضافہ اور ترمیم و تنسیخ ہوتی رہی۔ چنانچہ جنوری 1957 کو دہلی، بمقام پھاٹک حبش خان میں مجلس عاملہ کے ایک اہم اجلاس میں "آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس" کو "مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند" کے نام سے موسوم کر دیا گیا جو ہنوز اسی نام سے جاری ہے اور ترقی کی منازل طے کر رہا ہے۔ موجودہ مرکزی جمعیت اہل حدیث کا صدر مقام دہلی ہے اس کے امیر مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی، ناظم عمومی مولانا محمد ہارون سنابلی اور ناظم مالیات وکیل پرویز ہیں۔

6.3 اغراض ومقاصد

دفعہ 5 مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے مندرجہ ذیل اغراض ومقاصد ہیں۔

(الف) دعوت وتبلیغ:

(1)مسلمانوں کو توحید خالص کو اپنانے پر آمادہ کرنے اور سنت کا شیدائی بنانے کے لیے تمام ممکنہ طریقے اختیار کرنا۔

(2)بدعات اور رسوم قبیحہ کو حکمت کے ساتھ مٹانے اور ان کی جگہ سنتوں کو رائج کرنے کی کوشش کرنا اور باطل تنظیموں اور تحریکوں سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا اور ان کے دلائل و نظریات کی سنجیدگی، متانت اور علمی بنیادوں پر تردید کرنا۔

(3)غیر مسلموں کے سامنے اسلام کی صحیح تعلیمات پیش کرنا جس سے ان کی غلط فہمیاں دور ہو سکیں۔

(4)زندگی کے تمام شعبوں میں افراد جماعت اور ارکان جمعیت کی اس طرح تربیت کرنا کہ وہ اسلامی تعلیمات کا صحیح نمونہ اور مصداق ہوں۔

(5)مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق قائم رکھتے ہوئے باہمی اختلاف و نزاعات کو کتاب و سنت کی تعلیمات کی روشنی میں دور کرنے کی جد وجہد کرنا اور اس کے لیے قانونی دائرے میں رہتے ہوئے شرعی عدالتوں کا قیام۔

(6)مسلمانوں کو روزمرہ پیش آنے والے مسائل کے حل کے لیے دارالافتاء کا قیام۔

(ب)نشر و اشاعت:

(1)کتاب و سنت کی تعلیمات پر مبنی کتب و رسائل کی تیاری اور ان کی ترویج و اشاعت۔

(2)کتاب و سنت اور مسلک و جماعت اہل حدیث کے خلاف لکھی جانے والی کتابوں اور تحریروں کا جائزہ اور اس کی تردید اور اس مقصد کے لیے افراد جماعت کی تربیت۔

(3)مسلمانوں میں رائج بدعات اور رسوم قبیحہ کی اصلاح و رد کے لیے عام فہم انداز میں صحیح دلائل کے ساتھ مختلف زبانوں میں رسائل و کتب تیار کرنا۔

(4)جمعیت کے اغراض و مقاصد کے تعارف اور اس کے نصب العین کی تکمیل کے لیے اخبار و رسائل کی اشاعت اور جدید ذرائع ابلاغ کا استعمال۔

(ج)تعلیم و تربیت:

(1)ہر سطح پر جماعتی مدارس کا قیام اور قائم شدہ مدارس کا تعاون اور ان کی ترقی و اصلاح کے لیے سعی کرنا۔

(2)مسلم طلبہ و طالبات کی تعلیم کے لیے ان کی راہنمائی اور بوقت ضرورت تعاون دینا۔

(3)جماعتی مدارس و مکاتب کے لیے اسلامی نظریہ تعلیم پر مبنی معیاری نصاب تیار کرنا، جو عصر حاضر کی تقاضوں کو پورا کرتا ہو۔

(4)افراد کی تربیت و تزکیہ کے لیے جماعت کے علماء کی خدمات حاصل کرنا۔

(5)ہر مسلم افراد کو خواندہ بنانے کی کوشش کرنا اور دین کو علیٰ وجہ البصیرۃ سمجھنے پر زور دینا۔

(6)عصری مدارس وجامعات میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبا وطالبات کے لیے اسلامی تعلیمات سے روشناس اوراسلامی احکام سے واقف کرانے کے لیے اقامت گاہوں اوراداروں کا قیام۔

(د)بیت المال اور شعبہ امداد باہمی کا قیام:

(1)جماعت کے افراد سے زکاۃ وعشر اور دیگر صدقات وعطیات کی وصولی اوراس کے مصارف پر ان کے استعمال کی کوشش کرنا۔

(2)غریب ومستحق افراد کی اعانت وامداد۔

(3)آمدنی کے وسائل کو بڑھانے اوران کو ترقی دینے کے لیے مختلف پروجیکٹ میں رقم لگانا۔

6.4 مرکزی جمعیت اہل حدیث کا منہج اور تنظیم وتشکیل

یہ جماعت اپنے اغراض ومقاصد کے حصول کے لیے اپنا ایک مخصوص لائحہ عمل رکھتی ہے اور اس سے انحراف کو جائز ودرست نہیں سمجھتی۔ توحید خالص اورکتاب وسنت کے احکام کے سلسلے میں اس کاموقف بہت سخت ہے۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث کے دستوراساسی کے دفعہ 6 کے تحت جمعیت کاپالیسی یاطریقہ کار یہ ہے۔

1. جمعیت ہر فیصلہ طلب مسئلہ میں کتاب وسنت کی روشنی میں فیصلہ صادر کرے گی اور اس کے بعد خلفائے راشدین کے طرز عمل کو پیش نظر رکھے گی۔ وقتی مسائل اورامت سے متعلق مصالح کو بھی اسی نقطہ نظر سے دیکھے گی۔
2. ملکی وملی مسائل میں اپنے اعتصام بالکتاب والسنہ کے امتیاز کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنی حکمت عملی، پالیسی اورطریقہ کار متعین کرنے کے ساتھ معاصر مسلم تنظیموں کے ساتھ تعاون کرے گی۔
3. مرکزی جمعیت اپنے مقصد اور نصب العین میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے جو بھی ذرائع وتدابیر اختیار کرے گی وہ کتاب وسنت کی واضح ہدایت کے ماتحت ہونگے۔

اس کے علاوہ مرکزی جمعیت اہل حدیث کاایک تنظیمی ڈھانچہ بھی ہے جس کے مختلف مدارج ہیں۔ان میں سے ایک مرحلہ رکنیت کا بھی ہے۔ اس کی رکنیت کے لیے شرط یہ ہے کہ کوئی بھی ہندوستانی شہری جو عاقل بالغ اور مسلمان ہواور جمعیت اہل حدیث کے عقیدے اور نصب العین سے اتفاق رکھتاہواس کارکن بن سکتاہے۔ رکن بننے کے بعد اس پر کئی طرح کی پابندیاں عائد ہوتی ہیں جس پر عمل درآمد اس کے لیے ضروری ہے۔ تنظیمی امور کو چلانے کے لیے اس جماعت کے افراد نے شورائی نظام کو اخذ کیا ہے باہمی مشورے سے تمام امورانجام دئے جاتے ہیں۔ مرکزی جمعیت کاتنظیمی ڈھانچہ کچھ اس طرح ہے۔

1. مقامی(دیہات وقصبات کی)جمعیتیں
2. شہری جمعیتیں
3. ضلعی جمعیتیں

4. صوبائی جمعیتیں

5. مرکزی جمعیت

اس کے علاوہ جماعت غربا، جمعیت شبان، طلبہ اور خواتین کی ذیلی یونٹیں ہیں جس سے جمعیت کے اغراض ومقاصد کی تکمیل میں سہولت ہوتی ہے۔ یہ تمام ذیلی جمعیتیں مرکزی امیر اور ناظمی عمومی کے ماتحت کام کرتی ہیں۔

6.5 مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی صوبائی شاخیں

جمعیت وجماعت کی حسن تشکیل اوراس کے عروج وزوال کا انحصارافراد پر ہوتا ہے،افراد جیسے ہونگے جمعیت وجماعت کی کارکردگی اور فعالیت بھی ویسے ہی ہوگی۔ حسن اتفاق سے جمعیت کو ایسے فعال وحساس اور سرگرم افراد کی قیادت نصیب رہی ہے جس سے کہ سلفی دعوت ہندوستان کے کونے کونے میں گونجنے لگی۔ کیا مشرق کیا مغرب کیا شمال کیا جنوب حتیٰ کہ جزائر انڈمان ونکوبار بھی کتاب وسنت کے نور سے جگمگا اٹھا۔ ہندوستان کے تقریبا تمام صوبوں میں جمعیت اہل حدیث کی ایک مستقل آفس اور ضلعی، شہری، مقامی، اور دیہی جمعیتیں ہیں، جمعیت اہل حدیث کی ریاستی سطح پر اکیس سے زائد شاخیں، ضلعی سطح پر دوسو اور مقامی اور دیہی سطح پر چالس ہزار سے زائد شاخیں ہیں جو اپنے اپنے علاقوں میں سرگرمی سے کام کر رہی ہیں۔ تین کروڑ سے زائد افراد جماعت سے وابستہ اور منسلک ہیں اور دامے، درمے، قدمے سخنے کتاب وسنت کی ترویج وتبلیغ میں ساتھ ہی ملکی سطح پر ترقیاتی اور رفاہی کاموں میں مصروف عمل ہیں۔

6.6 مرکزی جمعیت اہل حدیث کے شعبہ جات اوراس کے امتیازات

رفقاجمعیت اہل حدیث نے ابتداء ہی سے جمعیت کے مختلف کاموں کو الگ الگ شعبوں میں تقسیم کرر کھا ہے تاکہ اس کے انتظام وانصرام اور دیکھ ریکھ میں آسانی ہو۔ آزادی ہند کے بعد ان شعبوں نے مزید ترقی کی ہے۔ وہ شعبے یہ ہیں۔

1. شعبہ تنظیم

یہ شعبہ مرکزی جمعیت کا بہت ہی اہم شعبہ ہے، افراد جماعت کو جمعیت سے جوڑنے اوران کی کوششوں کو سمت دینے میں اس کا کلیدی کردار ہے اس شعبے کی فعالیت کا ہی نتیجہ ہے کہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہندوستان کی سب سے منظم مسلم آرگنائزیشن بن گئی ہے اوراس پوزیشن میں ہوگئی ہے کہ ایک ہفتہ کی نوٹس پر بھی ہر صوبے سے افراد جماعت کو اکٹھا کرسکتی ہے، نیز اس شعبے کے تحت مختلف مقامات پر صورت حال کا جائزہ لینے کے لیے دعاۃ ومبلغین ارسال کرسکتی ہے۔

2. شعبہ دعوت وتبلیغ

یہ شعبہ مرکزی جمعیت کا اہم ترین اور غیر معمولی شعبہ ہے۔ اس شعبے کو ترجیحی طور پر فعال وسرگرم کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور ممکن وسائل کے ذریعہ معاشرے میں اسلامی بیداری اوراصلاح وتربیت کے عمل کو جاری کیا گیاہے۔ دعوتی کاموں کی وسعت کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کا دائرہ ہندوستان کے مشرق ومغرب اور شمال وجنوب سے لے کر جزائر انڈمان تک پہنچ چکا ہے۔

3. شعبہ تعلیم وتربیت

مرکزی جمعیت اہل حدیث نے تعلیم وتربیت کے فروغ کے لیے کثیر جہاتی پروگرام بناکر کاروان تعلیم وتربیت کو منظم طور پر آگے بڑھانے کی حتی الوسع کوشش کی۔ نصاب تعلیم کی تیاری اور طباعت، مسابقات حفظ و تجوید و تفسیر قرآن کریم، دورات تدریبیہ برائے ائمہ، دعاۃ معلمین اور سیمینار، تعلیمی کانفرنسوں، سیمیناروں اور جلسوں میں ذمہ داران جمعیت کی شرکت، عصری و دینی جامعات میں داخلے کی کوششیں اوراسکالرشپ، عصری یونیورسٹیوں کے مسلم طلبہ سے خصوصی ملاقاتیں۔ یہ سارے اہم نشاطات شعبہ تعلیم وتربیت کے تحت ہی انجام پاتے ہیں۔

شعبہ تعلیم وتربیت کے حوالے سے المعھدالعالی للتخصص فی دراسات الاسلامیہ کا قیام مرکزی جمعیت اہل حدیث کا ایک جراتمندانہ قدم ہے۔ اس میں دعاۃ، مدرسین اورافتاوقضاسے متعلق افراد تیار کئے جاتے ہیں۔ طلبہ کی ہمہ جہت ذہنی وفکری اور علمی ارتقاء کے لیے روایتی وجدیداسلوب ووسائل اختیارکیے جاتے ہیں، انہیں درسیات کے ساتھ ساتھ کمپیوٹر کی بھی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ المعھدالعالی کے طلبہ اورافراد جماعت کی علمی ضرورتوں کے پیش نظر اہل حدیث کمپلکس میں شیخ الکل سید نزیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے منسوب ایک لائبریری قائم کی گئی۔ فی الوقت اس لائبریری میں عربی، اردو، ہندی، انگریزی اور بنگلہ زبانوں کی پانچ ہزار سے زائد کتابیں موجود ہیں۔

4. شعبہ نشرواشاعت

اس شعبہ کے تحت متعدد دینی، دعوتی، جماعتی، تعلیمی اور تربیتی کتابیں منظرعام پر آچکی ہیں۔ شعبہ نشرواشاعت کے حوالے سے یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ یہ شعبہ جہاں کتابوں اور فولڈرز کی اشاعت میں سرگرم عمل ہے وہاں صحافت کے میدان میں بھی غیر معمولی خدمات انجام دے رہاہے۔ جریدہ ترجمان (اردو) اصلاح سماج (ہندی) دی سمپل ٹروتھ (انگریزی) اور مجلہ الاستقامہ (عربی) بڑی پابندی کے ساتھ شائع ہورہے ہیں۔ اوران کے اعلیٰ معیاراور پیشکش کی وجہ سے انہیں بڑی تیزی کے ساتھ مقبولیت حاصل ہورہی ہے۔ اس کے علاوہ مرکزی جمعیت اہل حدیث کا ایک اشاعتی ادارہ مکتبہ ترجمان کے نام سے ہے جو افراد جماعت کی اہم ضروریات کی بھرپور تکمیل کرتا ہے۔

اسلامی کتب کی بڑھتی ہوئی مانگ کی وجہ سے گزشتہ کچھ سالوں میں جمعیت کی جانب سے کتابوں کی اشاعت میں زبردست اضافہ دیکھنے میں آیا اور ان میں سے کئی کتابیں ایسی ہیں جو حوالے کے طور پر بھی استعمال کی جاتی ہیں۔ کئی اہم کتابوں کا اردو، انگریزی اور ہندی زبانوں میں ترجمہ بھی ہوا۔ جن میں متحدہ ہندوستان کے علماء اسلام کا اولین متفقہ فیصلہ، سیرت مستقیم اور اختلاف امت، خلافت وملوکیت کی تاریخی وشرعی حیثیت، رویت ہلال، تحریک ختم نبوت، تاریخ اہل حدیث اور اس کے علاوہ 650 صفحات پر مشتمل اہلحدیث کے مدارس کی ڈائرکٹری بھی شائع کی گئی ہے۔ یہ تاریخ کے طلبہ کے لئے مراجع ومصادر کی حیثیت رکھتی ہے۔

5. شعبہ مالیات

یہ حقیقت ہے کہ کسی نظام کو چلانے کے لیے مالیہ ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر یہ مضبوط نہیں ہے تو ہزار خلوص کے باوجود بہت سارے کام تشنہ رہیں گے۔ چنانچہ اس شعبے کو مضبوط و منظم بنانے کی حتی الوسع سعی کی گئی ہے، آمد و خرچ کے حسابات کو بہتر سے بہتر شکل میں مرتب کیا گیا، مختلف منصوبوں کے لیے بجٹ بنائے گئے اور ان کی فراہمی کے لیے تگ و دو ہوتی رہتی ہے۔ اس شعبہ کے تحت سابقہ و حالیہ ادوار کے حسابات سی اے کے ذریعہ آڈٹ کرائے جاتے ہیں۔

6. شعبہ احصائیات

شعبہ احصائیات جس کا دائرہ احصائیات مدارس تک محدود تھا اب اس کا دائرہ مساجد اور اسلامی مراکز تک پہنچ گیا ہے اور یہ شعبہ نہایت منظم انداز میں سرگرم عمل ہے اس کے تحت مدارس اہل حدیث، مساجد اہل حدیث اور تراجم علمائے اہل حدیث کی تدوین کا کام پائے تکمیل تک پہنچ چکا ہے۔

7. شعبہ افتاء

شعبہ افتاء موقر علماء و مفتیان عظام کی ایک ٹیم سے عبارت ہے۔ لوگ دینی، معاشی اور معاشرتی مسائل سے متعلق شریعت کا موقف جاننے کے لیے یہاں استفتاارسال کرتے ہیں، جن کا تشفی بخش جواب دیا جاتا ہے اب تک ہزاروں فتاوے صادر ہو چکے ہیں، استفتا کے نظام کو منظم کرنے کی غرض سے اہل حدیث منزل میں بکس برائے استفتا بھی لگایا گیا ہے۔

8. شعبہ تعمیرات

کاموں کے ہوڑ میں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کا شعبہ تعمیرات بھی پیچھے نہیں رہا ہے اس شعبے کے تحت بہت سے تعمیراتی سرگرمیاں عمل میں آئیں مثلاً اہل حدیث منزل کی از سر نو تعمیر، اہل حدیث کمپلکس ابو الفضل انکلیو اور المعھد العالی کی تعمیر۔

9. شعبہ رفاہ عامہ و سماجی خدمات

اس شعبے کے تحت اب تک غیر معمولی سماجی و رفاہی خدمات انجام پا چکے ہیں۔ مثلاً فسادات زدگان، غریب لڑکیوں کی شادی کے لیے تعاون، تباہ کن بیماریوں میں مبتلا افراد کی مدد، سیلاب زدگان کے مابین راحت کاری اور اسپتال اور ذیلی ڈسپنسریاں کا قیام، مختلف علاقوں میں ٹیوب ویل کی تنصیب اور مساجد کی تعمیر وغیرہ۔

6.7 قومی و ملی خدمات

مرکزی جمعیت اہل حدیث نہ صرف یہ کہ افراد جماعت کی دینی و دنیوی فلاح و بہبود کے لیے سرگرم عمل رہتی ہے بلکہ وہ اس سے بڑھ کر قومی و ملی خدمات کے لیے بھی پابند عہد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ قومی و ملی اور انسانی خدمات بھی انجام دیتی رہتی ہے مثلاً: اہم موضوعات پر سمپوزیموں کا انعقاد، نزاعی مسائل کا تصفیہ، ملی تنظیموں کے پروگراموں میں شرکت، ملی مسائل کے سلسلے میں حکومت کے ذمہ داروں سے ملاقاتیں اس کے علاوہ نظام بیت المال قائم کر کے مستحقین کی امداد کرنا اس جماعت کا امتیاز رہا ہے۔

مجلس تحقیق علمی

افراد جماعت کو علمی، فکری اور تحقیقی غذا فراہم کرنے کی غرض سے قائم یہ شعبہ نہایت فعالیت کے ساتھ خدمات انجام دے رہاہے۔اس شعبہ سے متعدد اہم علمی ودعوتی کتابوں کی تالیف اور ترجموں کے کام انجام پاچکے ہیں۔

ھیئۃ کبارالعلماء

دعوت وارشاد اور بحث وتحقیق کے عمل کو منظم اور فعال بنانے اوراس کے لیے جماعت کے مقتدر علما کی خدمات حاصل کرنے کی غرض سے ھیئۃ کبارالعلما کا قیام عمل میں آیا۔ ملی، سیاسی، سماجی اورر تعلیمی مسائل میں منہج سلف کے مطابق رہنمائی، نئے پیچیدہ مسائل پر مباحث تیار کروانا، اسلامی فقہ پر انسائیکلوپیڈیا تیار کروانا، عالم اسلام کے کبار علما کے فتاوے وفیصلے جن کا تعلق موجودہ دور کے مختلف مسائل سے ہے جیسے سیاسی، سماجی، طبی وغیرہ اور جو منہج سلف کے مطابق ہوں ان کا ترجمہ کروانا، اعلیٰ معیار کی ٹیم تیار کرنا جو فقہی مسائل پر درک رکھتی ہو اس کمیٹی کے اہم مقاصد ہیں۔

میڈیا سیل

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند نے دیگر میدانوں میں قابل قدر پیش قدمی کے ساتھ میڈیا کے میدان میں بھی غیر معمولی پیش رفت کی ہے۔ مرکز میں میڈیا سیل کے نام سے ایک علاحدہ شعبہ ہے جو اخبارات پر نگاہ رکھتاہے، اگر کوئی قابل اعتراض بات ہوتی ہے تو اس کا جواب دیتاہے اوراہم خبروں کی کٹنگ بھی محفوظ رکھتاہے۔ فی الحال اس شعبے میں ایک درجن اردو، انگریزی اور ہندی کے قومی اخبارات منگائے جاتے ہیں۔ دیگر جماعتی وغیر جماعتی رسائل وجرائد اس کے علاوہ ہیں۔ پریس کانفرنسوں کا انعقاد، پریس ریلیز کا اجراء، مراسلہ نگاری، صحافیوں سے انفرادی ملاقاتیں، ذرائع ابلاغ میں اثرورسوخ قائم کرنا اس شعبے کے اہم کارنامے ہیں۔ اب تک جماعتی وملی موضوعات پر متعدد پریس کانفرنسوں کا انعقاد عمل میں آچکاہے، اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ ان کوششوں کی وجہ سے ذرائع ابلاغ جمعیت وجماعت کے خلاف کچھ شائع کرنے میں بہت حد تک گریز کرنے لگے ہیں۔

6.8 مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کا نصاب تعلیم

موجودہ دور میں مسلمان والدین اپنے بچوں کے لیے سیکولر تعلیم اوراسلامی علوم کے درمیان ایک معقول توازن تلاش کرنے کے لیے سخت جدوجہد کررہے ہیں۔ وہ اپنے بچوں کو سائنس اور سماجی علوم کی بہترین تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ اسلامی عقیدے کی تعلیم دینے کے لیے کوشاں ہیں۔۔ وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ ان کے بچے اسلامی ماحول میں تعلیم حاصل کریں۔ اس مقصد کے لیے جمعیت نے مدارس اور انگلش میڈیم اسکولوں کے لیے ایک نیا نصاب تیار کیاہے جس میں پرائمری سے لے کر پانچویں جماعت تک تمام سیکولر مضامین شامل ہیں۔ اسے مرتب کرتے وقت مختلف صوبوں کے پرائیوٹ اسکولوں اوران۔ سی۔ آر۔ ٹی کے نصاب تعلیم کے رہنمایانہ اصولوں کو مد نظر رکھ کر بنایا گیاہے۔ اس نصاب تعلیم میں بچوں کی نفسیات کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اس میں 10 مضامین کو شامل نصاب کیا گیاہے جس میں

دینیات، جنرل سائنس، اردو، انگلش، ہندی، سوشل اسٹڈیز، ریاضی، جسمانی صحت کی تعلیم، ڈرائنگ اور عربی شامل ہیں۔

اس کے علاوہ اعلیٰ تعلیمی نصاب میں قرآن وسنت کی تعلیم کو مرکزیت حاصل ہے، کسی ایک فقہی مسلک کی تعلیم کے بجائے فقہ اسلامی اور فقہ مقارن کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ابتدائی متوسطہ اور ثانوی درجات میں جدید علوم کی متوازن نمائندگی ہے۔

مرکزی جمعیت اہل حدیث کی انفرادیت

1. اس جماعت کی انفرادیت یہ ہے کہ یہ خالص توحید کی دعوت دیتے ہیں۔
2. زندگی کے تمام معاملات میں قرآن وحدیث کی تعلیمات کو اپنا سرچشمہ ہدایت سمجھتے ہیں۔
3. ان کی دعوت ایک سلفی دعوت ہے اس لیے کہ یہ اسلام کی اس پاک وصاف اور سادہ۔
4. تعلیم کی دعوت دیتے ہیں جو سلف صالحین نے امت کے سامنے پیش کی اور جو ہر قسم کی بدعات اور رسوم سے پاک ومنزہ تھی۔
5. یہ مذاہب اربعہ کو برحق مانتے ہیں اور اس مذہب کو پسند کرتے ہیں جو دلائل کے اعتبار سے سب سے زیادہ صحیح اور قوی ہو۔ یہ تقلید کے خلاف میں اور اجتہاد پر زور دیتے تھے۔

مرکزی جمعیت اہل حدیث کے سابق صدور / امراء 1947 سے لے کر اب تک آنے والے صدور / امیروں کے نام

1. حاجی محمد صالح (1944 - 1952)
2. مولانا عبدالوہاب اروی (1972-1972)
3. ڈاکٹر سید عبدالحفیظ سلفی (1972-1979)
4. مولانا عبدالوحید سلفی (1979-1989)
5. مولانا مختار احمد ندوی (1990-1997)
6. مولانا صفی الرحمن مبارکپوری (1998-2000)
7. حافظ محمد یحییٰ دہلوی (2000-2017)
8. مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی ((2017 سے تاحال)

مرکزی جمعیت اہل حدیث کے سابق نظما

1. مولانا ثناء اللہ امرتسری (1906-1947)
2. حافظ حمید اللہ دہلوی (1947-1950)
3. حافظ محمد صالح علیجان (1950-1956)
4. مولانا عبدالجلیل رحمانی (1956-1960)
5. مولانا داؤد راز (1960-1971)

6. مولانا عبد الحمید رحمانی (1971-1975)
7. مولانا عبد السلام رحمانی (1975-1978)
8. مولانا عطاء الرحمن مدنی (1978-1982)
9. مولانا انیس الرحمن اعظمی (1982-1985)
10. مولانا عبد الوہاب خلجی، قائم مقام سیکرٹری (1987-1990)
11. مولانا عبد الوہاب خلجی (1990-2001)
12. مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی (2001-2017)

1947 سے آل انڈیا اہلحدیث کانفرنسز

مرکزی جمعیت اہل حدیث اپنے قیام کے بعد سے اب تک 35 آل انڈیا اہل حدیث کانفرنسوں کا انعقاد کرا چکی ہے۔ تاہم 1947 سے ملکی سطح پر 4 کانفرنسیں ہو چکی ہیں۔

1. نوگڑہ (بستی) 19 نومبر 1961 مولانا عبد الوہاب اروی کی صدارت میں
2. بنگلور 5-6 مئی 1985 مولانا عبد الوحید سلفی کی صدارت میں
3. مئو 16 اپریل 1995 مولانا مختار احمد ندوی کی صدارت میں
4. پاکوڑ 13-15 مارچ 2004 حافظ محمد یحییٰ دہلوی کی صدارت میں

6.9 بیرون ملک میں سلفی جماعتوں کا مختصر تعارف

مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان

قیام پاکستان کے بعد اس امر کی ضرورت محسوس کی گئی کہ اہل حدیث افراد کی کوئی نمائندہ جماعت ہو، تاکہ جماعت کے پلیٹ فارم سے کتاب وسنت کی ترویج کے لئے مشترکہ جدوجہد کی جاسکے۔ چنانچہ مولانا سید محمد داود غزنوی، مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی، پروفسر عبد القیوم اور مولانا محمد اسماعیل سلفی کی کوششوں سے 24 جولائی 1947 کو دار العلوم تقویۃ الاسلام لاہور کی بلڈنگ میں تاسیس عمل میں آئی۔ تنظیم کا نام "مرکزی جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان" رکھا گیا۔ ابتدائی طور پر تین عہدیداران کا تقرر عمل میں آیا، مولانا سید داؤد غزنوی صدر، پروفسر عبد القیوم ناظم اعلیٰ اور میاں عبد المجید ناظم مالیات منتخب ہوئے۔

موجودہ مرکزی جمعیت کی قیادت مستند زعما اور مستعد علماء کے ہاتھوں میں ہے۔ پروفسر ساجد میر امیر جب کہ ناظم اعلیٰ ڈاکٹر عبد الکریم ہیں۔ سیاسی طور پر یہ دائیں بازو کی جماعت ہے اور پاکستان مسلم لیگ کی حمایتی جماعت سمجھی جاتی ہے۔ متحدہ مجلس عمل کی اہم رکن جماعت ہے جو ملک کے تمام صوبوں میں اپنا کم یا زیادہ وجود رکھتی ہے۔

مرکزی جمعیت اہل حدیث بنگلہ دیش

رسوم وبدعات اور پیر پرستی کی آماجگاہ بنگال میں شاہ اسماعیل شہید کا پیغام جہاد اور شمع توحید لے کر مولانا ولایت علی اور مولانا عنایت علی پہنچے تو حاکم پور کو مرکز بنایا۔ کتاب وسنت کی تبلیغ کا اہتمام کیا۔ مساجد کی قلت تھی مساجد کی بنیاد ڈالی اور بیت المال قائم کیا جس سے سرحدی مجاہدین کی امداد کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ اس دور میں اہل حدیث جماعت نے دس ہزار روپے صرف کر کے کلکتہ میں مطبع قائم کیا جس میں شاہ ولی اللہ کی تصانیف، شاہ عبد العزیز اور شاہ عبد القادر کا ترجمہ قرآن پاک، شاہ اسماعیل شہید کی تقویۃ الایمان، مولانا ولایت علی کی عمل بالحدیث اور مولانا بدیع الزمان کی تقویۃ المسلمین جیسی کتابیں شائع کی گئیں۔

لیاقت پوری علما کے بعد سید میاں نذیر محدث دہلوی کے شاگردوں نے پھر اس طرح چراغ سے چراغ جلایا کہ تحریک اہل حدیث عوامی شکل اختیار کر گئی۔

بنگال میں فکر محدثین کی ترویج میں مولانا عبد اللہ الکافی کی خدمات جلیلہ بھی کسی طور پر فراموش نہیں کی جاسکتیں۔ وہ بہت بڑے بلند پایہ شخص اور محقق عالم دین تھے۔ انہوں نے 1924 میں "سیتا گری" کے نام سے اخبار جاری کیا۔ ان کی قیادت میں بنگال کے مختلف مقامات پر بہت سے جلسوں کا انعقاد ہوا۔ 1946 میں ہاراگیچ (رنگپور) میں ایک بڑی کانفرنس ہوئی، جس میں کل بنگال وآسام جمعیت اہل حدیث کا وجود عمل میں آیا۔ اس جمعیت نے مشرقی بنگال کے ستر لاکھ اہل حدیث افراد کو تنظیم میں منسلک کیا۔ جماعتی رابطہ اور مسلکی ترویج کے لئے ہفت روزہ "عرفات" اور ماہنامہ "ترجمان القرآن" کا اجرا کیا۔ اس جمعیت نے جماعتی تنظیم اور مسلکی اشاعت کے لئے قابل قدر خدمات انجام دیں اور یہی جمعیت قیام پاکستان کے بعد جمعیت اہل حدیث مشرقی پاکستان کے قالب میں ڈھل گئی۔ 1972 میں پاکستان کے دو ٹکڑے ہونے کے بعد بنگلہ دیش کا قیام عمل میں آیا تو اس تحریک کا نام جمعیت اہل حدیث بنگلہ دیش رکھا گیا۔

مرکزی جمعیت اہل حدیث نیپال

مرکزی جمعیت اہل حدیث نیپال کی تاسیس 1989 میں، جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر نیپال میں، خطیب الاسلام مولانا عبد الرؤف رحمانی کی کوششوں سے عمل میں آئی اور اتفاق رائے سے پہلے امیر جمعیت بھی منتخب ہوئے۔ آپ کی انتھک کوششوں سے جمعیت اہل حدیث نیپال ملک وبیرون ملک میں متعارف ہوئی اور دعوت وتبلیغ واصلاح عقیدہ کا کام منظم ڈھنگ سے انجام پانے لگا۔ آپ نے تقریبا دس سال تک مرکزی جمعیت اہل حدیث نیپال کے امیر کی حیثیت سے قیادت فرمائی۔

یوں تو جمعیت اہل حدیث نیپال ملک کے 75 اضلاع میں سے صرف 20 اضلاع میں اپنا باقاعدہ وجود رکھتی ہے، لیکن اس کے اثرات پورے ملک میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ ان 20 اضلاع میں صرف 13 اضلاع میں باقاعدہ ضلعی سطح پر انتخاب کرا کے ضلعی جمعیتوں کے نظام اپنے دعوتی، تبلیغی واصلاحی فریضے کی ادائیگی میں مصروف عمل ہیں۔

موجودہ عہدے داران: مولانا عبد الحی محمد حنیف مدنی امیر، مولانا محمد خالد مدنی نائب امیر، مولانا محمد علی سلفی نائب امیر، مولانا عزیر الرحمان تربت مدنی ناظم اعلیٰ، مولانا جمال احمد شاہ نائب ناظم، مولانا ولی اللہ رائی مدنی نائب ناظم، مولانا طفیل احمد مدنی خازن۔

مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ

برطانیہ میں مرکزی جمعیت اہل حدیث کا قیام 1975 میں عمل میں آیا۔ جمعیت کے بانی امیر مولانا فضل کریم عاصم نے جمعیت کے قیام کے لئے انتھک محنت کی۔ مختلف شہروں کا دورہ کرکے اہل حدیث اکائیوں کو اکٹھا کرکے ایک مربوط اور مضبوط تنظیم تشکیل دی۔ بعد ازاں مولانا محمود احمد میرپوری اس قافلہ میں آملے اور بطور ناظم اعلیٰ ناقابل فراموش خدمات انجام دیں۔ مولانا میرپوری مرحوم متدین عالم دین اور صاحب اسلوب اہل قلم تھے۔ انہوں نے اپنی تقریر کے ذریعے مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ کو منظم جماعت بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ ان کے ساتھ مولانا عبدالکریم ثاقب اور مولانا شعیب احمد و دیگر رفقاء کار کی خدمات بھی قابل ذکر ہیں۔

مذکورین مرحومین اور موجودین علماء دین متین نے برطانیہ میں مرکزی جمعیت اہل حدیث کو منظم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ان دنوں مولانا محمد میرپوری امیر، مولانا محمد حفیظ اللہ خان نائب امیر، مولانا شعیب احمد میرپوری نائب امیر، حافظ حبیب الرحمان حبیب ناظم اعلیٰ، مولانا شفیق الرحمان شاہین نائب ناظم، بردر افتخار احمد خازن، بردر عجائب خان نائب خازن اور دیگر عہدیداران اپنے رفقائے کار کے ہمراہ برطانیہ میں مرکزی جمعیت کو منظم کرنے اور اپنے مقاصد کے حصول کے لئے کوشاں ہیں۔ جمعیت کا صدر مقام برمنگھم میں ہے جب کہ ملک بھر میں 40 شاخیں مصروف عمل ہیں۔

6.10 فرہنگ

شیرازہ بندی	:	اتحاد اور تنظیم، یک جہتی
گامزن	:	چلتا ہوا خصوصاً تیزی کے ساتھ، چلنے والا
شیدائی	:	شیفتہ و شیدا ہونے والا، فریفتہ ہونے والا
تشنہ	:	پیاسا، تِشنا، خواہشمند، آرزومند، مشتاق

6.11 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- مرکزی جمعیت اہل حدیث کا قیام 1906 میں مدرسہ احمدیہ آرہ (بہار) میں ہوا۔
- جماعت اہل حدیث کو تنظیمی ڈھانچہ میں تبدیل کرنے کا اولین سہرا مولانا ثناء اللہ امرتسری کو جاتا ہے۔
- جماعت اہل حدیث کے اولین بانیوں میں عبداللہ غازی پوری، عبدالعزیز رحیم آبادی اور محمد حسین پٹیالوی وغیرھم کے اسماء قابل ذکر ہیں۔
- مرکزی جمعیت اہل حدیث ابتداء میں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے نام سے موسوم تھا۔

- 1957 میں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کو مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے نام سے موسوم کیا گیا۔
- مرکزی جمعیت اہل حدیث کے پہلے امیر حافظ عبداللہ غازی پوری، ناظم عمومی مولانا ثناء اللہ امرتسری، اور خازن بیت المال علامہ شمس الحق ڈیالوی تھے۔
- مرکزی جمعیت اہل حدیث کے موجودہ امیر مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی، ناظم عمومی مولانا محمد ہارون سنابلی اور ناظم مالیات وکیل پرویز ہیں۔
- موجودہ مرکزی جمعیت اہل حدیث کا صدر مقام دہلی ہے۔
- مرکزی جمعیت اہل حدیث کی دعوت خالصتا توحید کی دعوت ہے۔
- مرکزی جمعیت اہل حدیث قرآن وحدیث کی تعلیمات کو اپنا سرچشمہ ہدایت سمجھتے ہیں۔
- یہ مذہب اربعہ کو برحق مانتے ہیں اور اس مذہب کو پسند کرتے ہیں جو دلائل کے اعتبار سے سب سے زیادہ قوی، احوط اور صحیح ہو۔

6.12 نمونہ امتحانی سوالات

6.12.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1. مرکزی جمعیت اہل حدیث کی تاسیس کب عمل میں آئی۔

1900.(a) 1905.(b) 1910.(c) 1906.(d)

2. جماعت اہل حدیث کو تنظیمی ڈھانچہ میں تبدیل کرنے کا اولین سہرا کس کو جاتا ہے؟

(a).مولانا عبدالوہاب (b).مولانا ثناء اللہ امرتسری (c).محمد ابراہیم سیالکوٹی (d).عبداللہ غازی پوری

3. مرکزی جمعیت اہل حدیث ابتدا میں کس نام سے موسوم تھا۔

(a).جماعت الشبان (b).جماعت غرباء (c).جماعت الدعوہ (d).آل انڈیا حدیث کانفرنس

4. آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کو مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے نام سے کب موسوم کیا گیا؟

1950.(a) 1957.(b) 1955.(c) 1960.(d)

5. مرکزی جمعیت اہل حدیث کے پہلے امیر کون تھے۔

(a).عبداللہ غازی پوری (b).علامہ شمس الحق ڈیالوی (c).مولانا ثناء اللہ امرتسری (d).مولانا ابراہیم سیالکوٹی

6. مرکزی جمعیت اہل حدیث کے پہلے ناظم کون تھے۔

(a) .مولانا ثناء اللہ امرتسری (b).مولانا عبدالسلام (c).حافظ عبداللہ روپڑی (d).مولانا عبدالرحمان مبارک

7. مرکزی جمعیت اہل حدیث کا صدر مقام کہاں پر ہے؟

(a). بنارس (b). دہلی (c). ممبئی (d). حیدرآباد

8. ہفت روزہ اخبار 'اہل حدیث' کے ایڈیٹر کون تھے؟۔

(a). اصغر علی امام مہدی (b). مولانا عبدالسلام (c). مولانا ثناءاللہ امرتسری (d). عبداللہ غازی پوری

9. مرکزی جمعیت اہل حدیث کے موجودہ امیر کون ہیں؟

(a). عبداللہ غازی پوری (b). اصغر علی امام مہدی (c). مولانا ہارون سنابلی (d). حافظ عبداللہ روپڑی

10. مرکزی جمعیت اہل حدیث کے موجودہ خازن بیت المال کون ہیں؟

(a). وکیل پرویز (b). اصغر علی امام مہدی (c). مولانا ہارون سنابلی (d). مولانا عبداللہ رحمانی

6.12.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1. مرکزی جمعیت اہل حدیث کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالیں۔
2. مرکزی جمعیت اہل حدیث کا منہج اور تنظیم و تشکیل کو مختصراً ذکر کریں۔
3. مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے نصاب تعلیم کو قلم بند کریں۔
4. مرکزی جمعیت اہل حدیث کی انفرادیت پر روشنی ڈالیں۔
5. مرکزی جمعیت اہل حدیث کی رفاہی و سماجی خدمات پر روشنی ڈالیں۔

6.12.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. مرکزی جمعیت اہل حدیث کے قیام و تاریخی پس منظر پر تفصیلی گفتگو کریں۔
2. مرکزی جمعیت اہل حدیث کے شعبہ جات اور اس کے امتیازات پر روشنی ڈالیں۔
3. بیرون ملک سلفی جماعتوں کا تعارف کرائیں۔

6.13 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. اہل حدیث منزل بہ منزل : پروفیسر ڈاکٹر عبدالراشد
2. برصغیر میں اہل حدیث کی سرگزشت : مولانا محمد اسحاق بھٹی
3. تحریک اہل حدیث کا تاریخی پس منظر : ممتاز احمد عبداللطیف
4. تحریک اہل حدیث تاریخ کے آئینہ میں : قاضی محمد اسلم سیف
5. تاریخ اہل حدیث : حضرت مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی

6. یادگار مجلہ اہل حدیث : ترتیب اصغر علی امام مہدی، خالد حنیف صدیقی
7. اہل حدیث کا تعارف : ابو حماد عبد الغفار سلفی
8. ہندوستان میں اہل حدیث کی علمی خدمات : مولانا ابو یحیی خاں نوشہروی
9. تاریخ اہل حدیث : ڈاکٹر محمد منیر زبیر الراعی السلفی

معروضی سوالات کے جوابات:

1. D	2. B	3.D	4. B	5.A
6.C	7.B	8.C	9.B	10. A

اکائی 7: دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء

اکائی کے اجزا:

7.0 تمہید

7.1 مقاصد

7.2 دارالعلوم دیوبند کا قیام اور اس کا پس منظر

7.2.1 پس منظر

7.2.2 قیام

7.2.3 دارالعلوم دیوبند کے قیام کا مقصد

7.2.4 نصاب و درجات تعلیم

7.3 ندوۃ العلماء

7.3.1 ندوۃ العلماء کے قیام کا پس منظر

7.3.2 اغراض و مقاصد

7.3.3 رائج نصاب تعلیم

7.3.4 تعارف ندوہ اور ملت کا رد عمل

7.3.5 لکھنو میں ندوۃ

7.4 اکتسابی نتائج

7.5 فرہنگ

7.6 نمونہ امتحانی سوالات

7.6.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

7.6.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

7.6.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

7.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد

7.0 تمہید

انیسویں صدی عالم اسلام کے لیے سیاسی اور فکری زوال کی صدی ہے۔ ہندوستان میں بھی سلطنت مغلیہ اور مسلمانوں کے سیاسی اقتدار کا چراغ گل ہو چکا تھا اور انگریز اس پر قابض ہو چکے تھے۔ ایسے حالات میں مولانا محمد قاسم نانوتوی اور محمد علی مونگیری کی شخصیت نے وقت کی ضرورتوں کو محسوس کر کے دینی تعلیمی تحریک کی بنیاد ڈالی۔ 1857ء کی جنگ کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں نے اپنی مذہبی روایات اور شناخت کو محفوظ رکھنے کے لئے جو کوششیں کیں ان میں دارالعلوم دیوبند اور ندوۃ العلماء دونوں مدارس اہمیت کے حامل ہیں۔ یہ ادارے برصغیر خصوصاً ہندوستان میں اسلام کی نشر واشاعت کا اہم ذریعہ رہے ہیں۔ ان اداروں سے ایسے فضلاء تیار ہوئے جنہوں نے وقت اور حالات کے مطابق دینی تقاضوں کو پورا کیا اور امت مسلمہ کی رہنمائی فرمائی۔ حالانکہ دونوں مدارس کے قیام کے مقاصد الگ تھے۔ دارالعلوم دیوبند کو اسلامی علوم کی حفاظت اور اس کی اشاعت کے لئے قائم کیا گیا جب کہ ندوۃ العلماء لکھنو کا قیام دینی نصاب و نظام تعلیم کی کمیوں کو دور کرنے اور دینی علوم کی ترقی کے لئے قائم کیا گیا۔

7.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد ہے کہ آپ:

- دارالعلوم دیوبند کے قیام، پس منظر اور اغراض و مقاصد بیان کر سکیں۔
- ندوۃ العلماء کے قیام، مقاصد اور نمایاں خدمات کی وضاحت کر سکیں۔
- دونوں اداروں کی تعلیمی، دینی اور سماجی خدمات کا تجزیہ کر سکیں۔
- برصغیر میں دینی و تعلیمی خدمات کے فروغ میں ان اداروں کی اہمیت کو واضح کر سکیں۔
- قومی و ملی تعمیر میں دینی تعلیمی اداروں کے کردار کی قدر و اہمیت کو سمجھ سکیں۔

7.2 دارالعلوم دیوبند کا قیام اور اس کا پس منظر

7.2.1 پس منظر

1857ء کی جنگِ آزادی میں ہندوستانیوں کی شکست ہوئی اور مکمل طور پر ملک میں برطانوی سامراج کا قبضہ ہو گیا۔ جس کے بعد

برصغیر میں مسلمانوں کی سیاسی، دینی اور تعلیمی حالت شدید متاثر ہوئی۔ اس جنگ کے بعد علماء کا بڑا طبقہ انگریزوں کے انتقام کا شکار ہو گیا۔ جنگ کے بعد ہندوستان میں جب مکمل طور پر برطانوی حکومت قائم ہوگئی تو اس حکومت کی وجہ سے مسلمانوں کو کئی چیلنجز پیش آئے۔ انگریزی حکومت نے دینی تعلیم اور اسلامی تہذیب پر مختلف پابندیاں عائد کیں، علماء اور مسلمانوں پر ظلم و ستم کے ساتھ ساتھ اوقاف کے تحت جو مدارس چلتے تھے، برطانوی حکومت نے اس کو ضبط کر لیا اور سیکڑوں سال پر محیط مسلمانوں کا تعلیمی نظام درہم برہم ہو گیا۔ اس جنگ کے بعد مسلمانوں کی زندگی کا گھیرا تنگ کر دیا گیا اور ان پر ظلم کے پہاڑ توڑے گئے۔ اس عہد میں مسلمانوں کا جان و مال، عزت اور حکومت کا خاتمہ کرنے کی پوری کوشش کی گئی اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کے دلوں سے اسلام کو بھی نکالنے کی تدبیریں کی گئیں۔ اس کے علاوہ پورے ملک میں عیسائی مبلغین اپنے مشن کی تکمیل کے لئے پھیل گئے اور ان لوگوں کو حکومت کی سرپرستی حاصل تھی کہ وہ پوری یکسوئی کے ساتھ تبلیغ و اشاعت کا کام کر سکیں۔ اسی پس منظر میں اکابر علماء نے یہ فیصلہ کیا کہ ایک ایسے دینی تعلیمی ادارے کا قیام عمل میں لایا جائے جو قرآن و سنت کی تعلیم، اسلامی علوم کی اشاعت، دینی اقدار کے تحفظ اور باصلاحیت علماء کی تیاری کا مرکز بنے۔ اس وقت علماء اور مسلمانوں نے اسلامی احکامات کی دفاع اور شناخت کو محفوظ کرنے لے لئے جو کوششیں کیں ان میں مدرسہ دارالعلوم دیوبند کا قیام اہمیت کا حامل ہے۔ اتر پردیش کے شہر دیوبند میں دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی گئی۔ اس ادارے کے قیام میں مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی اور دیگر اکابر علماء نے اہم کردار ادا کیا۔

7.2.2 قیام

30/مئی 1866ء کو چھتہ والی مسجد کے صحن میں انار کے ایک پیڑ کے نیچے نہایت سادگی کے ساتھ دارالعلوم دیوبند کا افتتاح عمل میں آیا۔ آج جو مدرسہ دارالعلوم دیوبند کے نام سے مشہور ہے، اس کا جب افتتاح ہوا تو نہ کوئی عمارت اور نہ طالب علموں کی جماعت صرف ایک استاد اور ایک طالب علم یہ پورا سرمایہ تھا۔ مولانا ملا محمود دیوبندی جو قرب وجوار میں علم و فضل کے اعتبار سے بڑے عالم شمار کئے جاتے تھے ان کو اس مدرسہ کا استاد مقرر کیا گیا، اس مدرسے کے پہلے طالب علم مولانا محمود حسن تھے۔ حسن اتفاق پڑھنے اور پڑھانے والے دونوں کا نام محمود تھا۔ یہ مدرسہ صرف ایک درس گاہ نہیں تھی بلکہ برصغیر میں دینی تعلیم کی تحریک کا آغاز تھا، اس کی شروعات پوری حکمت عملی کے ساتھ کی گئی تھی۔ اس تحریک نے ہندوستان میں مضبوط دفاعی حصار تیار کیا، جس نے امت مسلمہ کو روحانی و علمی شکست سے بچانے میں اہم رول ادا کیا ہے۔ اوقاف ضبط ہونے کے بعد مدارس کی آمدنی ختم ہو چکی تھی اور اس ضرورت کو محسوس کیا گیا کہ اوقاف کے پرانے طریق کار کے بجائے کوئی نیا راستہ منتخب کیا جائے۔ حضرت نانوتوی کے اصول ہشتگانہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ عوامی چندے پر انحصار کیا جائے جس میں نہ حکومت اور جاگیرداروں کی مالی امداد شامل ہو تاکہ مدرسہ کلی طور پر آزاد رہ کر قوم وملت کی خدمت انجام دے سکے۔ عوامی چندے کا یہ طریقہ بہت کامیاب اور اثر انداز رہا۔ مدارس دینیہ کے قیام اور اس کی نشرواشاعت کے لئے یہ ایسا مضبوط لائحہ عمل تھا جس نے دینی تعلیم کو بڑھاوا دینے کے لئے عوامی چندے کی تحریک میں منتقل کر دیا۔ اسی کی بدولت دارالعلوم کے قیام کے کچھ ماہ بعد ہی مدرسہ مظاہر العلوم اور دیگر مقامات دینی مدارس کا قیام عمل میں آیا۔

کچھ عرصے بعد جب چھتہ والی مسجد چھوٹی پڑنے لگی تو قریب میں مسجد قاضی میں اس مدرسہ کو منتقل کر دیا گیا، کچھ دنوں بعد یہ جگہ بھی تنگ ہو گئی تو اسی مسجد کے پاس ایک مکان کرایہ پر لیا گیا۔ اب منتظمین کو اس بات کا احساس ہوا کہ مدرسہ کے لئے ایک وسیع و عریض عمارت کی ضرورت ہے۔ دیوبند کی جامع مسجد کا تعمیراتی کام چل رہا تھا یہ فیصلہ لیا گیا کہ اسی مسجد میں مدرسہ کے لئے کمرے اور دالان بنائیں جائیں، غرض اس فیصلے کو عوام کے سامنے رکھا گیا اور چندے کی اپیل کی گئی۔ جامع مسجد مکمل ہونے کے بعد مدرسہ کو اسی میں منتقل کر دیا گیا۔ دارالعلوم قائم ہوتے ہی ملک و بیرون ملک سے طلبا جوق در جوق اس مدرسے میں اپنی علمی پیاس بجھانے کے لئے حاضر ہونے لگے، مدرسین کی تعداد میں اضافہ کیا گیا۔ مدرسہ کا نظم و نسق شروعاتی دنوں سے شوریٰ کی بنیاد پر قائم کیا گیا اور اس کام کے لئے مجلس شوریٰ کی کمیٹی بنائی گئی، پہلی کمیٹی سات لوگوں پر مشتمل تھی۔ مدرسہ کے روز بروز ترقی اور تعداد میں اضافہ کو دیکھتے ہوئے حضرت قاسم نانوتوی کی خواہش پر مجلس شوریٰ میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ اس مدرسہ کو آبادی کے باہر منتقل کیا جائے اور مدرسہ کے لئے وسیع و عریض بلڈنگ تیار کی جائے۔ چنانچہ جلسہ انعام کے موقع سے اس فیصلے سے لوگوں کو آگاہ کیا گیا، جس کو حاضرین نے پسند کیا۔ ابتدائی دور میں اس مدرسہ کو مدرسہ اسلامی عربی کے نام سے جانا جاتا رہا۔ تیرہویں سال سے باقاعدہ مدرسہ دارالعلوم دیوبند کے نام سے موسوم کیا گیا۔ دارالعلوم کے قیام کے ابتدائی چودہ پندرہ سال حضرت مولانا قاسم نانوتوی کی زیر نگرانی یہ مدرسہ رہا، آپ نے اس کی آفاقیت، علمی بلندی اور تعلیمی و تربیتی ترقیات کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے۔ مختصراً یہ کہ دارالعلوم دیوبند مولانا کی مذہبی فہم و فراست اور علمی قابلیت کا عملی نمونہ ہے۔ موجودہ دور میں اگر جائزہ لیا جائے تو ہندوستان میں قائم مدارس کے وسیع نیٹ ورک میں اس مدرسے کو نمایاں اہمیت حاصل ہے۔ علمائے دیوبند کی علمی و تصنیفی کاموں کا ملک بھر کے علاوہ عالمی پیمانے پر اعتراف کیا گیا ہے۔ اس مدارس کے فارغین نے درس و تدریس اور وعظ و نصیحت کے میدان میں نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس مدرسے سے ہر سال ہزاروں افراد فراغت حاصل کرتے ہیں اور درس و تدریس، امامت و خطابت، تصنیف و تالیف سے منسلک بالواسطہ یا بلاواسطہ اشاعت دین کا اہم فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ یہ سلسلہ ہندوستان سے باہر عرب ممالک، یورپ و امریکہ و افریقی ممالک تک پھیلا ہوا ہے۔

7.2.3 دارالعلوم دیوبند کے قیام کا مقصد

اس مدرسے کو جس مقصد کے تحت قائم کیا گیا تھا اس کی تفصیل دارالعلوم کے دستور اساسی میں رقم ہے۔ اس کی تفصیل ذیل میں بیان کی جارہی ہے:

1. قرآن مجید، تفسیر، حدیث، عقائد و کلام اور ان کے علوم کے متعلقہ ضروری اور مفید فنون آلیہ کی تعلیم دینا، اور مسلمانوں کو مکمل طور پر اسلامی معلومات بہم پہنچانا، رشد و ہدایت اور تبلیغ کے ذریعے اسلام کی خدمت انجام دینا۔
2. اعمال و اخلاق اسلامیہ کی تربیت اور طلباء کی زندگی میں اسلامی روح پیدا کرنا۔
3. اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور دین کا تحفظ و دفاع، اور اشاعت اسلام کی خدمت بذریعہ تحریر و تقریر بجالانا اور مسلمانوں میں تعلیم و تبلیغ کے ذریعے سے خیر القرون اور سلف صالحین جیسے اخلاق و اعمال اور حذبات پیدا کرنا۔

4. حکومت کے اثرات سے اجتناب واحتراز اور علم وفکر کی آزادی کو برقرار رکھنا۔

5. علوم دینیہ کی اشاعت کے لئے مختلف مقامات پر مدارس عربیہ قائم کرنا اور ان کا دارالعلوم سے الحاق۔ (تاریخ دارالعلوم دیوبند ص142)

ان مقاصد کے تحت اس مدرسے کا قیام کیا گیا اور کوشش کی گئی کہ مستقبل کے لئے ایسا طریقہ اپنایا جائے جس سے دین، اسلامی تہذیب اور اسلام علوم کو بچایا جاسکے۔ اس کے علاوہ صرف درس وتدریس ہی اس کے مقاصد میں شامل نہیں تھا بلکہ ایسا مرکز بنانا تھا جہاں امت مسلمہ کی منتشر صلاحیتوں کو اجتماعی شکل دیا جاسکے۔ دارالعلوم کے مقاصد اور اس وقت کے مسلمانوں کی حالت پر مولانا محمد یعقوب نانوتوی نے اپنی تقریر میں بیان کیا:

"اس مدرسہ کی بنا محض علوم دین کے احیاء کے لئے ہوئی یہ وہ زمانہ تھا جس میں بعد غدر ہندوستان نے تھوڑا وقت گذار لیا تھا اور مجموعہ حال کے دیکھنے سے یوں نظر آتا تھا کہ اب علم دین کا خاتمہ ہے، نہ کوئی پڑھ سکے نہ پڑھا سکے، بڑے بڑے شہر کے مرکز اس دائرہ کے تھے خراب ہوگئے تھے، علما پریشان، کتب مفقود، جمعیت ندارد اگر کسی قلب میں شوق علم اور طلب کی ہمت ہوئی تو کہاں جائے اور کس سے سیکھے اور یوں نظر آتا تھا کہ بیس تیس برس میں جو علماء بقید حیات ہیں اپنے وطن اصلی جنت کو سدھار جائیں گے، تب کوئی اتنا بتلانے والا بھی نہ رہے گا کہ وضو کے کتنے فرض اور نماز میں کیا واجب ہے، ایسی پریشانی اور مایوسی اور نومیدی میں فضل الٰہی نے جوش مارا اور رحمت خداوندی کا دریا امڈ آیا اور ابر فیض قدرت کامل کا موسلا دھار برسا اور اپنے بندگان مقبول کو اس کام کی طرف متوجہ فرمایا اور اپنا ابر کرم اس مدرسہ کی بنا میں ظاہر فرمادیا"۔ (تاریخ دارالعلوم دیوبند، ایضاص143)

7.2.4 نصاب ودرجات تعلیم

دارالعلوم دیوبند نے اپنے قیام کے بعد نصاب کی طرف کافی توجہ دی اور نصاب میں ماضی قریب کے برصغیر کے رائج کردہ تینوں علمی گہواروں دہلی، لکھنو اور خیر آباد کی خصوصیات کو شامل کیا۔ درس نظامی کو بنیاد بناتے ہوئے صحاح ستہ، فرنگی محل کی خصوصیات فن فقہ اور خیر آباد کے فن منطق کو اپنے نصاب میں جگہ دی۔ دارالعلوم دیوبند اور اس سے ملحقہ مدرسہ میں آج بھی یہی نصاب تعلیم کم وبیش رائج ہے۔ اس نصاب کے پیش نظر میں باریک بینی سے غور کرنے اور قوت مطالعہ کی صلاحیت کو بڑھانے پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ اس وقت دیوبند اور اس سے ملحق اداروں میں تقریباً تیس موضوعات کی پچاس سے زیادہ کتابیں فضیلت تک پڑھادی جاتی ہیں۔ ان موضوعات میں تفسیر وترجمہ قرآن، حدیث واصول حدیث، فقہ واصول فقہ، نحو وصرف، معانی وبیان وبلاغت، منطق وفلسفہ، تاریخ وتصوف، عقائد وادب اور تجوید وغیرہ جیسے علوم کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ ابتدائی کچھ کتب کو الگ کردیا جائے تو زیادہ تر کتابیں عربی زبان میں ہے۔ دورہ حدیث کی تکمیل کے بعد طلبہ کی دلچسپی اور استعداد کے مطابق کسی ایک فن میں تخصص کی سہولت فراہم کی جاتی ہے۔ وقت کی ضرورت کے مطابق انگریزی زبان وادب اور کمپیوٹر کے بھی کچھ کورس متعارف کئے گئے ہیں جو اس میدان میں شغف رکھنے والے طالب علم کے لئے آگے بڑھنے کا موقع فراہم کرتے ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کا نصاب عرف عام درس نظامی کے نام سے مقبول ہے لیکن بعینہ اسی شکل میں اس کو نہیں لیا گیا بلکہ اس میں کافی

ردوبدل ہو گیا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس نصاب کی بنیاد درس نظامی ہی ہے۔ مولانا نصاب کی تبدیلی کے سلسلے میں یہ لکھتے ہیں کہ:

"نصاب کی تبدیلی کے سلسلے میں ایک بات ضرور یاد رکھنی چاہیے کہ دارالعلوم دیوبند اور اس جیسے مدارس کا مقصد دینی علوم و ثقافت کی حفاظت اور اسلام کی نشر واشاعت ہے۔ لہٰذا ایسی کوئی تبدیلی جو اس عظیم مقصد میں خلل انداز ہو قطعاً قبول نہیں کی جاسکتی ہے۔ علوم عالیہ یعنی قرآن، حدیث اور فقہ کو صحیح طور پر سمجھنے اور ان میں درک حاصل کرنے کے لئے جن علوم کی ضرورت ہوتی ہے، ان علوم کی تعلیم ہی ان مدارس کا اصل مقصد ہے۔ اس میں دوسرے علوم وفنون کی گنجائش محض اس حد تک ہے جب تک کہ یہ دوسرے علوم ان مدارس کے اصل مقصد میں حائل یا مخل نہ ہوں۔ اسی لئے نصاب تعلیم میں کسی بھی جزوی ترمیم اور حذف واضافہ کے وقت یہ امر بہر حال ملحوظ رہتا ہے کہ نصاب تعلیم کا بنیادی ڈھانچہ اور اس نصاب تعلیم کا اصل مقصد متاثر نہ ہو"۔ (دارالعلوم دیوبند کی جامع و مختصر تاریخ ص 243)

نصاب کے متعلق تاریخ دارالعلوم دیوبند کے مورخ محبوب رضوی لکھتے ہیں:

دارالعلوم کے نصاب تعلیم میں اس بات کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے کہ اس کے ذریعے سے طالب علم اسلام کی روحانی اور اخلاقی قدروں کی حفاظت کے ساتھ ساتھ اسلامی علوم وفنون میں بھی پورے طور پر دست رس اور مہارت حاصل کر سکے تاکہ یہاں سے نکلنے کے بعد ملت کی مخلصانہ قیادت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے اہل ہو جائے اور اسلامی دعوت و تبلیغ کی جدوجہد میں اہم کردار ادا کر سکے، دارالعلوم میں طلباء کو یہ باور کرانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ ان کی تعلیم کا مقصد ڈگریاں حاصل کرنا یا سرکاری ملازمتوں اور عہدوں کے لئے تیاری کرنا ہر گز نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک خالص دینی تعلیم ہے۔ ہندوستان کے سیاسی اور جغرافیائی حالات کا تقاضا ہے کہ مسلمانوں میں ایک ایسی جماعت موجود رہنی چاہیے جو اعلاء کلمۃ اللہ اور احیاء سنت کے لئے ہمیشہ سرگرم عمل رہے، خدا کا شکر ہے کہ دارالعلوم دیوبند اپنے اس تعلیمی مقصد میں کامیاب ہے، اس درس گاہ سے ہزاروں کی تعداد میں ایسے علماو مبلغین و مصنفین و قائدین نکلے ہیں جنہوں نے دارالعلوم کے اس مقصد سے کبھی گریز نہیں کیا ہے۔ ت (ارتخ دارالعلوم دیوبند ص 290)

دارالعلوم دیوبند میں تعلیم کا نظم ابتدائی اسلامی تعلیم سے لے کر اعلیٰ تعلیم تک ہے۔ اس مدرسے کا سب سے اہم کورس فاضل ہے جس کی مدت آٹھ سال ہے۔ فاضل کورس کے پہلے چار سال میں مدرسہ ثانویہ کی شکل میں علیحدہ ہے، جس میں عربی صرف ونحو، عربی انشاء، منطق، ترجمہ قرآن، تاریخ اور مبادی پڑھائی جاتی ہے۔ درجات متوسطہ اور درجات عالیہ دوسال پر مشتمل ہے۔ آخر کے بقیہ سالوں میں تفسیر، اصول تفسیر، اصول فقہ، فقہ، حدیث، اصول حدیث اور معانی وبلاغت کو پڑھایا جاتا ہے۔ اس کورس کا آخری سال دورہ حدیث کے نام سے جانا جاتا ہے جس میں صحاح ستہ، موطا امام مالک، طحاوی اور شمائل ترمذی کتب حدیث روایۃً ودرایۃً پڑھائی جاتی ہے۔ اس کورس کو ہندوستان کی مختلف یونیورسٹیوں میں بی۔ اے کی ڈگری کے برابر تسلیم کیا جاتا ہے۔ فاضل کی تکمیل کے بعد تخصصات کا ڈیپارٹمنٹ ہے۔ جس میں شعبہ کی ضرورت کے تحت تکمیلات کا دورانیہ متعین کیا گیا ہے۔ (دارالعلوم دیوبند کی جامع و مختصر تاریخ ص 255)

دلی کی بربادی کے بعد دیوبند میں مدرسے کا قیام مسلمانوں کی دینی خدمت کے لئے اشد ضرورت تھی۔ اس مدرسے نے برصغیر کے مسلمانوں کی مذہبی واجتماعی زندگی کو بچانے میں منفرد کردار نبھایا ہے۔ دہلی میں نئے نظام تعلیم کے شروع ہونے کے بعد مسلمانوں کے لئے

سرکاری نوکری کے دروازے بند کر دئے گئے۔ اس عہد میں مسلمانوں کے اندر اقتصادی و معاشی زوال بڑھ گیا، اس مشکل حالات سے باہر آنے کے لئے وقت کی ضرورت تھی کہ کوئی ایسی تحریک چلائی جائے جو مسلمانوں کے دلوں میں جو خوف وڈر پیدا ہو گیا ہے اس کو ختم کر سکے اور ان پریشانیوں کا ازالہ کر سکے۔ ایسے میں دارالعلوم دیوبند کی تحریک نے مسلمانوں کے زخموں پر مرہم کا کام کیا۔ تاریخ کا مطالعہ کریں تو اندازہ ہوتا ہے کہ ہندوستان میں مسلمان یا اسلامی تعلیمات پر جو بہتان لگائے گئے ان کے دفاع میں اس مدرسہ کی کوششوں سے غفلت نہیں برتی جاسکتی اور کوئی تذکرہ ان کی مساعی جمیلہ سے خالی نہیں رہ سکتا۔ تحفظ اسلام کے سلسلے میں دینی مدارس کا قیام اور تعلیمی تحریک جو یہاں سے شروع ہوئی اس نے ہندوستان میں مسلمانوں کی زندگیوں میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ دہلی کے زوال کے بعد برصغیر میں علمی نمائندگی دیوبند کے حصے میں آئی اور بڑی عظیم شخصیتوں کو اس مدرسے نے پیدا کیا، ہندوستان کے بے شمار نامور علماء وفضلاء نے اس کی آغوش میں پرورش پائی۔

7.3 ندوۃ العلماء

7.3.1 ندوۃ العلماء کے قیام کا پس منظر

1857ء کی تحریک کے ناکام ہونے کے بعد انگریزوں کا غصہ پورے طور پر مسلمانوں پر تھا جس کی وجہ سے انہوں نے مسلمانوں سے بدلہ لینا شروع کر دیا۔ ان حالات میں دو تحریکیں وجود میں آئیں ۔ایک تحریک کی قیادت مولانا محمد قاسم نانوتوی نے کی اور دارالعلوم دیوبند کا قیام1866ء عمل میں آیا۔ دوسری تحریک کی بنیاد سرسید اور ان کے رفقانے 1877ء میں ایم۔ اے۔ او کالج کی بنیاد ڈالی۔ پہلی تحریک خالص دینی تھی جس کے حامی علمائے دین تھے جب کہ دوسری تحریک میں سرسید احمد خان اور نئے مکتب فکر کی سوچ کے حامل افراد تھے۔ دینی قیادت کے افراد نے دین کے سرمایے کی حفاظت اور مسلمانوں کے دینی تشخص کو بچانے کے لیے دینی مدارس کے قیام کو ضروری سمجھا تاکہ مسلمان سیاسی خستہ حالی کے بعد کم سے کم اخلاقی و دینی زوال کے شکار نہ ہوں۔ ان مدارس سے ایسے لوگ تیار کیے جائیں جو اسلامی شریعت کے واقف کار ہوں اور اپنی شناخت کے ضامن ہو سکیں۔ مولانا قاسم نانوتوی اور سرسید احمد خاں میں بہت سی باتیں مشترک تھیں۔ دونوں لوگ ایک ہی استاد کی شاگرد تھے اور دونوں کا مقصد بھی ایک تھا۔ دونوں لوگوں نے امت مسلمہ کی اصلاح کی ذمہ داری اٹھائی۔ دونوں لوگ مسلم سماج کی صورت حال دیکھ کر بے چین ہوتے لیکن دونوں کے نظریات اور طریق کار میں بڑا اختلاف تھا۔ مولانا قاسم مسلم معاشرے کی اصلاح کے لیے مذہبی تعلیم پر زور دے رہے تھے چنانچہ دارالعلوم دیوبند نے خالص مذہبی تعلیم کے ذریعے اس تحریک کو فروغ دیا اور حکومت کے ساتھ عدم تعاون کی حکمت عملی پر کاربند رہے۔ اس کے برعکس علی گڑھ نے مغربی تعلیم اور دینیات کے اشتراک سے اس مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اس کے علاوہ حکومت وقت سے اتحاد اور تعاون کی پالیسی پر عمل پیرا رہے۔ نظریات میں فرق اور طریق کار الگ ہونے کے باوجود دونوں نے ملک اور مسلم سماج کی بیش بہا خدمات انجام دیں۔

یہ دونوں تحریکیں ہندوستان میں بڑی شان وشوکت کے ساتھ اپنی خدمات انجام دے رہی تھیں لیکن ان دونوں تحریکوں میں فکری

اختلاف تھا اور دونوں کے کارکن ایک دوسرے کے سامنے صف آرا تھے کیوں کہ ایک تحریک (علی گڑھ) جو نئے علوم کا حصول، مذہب کی عقل سے تفہیم، سماجی اصلاح کے لیے کوشاں تھی تو دوسری طرف وہ تحریک (دارالعلوم دیوبند) جو اسلامی پہچان اور اسلام کی بقا کے لیے وجود میں آئی تھی۔ غرض مسلم معاشرہ دو طبقوں میں تقسیم ہو چکا تھا ایک طرف عالم دین جو مدارس سے فراغت حاصل کر رہے تھے تو دوسری طرف یونیورسٹی اور کالجوں کے لوگ تھے۔ ان دونوں طبقوں کے درمیان اجنبیت اور ناشناسائی تھی اسی وجہ سے ان دونوں کے درمیان مسافت بڑھتی گئی۔ وقت نے معاشرے کو ایسے موڑ پر لا کھڑا کر دیا تھا کہ مختلف مسلک اور فرقے ایک دوسرے کو کم تر دکھانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ یہ وہ دور تھا کہ مسلمان آپس میں ہی لڑ رہے تھے، اپنے ہی لوگوں کو اور اسلام کے ماننے والوں کو نیچا دکھا رہے تھے۔ ایک دوسرے کو لعن طعن کر رہے تھے۔ اس صدی میں تقریباً پوری اسلامی دنیا کی یہی کیفیت تھی۔ مناظروں کا بازار گرم تھا اور تضحیک سے بات بڑھ کر مقدمہ اور فوج داری تک پہنچ چکی تھی۔

دوسری طرف مغربی تہذیب بزرگوں کی روایت کو کچل رہی تھی۔ برطانوی حکومت ملک پر دن بہ دن اپنا شکنجہ مضبوط کرتی جا رہی تھی۔ عیسائی مناظر بھی اپنے دست کو وسعت دے رہے تھے۔ اسلام و اسلامی تعلیمات کے خلاف اپنی فکر کی ترویج منصوبہ بند طریقے سے کر رہے تھے لیکن مسلمان فکری طور پر ایک دوسرے کو ناتواں اور برباد کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ مقلدین اور غیر مقلدین کی کشمکش میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔ اس دور میں ہندوستان کے مقتدر شخصیات پر کفر کے فتوے بھی لگائے گئے غرض ملت اسلامیہ کا شیرازہ پوری طرح بکھر چکا تھا۔ اس کے علاوہ قدیم و جدید کی کھینچا تانی بھی عروج پر تھی۔ انیسویں صدی کے اواخر میں جب مغربی تہذیب چاق و چوبند نظر آ رہی تھی اور مشرقی تہذیب تنزلی کی طرف تھی۔ ان دونوں تہذیبوں کے درمیان کی کشمکش بھی اپنے عروج پر تھی۔ جس کے سیاسی، معاشی و تہذیبی پہلو بھی تھے۔ اس صدی میں متعدد تحریکیں منظر عام پر آئیں اور اپنے دائرے میں اسلام اور مسلمانوں کی قابل قدر خدمات انجام دیں۔

دیوبند کے قائم ہوئے 26 سال کا عرصہ گزر چکا تھا اور ایم۔ اے۔ او۔ کالج علی گڑھ کے اٹھارہ سال ہونے کو تھے۔ ایسے پر فتن دور میں مولانا سید علی مونگیری نے ان دونوں طبقوں (دارالعلوم دیوبند، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) کے درمیان ایک پل بنانے کا ارادہ کیا جہاں بغیر مترجم کے ان دونوں طبقوں میں افہام و تفہیم ممکن ہو۔ اس تحریک کو لے کر 1892ء میں مدرسہ فیض عام کانپور کے جلسہ دستار بندی کے وقت ندوۃ العلماء کا خیال علماء کے سامنے پیش کیا۔ دردمند حضرات نے اس پیش کش کو قبول کیا اور یہ طے پایا کہ علما کی ایک مستقل انجمن قائم کی جائے اور اگلے سال اس کے جلسے کا اہتمام کیا جائے جس میں ہندوستان کے جید علمائے کرام کو دعوت دی جائے کہ وہ اس میں شریک ہوں۔ دو سال بعد 1894ء کو پھر سے فیض عام کی دستار بندی کے ساتھ ندوۃ العلماء کا پہلا اجلاس بڑے جاہ و حشم کے ساتھ منعقد ہوا۔ اس موقع پر ملک کے دردمند حضرات ایک ساتھ بیٹھے، اس میٹنگ میں ماہرین تعلیم کے سبھی افراد کو دعوت دی گئی۔ یہ لوگ کسی ایک طبقے سے تعلق نہ رکھتے تھے بلکہ مختلف مکاتب فکر سے جڑے ہوئے تھے۔ یہ سبھی لوگ معاشرے کی دن بہ دن تنزلی کو لے کر بے چین تھے اور خواہش مند تھے کہ صورت حال بدلنی چاہیے۔ اس میں متفقہ رائے سے قرار داد منظور کی گئیں اور اس قرارداد میں "ندوۃ العلماء" نام کا انتخاب کیا گیا۔ اس کی بنیاد یہ طے کی گئی کہ مسلمانوں کا باہمی اتحاد، اسلامی اصول اور شریعت اسلامی کو مد نظر رکھ دینی نصاب علوم میں ممکن

تبدیلیاں جو حالات حاضرہ کی ضرورتوں کو پورا کر سکیں۔ اس انجمن سے ایسے علماء تیار کیے جائیں جو قدیم وجدید دونوں طبقوں کی رہنمائی کر سکیں اور امت مسلمہ کی دینی، فکری وعلمی قیادت کی اس خلا کو پُر کر سکیں جو زمانہ دراز سے خالی چلی آرہی ہیں۔ اس کے پہلے ناظم مولانا سید علی مونگیری منتخب ہوئے۔

1894ء میں جس تحریک کا عملاً آغاز ہوا تھا وہ اپنے اصلاحی و تعمیری منزل کی طرف رواں دواں تھی۔ اس تحریک کے سالانہ اجلاس پابندی کے ساتھ ہندوستان کے مرکزی شہروں میں ہوتے رہے اور اس کی شہرت پورے ملک میں ہوتی رہی۔ اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کا کام 1898ء میں لکھنو میں "دارالعلوم ندوۃ العلماء" سے شروع کیا گیا۔ اس تحریک سے ایک سے بڑھ کر ایک حضرات منصہ شہود پر آئے اور ان لوگوں نے ندوہ کے نام کو بلندیوں پر پہنچایا اور دنیا کو متعارف کرایا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ یہاں کے فضلاء کو دینی و دنیاوی دونوں جماعتوں کی تائید حاصل تھی۔

7.3.2 اغراض ومقاصد

شروعات میں اس تحریک کے روبرو دو مقاصد تھے:

1. علوم اسلامیہ کے نصاب درس میں دوررس اور بنیادی اصلاحات اور نئے نصاب کی تیاری۔
2. رفع نزاع باہمی یعنی اتحاد ملی اور اخوت اسلامی کے جذبات کو فروغ دینا۔

اس تحریک کے قدم جیسے جیسے آگے بڑھتے گیے، تحریک نے دائرہ کار اور مقاصد کو وسیع کیا تو چار درج ذیل مقاصد مزید طے پائے۔

1. علوم اسلامیہ کے نصاب درس میں دوررس اور بنیادی اصلاحات اور نئے نصاب کی تیاری۔
2. ایسے علما پیدا کرنا جو کتاب وسنت کے وسیع وعمیق علم کے ساتھ جدید خیالات سے بخوبی واقف اور زمانہ کے نبض شناس ہوں۔
3. اتحاد ملی اور اخوت اسلامی کے جذبات کو فروغ دینا۔
4. اسلامی تعلیمات کی اشاعت بالخصوص برادران وطن کو اس کی خوبیوں سے روشناس کرانا۔ (تاریخ ندوۃ: ص55-56)

تحریک ندوۃ العلماء میں شامل ہوئے لوگ اس بات کا اندازہ کر چکے تھے کہ نہ مشرق کی ہر چیز کو پسند کرنا اور نہ مغرب کی ہر چیز سے نفرت کرنا اسلام کا تقاضہ ہے۔ بلکہ پرانی اور نئی فکر کی آمیزش وقت کی اہم ضرورت ہے۔ ندوۃ العلما نے جسمانی وروحانی علاج کو سمجھا اور اس بات پر غور وخوض کیا کہ مسلمانوں کی تنزلی اور گمراہی کے کیا اسباب ہیں۔ خلاصہ یہ نکلا کہ مسلمانوں کی بربادی کا اصل سبب تعلیم سے قطع تعلقی ہے۔ رائج طریقۂ تعلیم سے اس لیے منھ موڑ لیا کہ یہ وقت کی ضرورتوں کو پورا نہیں کر رہا ہے اور انگریزی علوم سے اس لیے بے اعتنائی برتی گئی کہ اس سے مذہب خطرے میں پڑ سکتا ہے۔

7.3.3 رائج نصاب تعلیم

ندوہ کے قائم ہونے سے پہلے جتنے بھی مدارس تھے، ان کے یہاں نصاب تعلیم میں معقولات (حکمت، فلسفہ اور منطق کا علوم) پر بہت زیادہ توجہ دی جاتی تھی۔ استاد اور طالب علم کا بیش قیمتی وقت اس پر بہت زیادہ خرچ ہوتا تھا اس کے بالمقابل قرآن، حدیث وفقہ پر اتنی

توجہ نہیں دی جاتی تھی۔ تہذیب وتمدن کے بدلاؤ سے ان مدارس کی حیثیت کمزور ہوچکی تھی جو موجود تھے، جدید افکار و نظریات کی تبدیلی سے ان کی واقفیت نہ تھی۔ اسحاق جلیس ندوی نے اپنی کتاب تاریخ ندوہ میں اس وقت کے نصاب تعلیم کا مجملاً خاکہ کھینچا ہے۔

1. اس نصاب میں قوت مطالعہ کا زیادہ خیال رکھا گیا ہے اور تحصیل فن کی طرف توجہ کم کی گئی ہے، یہی وجہ ہے کہ طلبا میں ضرورت سے زیادہ احتمال آفرینی پیدا ہو جاتی ہے لیکن کسی فن میں کمال حاصل نہیں ہوتا۔
2. منطق کی کتابیں ضرورت سے بہت زیادہ ہوگئی ہیں، شروع سے لیجیے تو پندرہ کتابیں صرف منطق کی اس نصاب میں ہیں۔ صغریٰ کبریٰ، ایساغوجی، قال اقول، میزان منطق وغیرہ۔
3. منطق کی پندرہ کتابیں نصاب درس میں ہیں اور تفسیر کی صرف دو کتابیں بیضاوی اور جلالین۔ بیضاوی کے صرف ڈھائی پارے پڑھائے جاتے ہیں اور جلالین پوری پڑھائی جاتی ہے لیکن اس کے اختصار کا حال یہ ہے کہ اس کے الفاظ و حروف قرآن مجید کے الفاظ و حروف کے برابر ہیں۔
4. حدیث و تفسیر کو ادب و عربیت سے مدد حاصل ہوتی ہے اس کا حصہ بہت کم ہے، بلاغت میں صرف دو کتابیں درس میں ہیں، مختصر و مطول۔ مختصر پوری پڑھائی جاتی ہے اور مطول چوتھائی سے بھی کم۔
5. منطق کی کتابیں جو درس میں داخل ہیں ان میں خلط مبحث بہت ہے ملا حسن، حمد اللہ اور قاضی ہیں تو منطق، لیکن ان میں منطق کے جس قدر مسائل ہیں اس سے کہیں زیادہ امور عامہ اور فلسفہ کے مسائل ہیں، جعل بسیط اور جعل مرکب، علم باری، کلی طبعی کا وجود فی الخارج وغیرہ ایسے اہم مسائل ہیں جن میں مصروف ہو کر طالب علم کو منطق کے خاص مسائل کی طرف بہت کم توجہ ہو سکتی ہے۔
6. اس نصاب میں تاریخ، جغرافیہ، علم اعجاز القرآن اور ضروری علوم بالکل نہیں۔(ص66-67)

اس وقت تک مدارس میں درس نظامی یا درس نظامی کی بگڑی ہوئی صورت کا نصاب تعلیم رائج تھا لیکن اس میں ایک مدت سے کوئی تبدیلی نہیں کی گئی تھی اور جو تبدیلیاں ہوئیں بھی تو بغیر غور و فکر کے اس کتاب کو شامل نصاب کر لیا گیا جو شروح و حواشی پر مبنی تھی۔

1894ء کے جلسے میں ملک کے بڑے علمائے کرام کی موجودگی میں ایک دستور العمل منظور کیا گیا اور اس میں چار تجاویز پاس ہوئیں۔

1- موجودہ طریقہ تعلیم قابل اصلاح ہے۔

2- مدارس اسلامیہ کے مہتمم ہر سال ندوہ کے اجلاس میں شریک ہوں۔

3- مدارس اسلامیہ جو کثرت سے ملک کے مختلف حصوں میں قائم ہیں ان میں موافقت قائم کی جائے اور ہندوستان کے دو تین بڑے مدارس کو مرکز بنا کر چھوٹے مدرسوں کا اس سے الحاق کر دیا جائے۔

4- مدرسہ فیض عام کی ترقی اور مالی تعاون کے سلسلے میں تھی۔

نصاب کی اصلاح سے متعلق سبھی لوگوں کی رائے لی گئی جس میں ملک کے تقریباً سبھی مسالک کے علمائے کرام کو شامل کیا گیا اور کثرت رائے سے نصاب میں تبدیلی کو منظور کیا گیا جس کے لیے بارہ علما کی ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جو رائج نصاب اور طریقہ تعلیم و تدریس پر غور وخوض کر کے سفارشات پیش کریں۔

ندوہ کے بانیوں نے نصاب تعلیم کی ان کمزوریوں کو مد نظر رکھااور حالات کے تناظر میں ایسا نصاب بنانے کی کوشش کی جو تربیت ومعاشرت کے اعلیٰ معیار کو قائم رکھ سکیں۔ اس کے لیے تجاویز پیش کی گئیں اور اس کا مقصد واضح کیا گیا کہ ہمارے تعلیم یافتہ طالب علم مہذب اور پابند شریعت ہوں اور دوسروں پر اپنا اثر پیدا کر سکیں۔ طالب علموں میں بہادری و بے خوفی پیدا ہو اور دینی علوم بالخصوص علم کلام میں مہارت حاصل ہو۔ جو کہ وقت کی ضرورت ہے تاکہ لامذہبیت اور خدا کا انکار کرنے والی جماعت سے پوری قوت کے ساتھ مقابلہ کیا جاسکے۔ اس کے ساتھ طلبہ گھوڑ سواری، بندوق چلانا، تیراکی اور دوسری جسمانی ورزش میں حصہ لیں۔ حلال رزق کے لیے طلبہ کو کوئی ہنر سکھایا جائے جس کا انتخاب طلبہ کے میلان اور ان کے تعلق پر ہو گا۔ ایک ماہ میں دو یا تین بار طلبہ علمی واخلاقی مضمون پر گروپ ڈسکشن کریں اور اس کے لیے ایک مخصوص کمرہ ہو گا۔ اس کے ساتھ جدید اسالیب تعلیم وتربیت پر بھی زور دیا گیا ہے۔ غرض ندوہ نے شروعاتی دنوں سے ہی اپنے مقاصد میں درس وطریقہ تربیت میں تبدیلی کر کے نصاب تعلیم کی اصلاح کر کے اس کمی کو پورا کر دیا۔ ندوہ کے قائم ہونے کا مقصد جہاں نصاب کی اصلاح اور آپسی کشمکش کو ختم کرنا تھا وہیں علماء کی ایسی ٹیم بھی تیار کرنا تھا جن کے خیالات میں وسعت پائی جاتی ہو اور زمانے کی رفتار سے بھی واقف ہوں اور جدید و قدیم دونوں علوم پر اچھی نظر رکھتے ہوں۔ دونوں طبقوں کے لوگوں نے ان کوششوں کو سراہا اور خیر مقدم کیا۔

7.3.4 تعارف ندوہ اور ملت کا ردعمل

مولانا سید علی مونگیری نے ناظم بننے کے بعد مولانا مشتاق علی کو ذمہ داری سونپی کہ وہ ہندوستان میں ندوہ کا تعارف کرائیں۔ آپ نے بڑی خوش اسلوبی سے اس ذمہ داری کو پورا کیا۔ اس کے لیے انہوں نے ہندوستان کے مختلف علاقوں کا دورہ کیا اس کے علاوہ جدہ، مکہ و مدینہ منورہ کا بھی دورہ کیا۔ عوام وخواص دونوں حلقوں میں اس تحریک کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی اور لوگوں نے ہاتھوں ہاتھ ندوہ کے وفد کو لیا۔ غرض ملک کے سبھی مختلف المسالک و مکاتب فکر کے اشخاص نے جس جوش وجذبے سے اس تحریک کا استقبال کیا اس کی مثال ہندوستان میں شاذ ہی ملتی ہے۔ یہ آواز اس شخص کے دل کی دھڑکن بن گئی جو ملت کی خستہ حالی پر فکر و تذبذب میں مبتلا تھا۔ اس تحریک کی صدا نے ہندوستانی مسلمان کے اندر ایک نئی جان ڈال دی اور سماجی، تعلیمی اور فکری حالت میں ایک نئی شمع نظر آئی۔ بعد میں پھر کئی بڑے علمائے کرام نے اس میں شرکت کی اور اس تحریک کو پھیلانے میں اہم کردار ادا کیا۔ مثلاً شاہ سلیمان پھلواریؒ، مولانا حبیب الرحمن خاں شیروانی، مولانا عبدالحکیم صاحب حسنیؒ اور مولانا شبلی وغیرہ۔

7.3.5 لکھنو میں ندوۃ

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے قیام پر مختلف لوگوں نے مختلف رائیں دی کہ وہ کس جگہ اور کہاں ہو۔ جو شخص جس شہر کو بہتر سمجھتا اس

کے حق میں رائے دیتا اور اس شہر کے متعلق علمی مناسبت بھی شمار کرواتا، اس کے فوائد سے بھی آگاہ کرتا۔ اس بابت مولانا شاہ محمد سلیمان پھلواری نے فرمایا:

"لکھنو میں فائدہ ہے۔ اس وقت مولانا عبدالحق نے دہلی کے جو فضائل بیان کیے ہیں، ان کا میں منکر نہیں ہوں، در حقیقت دہلی فیض کا سرچشمہ ہے اور بزرگان اولیائے کرام کے فیوض ظاہری و باطنی کا سب سے زیادہ میں معترف ہوں، مگر بات یہ ہے کہ دارالعلوم کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہے وہ وہاں نہیں ہے، دارالعلوم ایسے مقام پر ہونا چاہیے، جہاں کے لوگوں کو علم و فضل سے دلچسپی ہو اور وہاں کی آب و ہوا اچھی ہو، حفظ و صحت کا لحاظ بہت ضروری ہے اور دہلی کی آب و ہوا اچھی نہیں ہے، اس لیے لکھنو میں دارالعلوم قائم ہونا چاہیے، لکھنو میں قائم ہونے سے ایک فائدہ عظیم یہ ہو گا کہ اس کے نواح میں رؤسا کثرت سے ہیں، وہ اس میں بہت مدد دیں گے"۔ ص194

غرض لکھنو اور دہلی کے بارے میں ایک عرصے تک بحث و مباحثہ ہوتا رہا، ظاہر ہے دہلی شہر کی فضیلت ہر لحاظ سے اپنی جگہ مسلم تھی۔ بالآخر یہ طے پایا کہ کثرت رائے سے اس پر فیصلہ کیا جائے۔ چنانچہ سبھی لوگوں سے اس پر رائے لی گئی اور زیادہ تر لوگوں نے لکھنو کے حق میں فیصلہ کیا۔

فیصلہ ہونے کے بعد یہ قرار پایا کہ دارالعلوم کے ابتدائی درجات کا فوراً آغاز کر دیا جائے۔ غرض اس کام کے لیے مولانا علیؒ چند اشخاص کے ساتھ لکھنو پہنچے، ان لوگوں کا استقبال کرنے کے لیے منشی احتشام علی رئیس کاکوروی پہلے سے حاضر تھے۔ مولانا علیؒ اور ان کے ساتھیوں نے لکھنو آنے کی وجہ بتائی۔ منشی احتشام نے بڑی فراخ دلی سے اپنی دو جگہ کی زمین کی پیش کش کی۔ عصر کے بعد یہ لوگ زمین دیکھنے گیے اور برورہ حسن باڑی والے حصے کو منتخب کیا۔ منشی صاحب نے بخوشی اس کو دارالعلوم کی نذر کر دیا۔ جب تک دارالعلوم کی اپنی کوئی بلڈنگ نہیں بن جاتی اس وقت تک کے لیے منشی احتشام صاحب نے محلہ گولہ گنج میں خاتون منزل نامی بلڈنگ کو خرید کر ندوہ کے سپرد کر دیا۔ اس عمارت میں دارالعلوم کا عملی طور پر آغاز ہوا۔ 1897ء تک ندوہ کا مرکزی دفتر کانپور ہی میں تھا لیکن اس فیصلے کے بعد 2 ستمبر 1898ء کو لکھنو منتقل ہو گیا۔ 4/اکتوبر 1898ء کو اس کی افتتاحی تقریب رکھی گئی۔ جس میں اہل علم اور معزز افراد نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ مولانا حفیظ اللہ دارالعلوم کے پہلے مہتمم قرار دیے گئے۔ جس منصوبے کے تحت اس ادارے کا قیام وجود میں آیا تھا اس کے لیے ایک کثیر سرمائے کی ضرورت تھی۔ جس کے لیے ملک بھر میں چندے کی مہم شروع کی گئی اور لوگوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء، دارالافتاء اور اسلام کی اشاعت کا خرچ تقریباً دس سے بارہ لاکھ کا تخمینہ لگایا گیا اس کو کس طرح حاصل کیا جائے اس پر عمل درآمد کے لیے تجاویز پیش کی گئیں۔ (ص196-197)

7.4 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- دارالعلوم دیوبند برصغیر میں اسلام کی نشرواشاعت کا سب سے بڑا ادارہ اور دینی علوم کی تعلیم کا سب سے بڑا سرچشمہ ہے۔ حقیقت ہے کہ اس مدرسے نے برصغیر میں احیائے اسلام اور تجدید دین کا بڑا کارنامہ انجام دیا۔ انقلاب 1857 کی ناکامی کے بعد علمائے دیوبند کی ایک جماعت نے یہ ضرورت محسوس کی کہ ایک دینی مدرسے کا قیام دیوبند میں عمل میں لایا جائے۔ اس کے تحت 1866 میں دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا۔ دارالعلوم دیوبند کے بانیان میں اہم نام مولانا قاسم نانوتوی اور سید عابد حسین کا ہے۔
- اس ادارے کا مقصد ایک ایسا تعلیمی نظام قائم کرنا تھا جس کے ذریعے اسلامی علوم اور اسلامی تہذیب و ثقافت کی حفاظت ممکن ہو سکے جس کو ہندوستان کی استعماری حکومت سے شدید خطرات کا سامنا تھا۔ دارالعلوم دیوبند کے متوازی عصری اور پیشہ ورانہ تعلیم کو عام کرنے کے لیے 1875 میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا۔
- ندوہ کے قائم ہونے سے پہلے جتنے بھی مدارس تھے، ان کے یہاں نصاب تعلیم میں معقولات (حکمت، فلسفہ اور منطق کے علوم) پر بہت زیادہ توجہ دی جاتی تھی۔ استاد اور طالب علم کا بیش قیمتی وقت اس پر بہت زیادہ خرچ ہوتا تھا اس کے بالمقابل قرآن، حدیث و فقہ پر اتنی خصوصی توجہ نہیں دی جاتی تھی۔ جتنے بھی مدارس موجود تھے تہذیب و تمدن کے بدلاؤ سے ان کی حیثیت کمزور ہو چکی تھی، جدید افکار و نظریات کی تبدیلی سے ان کی واقفیت نہ تھی۔
- مولانا سید علی مونگیری نے ناظم بننے کے بعد مولانا مشتاق علی کو ذمہ داری سونپی کہ وہ ہندوستان میں ندوہ کا تعارف کرائیں۔ آپ نے بڑی خوش اسلوبی سے اس ذمہ داری کو پورا کیا اس کے لیے انہوں نے ہندوستان کے مختلف علاقوں کا دورہ کیا اسکے علاوہ جدہ، مکہ و مدینہ منورہ کا بھی دورہ کیا۔ عوام و خواص دونوں حلقوں میں اس تحریک کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی اور لوگوں نے ہاتھوں ہاتھ ندوہ کے وفد کو لیا۔ غرض ملک کے سبھی مختلف المسالک و مکاتب فکر کے اشخاص نے جس جوش و جذبے سے اس تحریک کا استقبال کیا اس کی مثال ہندوستان میں شاذ و نادر ہی ملتی ہے۔
- مولانا سید علی مونگیری (1846-1927) کو اس تحریک کا ابتدائی معمار شمار کیا جاتا ہے۔ تعلیمی سلسلہ مکمل کرنے کے بعد آپ نے مدرسہ فیض عام کانپور ڈھائی تین سال تک درس حدیث دیا۔ مدرسہ فیض عام میں ہی آپ نے ایک انجمن "انجمن تہذیب" کے نام سے قائم کی۔ جس نے آگے بڑھ کر تحریک ندوہ کی شکل اختیار کرلی۔ فیض عام کے جلسہ میں ہی آپ نے ندوۃ العلماء کے قیام کی تحریک شروع کی تھی اور لوگوں نے جس پر لبیک کہا۔ 1894ء میں ندوۃ العلماء کا قیام عمل میں آیا اور آپ کو اس کا ناظم منتخب کیا گیا۔

7.5 فرہنگ

علوم متداولہ : وہ علوم جو عام طور سے رائج ہوں

رواں دواں : منہمک، مشغول و مصروف

خمیازہ : مکافات، نتیجہ، سزا یا بدلہ

پشت پناہی : حمایت، تعاون، مدد

جاہ و حشم : شان و شوکت، جاہ و جلال

7.6 نمونہ امتحانی سوالات

7.6.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1. دارالعلوم دیوبند کا قیام کب عمل میں آیا؟

1875.(a) 1857.(b) 1866.(c) 1869.(d)

2. دار العلوم دیوبند میں رائج نصاب کو کیا نام دیا جاتا ہے؟

(a). درس نظامی (b). درس حدیث (c). علوم عربیہ (d). جدید نصاب

3. دارالعلوم دیوبند کے بانی کون تھے؟

(a). مولانا رشید احمد گنگوہی (b). مولانا اشرف علی تھانوی (c). مولانا قاسم نانوتوی (d). مولانا امداد اللہ مہاجر مکی

4. دار العلوم کا شعبہ عربی و تکمیلات کا کورس کتنے سالوں میں پر مشتمل ہوتا ہے؟

8.(a) 7.(b) 6.(c) 5.(d)

5. قیام کے وقت دارالعلوم کا نام کیا تھا؟

(a). مدرسہ عربی (b). دارالعلوم (c). مدرسہ عربی فارسی (d). مدرسہ عربی و فارسی و ریاضی

6. ندوہ تحریک کی بنیاد کس نے ڈالی؟

(a). محمد علی مونگیری (b). مولانا قاسم نانوتوی (c). سر سید احمد خاں (d). محسن الملک

7. ندوہ کے تعارف کے لیے محمد علی مونگیری نے کس کو ذمہ داری سونپی؟

(a). مولانا مشتاق علی (b). اشرف علی تھانوی (c). مولانا قاسم نانوتوی (d). تمام صحیح

8. دارالعلوم ندوۃ العلماء کب قائم ہوا؟

1898ء.(a) 1920ء.(b) 1866ء.(c) 1877ء.(d)

9. دارالعلوم ندوۃ العلماء کا پہلا اجلاس کہاں ہوا؟

(a). مدرسہ فیض عام (b). علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (c). دارالعلوم دیوبند (d). جامعہ نظامیہ

10. انجمن تہذیب کس نے قائم کیا؟

(a). محمد علی مونگیری (b). مولانا قاسم نانوتوی (c). سر سید احمد خاں (d). شبلی نعمانی

7.6.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1. دارالعلوم دیوبند کے قیام کا پس منظر تحریر کیجیے۔
2. دارالعلوم ندوۃ کے لکھنو قیام پر مضمون لکھیے۔
3. ندوۃ العلماء کے اغراض و مقاصد پر بحث کیجیے۔
4. دارالعلوم دیوبند کے مقاصد مختصر نوٹ لکھیے۔
5. ندوہ کے نظام تعلیم پر نوٹ لکھیے۔

7.6.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. ندوۃ العلماء کے قیام کے پس منظر بیان کیجیے۔
2. دارالعلوم دیوبند کے نصاب و درجات پر بحث کیجیے۔
3. ندوۃ العلماء کے رائج نصاب تعلیم پر مضمون قلم بند کیجیے۔

7.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. تاریخ ندوہ : مولوی محمد اسحاق جلیس ندوی
2. 1947 کے بعد ہندوستان میں اسلامی تحریکیں : ڈاکٹر اقتدار احمد خاں
3. سیرت مولانا سید علی مونگیری : مولانا سید محمد الحسنی
4. حیات عبدالحی : مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
5. تاریخ دارالعلوم دیوبند : سید محبوب رضوی
6. تاریخ دارالعلوم دیوبند : مولانا قاری محمد طیب صاحب

معروضی سوالات کے جوابات

1. C	2. A	3.C	4.A	5.A
6.A	7.A	8.A	9.A	10.A

اکائی 8: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، جامعہ ملیہ اسلامیہ

اکائی کے اجزا:

8.0 تمہید

8.1 مقاصد

8.2 مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

8.3 سرسید احمد خاں

8.4 علی گڑھ تحریک

8.5 تحریک کے اسباب

8.6 تحریک کا مقصد

8.7 مدرسۃ العلوم / محمڈن اینگلو اورینٹل کالج

8.8 یونیورسٹی کا درجہ

8.9 علی گڑھ مسلم یونیورسٹی: قیام کے مقاصد

8.10 قیام جامعہ ملیہ اسلامیہ کا تاریخی پس منظر

8.11 جامعہ ملیہ اسلامیہ کے قیام و ترقی کے مختلف ادوار

8.12 قیام جامعہ ملیہ اسلامیہ کے اغراض و مقاصد

8.13 اردو زبان کی ترویج و اشاعت میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کا حصہ

8.14 ملک کی تعمیر و ترقی میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کا کردار

8.15 فرہنگ

8.16 اکتسابی نتائج

8.17 نمونہ امتحانی سوالات

8.17.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات
8.17.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات
8.17.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات
8.18 تجویز کردہ اکتسابی مواد

8.0 تمہید

مسلمانوں کی علمی تاریخ مدینہ، کوفہ، بغداد سے قرطبہ تک علم و تحقیق اور عالمی سائنسی ترقی کی بنیاد فراہم کرنے سے عبارت رہی ہے۔ ان کا علمی سفر نہ صرف اسلامی تہذیب کی پہچان بنا بلکہ اس نے صدیوں تک دنیا کو مختلف علوم و فنون سے روشناس کرایا۔ برصغیر ہندوستان میں جب مغلیہ سلطنت کے زوال اور 1857ء کے غدر کے بعد مسلمانوں پر سیاسی اور سماجی تنزلی کا دور آیا، تو ان کا سب سے بڑا اثاثہ یعنی "تعلیم" بری طرح متاثر ہوا۔ ایسے کٹھن حالات میں جب قوم مایوسی کے اندھیروں میں گھری ہوئی تھی، سر سید احمد خان اور ان کے رفقاء نے تحریکِ علی گڑھ کے ذریعے مسلمانوں کو جدید علوم اور سائنسی فکر کی طرف راغب کیا۔ ان کا مقصد ایک ایسا تعلیمی انقلاب لانا تھا جو مسلمانوں کو اپنی شناخت برقرار رکھتے ہوئے وقت کے تقاضوں سے ہم آہنگ کر سکے۔

اسی سلسلے کی ایک کڑی جامعہ ملیہ اسلامیہ کا قیام تھا، جس نے حب الوطنی، ملی وقار اور قومی نظامِ تعلیم کو فروغ دے کر ایک نئی تاریخ رقم کی۔ یہ یونٹ ہمیں مسلمانوں کے اسی شاندار علمی ورثے کے پس منظر میں ان عظیم اداروں کی جدوجہد سے روشناس کراتا ہے۔ اس اکائی کے مطالعے سے طلبہ نہ صرف ان اداروں کی تاریخی اہمیت کو سمجھ سکیں گے بلکہ یہ بھی جان پائیں گے کہ کس طرح علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور جامعہ ملیہ اسلامیہ نے نامساعد حالات میں مسلمانوں کی ذہنی و تعلیمی آبیاری کی اور انہیں ملک و قوم کی تعمیر میں سرگرمِ عمل کیا۔۔

8.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد ہے کہ آپ:

- تحریکِ علی گڑھ کے بنیادی مقاصد اور سر سید احمد خان کے تعلیمی و اصلاحی ویژن کی وضاحت کر سکیں۔
- جامعہ ملیہ اسلامیہ کے قیام کے پیچھے کارفرما "تحریکِ خلافت" اور "تحریکِ عدم تعاون" جیسے سیاسی و قومی عوامل کا تجزیہ کر سکیں۔
- دونوں اداروں کے قیام کے درمیان فرق (برطانوی تعاون بمقابلہ قوم پرستانہ خود مختاری) کو سمجھ سکیں۔
- اردو زبان و ادب کی ترویج میں سائنٹفک سوسائٹی اور علی گڑھ تحریک کے اثرات کا جائزہ لے سکیں۔

- جامعہ ملیہ کے مخصوص "قومی تعلیمی خاکے" اور اردو کو ذریعہ تعلیم بنانے کی اہمیت پر تبادلہ خیال کر سکیں۔
- موجودہ دور میں ان اداروں کو درپیش چیلنجز اور ان کی عصری معنویت پر اپنی رائے کا اظہار کر سکیں۔

8.2 مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ہندوستان کے سب سے بڑے صوبہ اتر پردیش کے ایک مشہور ضلع علی گڑھ میں واقع ہے، علی گڑھ شہر جس کو لوگ پہلے 'کول' کے نام سے بھی جانتے تھے دہلی سے ایک سو تیس کلو میٹر دور جنوبی مشرق اور لکھنؤ سے 324 کلو میٹر دور شمالی مغرب میں واقع ہے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ہندوستان کے بڑے اور مرکزی حکومت کے زیر نگرانی چلنے والے تعلیمی اداروں میں ایک خاص، بین الاقوامی شہرت یافتہ اور منفرد حیثیت کا حامل ایک مکمل رہائشی ادارہ ہے جو آغاز سے اب تک قوم اور ملک کی تعمیر و ترقی میں نمایاں کردار ادا کرتا چلا آرہا ہے جس کا قیام سر سید احمد خان کی انتھک کوششوں کے نتیجے میں برٹش دور میں عمل میں آیا تھا اور تب سے اب تک اس ادارہ سے ملک کی ایک بڑی تعداد علمی تشنگی کو بجھا کر فیضیاب ہوتی آرہی ہے اور مختلف میدانوں اور علوم و فنون میں مہارت حاصل کر کے ملک کی تعمیر و ترقی میں نمایاں کردار ادا کر رہی ہے۔ اس ادارہ کی کوکھ سے ملک کے نامور سیاست داں، ادیب، مورخ، جغرافیہ دان اور سائنسدانوں نے جنم لیا ہے اور قومی و بین الاقوامی سطح پر ادارہ کا نام روشن کیا ہے۔

8.3 سر سید احمد خاں

سر سید احمد خان کا شمار انیسویں صدی کے ان مصلحین و مفکرین میں ہوتا ہے جن کی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا، آپ ایک عظیم دانشور، روشن خیال اور دوراندیش ماہر تعلیم، شاندار ادیب، علمی و سماجی مصلح ایک ہمہ گیر و بلند خیال مصنف، جدید علم کلام کے بانی، نڈر صحافی، سیکولرزم اور ہندو مسلم اتحاد کے زبردست حامی، جدید ہندوستان کے ممتاز معمار، قومی رہنما اور مسلم نشاۃ ثانیہ کے علمبردار تھے۔

سید احمد کی پیدائش 17 اکتوبر 1817 میں دلی کے سید گھرانے میں ہوئی۔ ان کے والد سید متقی محمد شہنشاہ اکبر ثانی کے مشیر تھے۔ دادا سید ہادی عالمگیر شاہی دربار میں اونچے منصب پر فائز تھے اور نانا جان خواجہ فرید الدین شہنشاہ اکبر ثانی کے دربار میں وزیر تھے۔ پورا خانوادہ مغلیہ دربار سے وابستہ تھا۔ ان کی والدہ عزیز النساء نہایت مہذب خاتون تھیں۔ سر سید کی ابتدائی زندگی پر ان کی تربیت کا بہت گہرا اثر ہے۔ دستور زمانے کے مطابق عربی و فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ ابتدائی تعلیم کے حصول کے بعد اپنے خالو مولوی خلیل اللہ سے وکالت سیکھی اور پھر اسی میدان میں محنت اور ایمانداری سے سرکاری خدمات انجام دیں۔ سر سید کو پہلی ملازمت آگرہ کی عدالت میں بطور نائب منشی ملی اور پھر اپنی محنت سے ترقی پاتے رہے۔ مین پوری اور فتح پور سیکری میں بھی خدمات انجام دیں۔ دلی میں صدر امین ہوئے۔ اس کے بعد بجنور میں اسی عہدے پر فائز رہے۔ مراد آباد میں صدر الصدور کی حیثیت سے تعیناتی ہوئی۔ یہاں سے غازی پور اور پھر بنارس میں مامور رہے۔ ان علاقوں میں حسن خدمات کی وجہ سے بہت مقبول رہے۔ جس کا اعتراف کرتے ہوئے برطانوی حکومت نے 1888 میں 'سر' کا خطاب عطا کیا۔ 27

مارچ1898ء کو علی گڑھ میں آپ کی وفات ہوئی اور یونیورسٹی کی جامع مسجد کے احاطہ میں آپ کی قبر مبارک ہے۔

سر سید متنوع شخصیت کے مالک تھے اپنی زندگی میں انہوں نے تعلیمی، سیاسی، ادبی تحقیقی ہر قسم کے علمی اور قومی مشغولیت کو اپنی زندگی کا اہم حصہ بنایا اور ہر میدان میں اپنے دیرپا اثرات چھوڑے ہیں، بات اگر اردو زبان و ادب کی کی جائے تو آپ کی ذات گرامی اولین معماروں کی صف میں کھڑی ہوئی نظر آتی ہے، وہیں اگر تعلیمی معاملات کا ذکر ہو تو علی گڑھ تحریک کی اہمیت و افادیت و خدمات سے کسی کو انکار نہیں، غرض کہ علم و عمل کے ہر میدان میں اس عظیم سپوت نے مستقل یادگار چھوڑی ہے۔

سر سید نے اپنی دور بینی و دور اندیشی سے محسوس کر لیا تھا کہ کہ تعلیم کے ساتھ اچھی تربیت کے لیے کسی سوسائٹی یا ادارہ کی اشد ضرورت ہوتی ہے اسی کو ذہن میں رکھتے ہوئے آپ نے متعدد سوسائٹی اور تنظیموں کی بنیاد ڈالی انہیں میں سے ایک تحریک "علی گڑھ تحریک" کے نام سے موسوم ہے جو مسلم یونیورسٹی کے قیام کی سب سے بڑی محرک ثابت ہوئی۔

8.4 علی گڑھ تحریک

علی گڑھ تحریک یا جس کو "سر سید تحریک" بھی کہا جاتا ہے اس کے پس منظر اور بیک گراؤنڈ کو جاننے اور سمجھنے کے لیے ہمیں انیسویں صدی کے اوائل کا مطالعہ اور تب کے سیاسی حالات کا جاننا ضروری معلوم ہوتا ہے جس طرح اس بات پر سبھوں کا اتفاق ہے کہ غدر کے بعد مسلمانوں کے سیاسی، معاشرتی اور معاشی حالات بد سے بدتر ہوتے گئے کم و بیش ایسے ہی حالات غدر سے قبل بھی تھے۔ انیسویں صدی کے اوائل میں مغل سلطنت عروج پر تھی اور اپنے آخری ایام گن رہی تھی یہی وہ دور ہے جس میں عظیم مصلح اور معمار قوم سر سید احمد خان نے آنکھیں کھولی، گویا مغل سلطنت برائے نام تھی پورے طور پر برٹش حکومت کا تسلط ہو گیا تھا چناچہ 1857 میں آخری مغل حکمران بہادر شاہ ظفر کی قیادت میں آزادی کی لڑائی ہوئی جس میں مسلمانوں کو شکست ہوئی اور اس کے ساتھ ہی مغل سلطنت بالکلیہ ختم ہو گئی اس جنگ میں ہندو مسلم سب نے حصہ لیا لیکن مسلمانوں نے خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیا جس کے نتیجے میں سب سے زیادہ نقصان بھی انہیں کے حصے میں آیا۔ انگریز اس کے بعد مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن بن گئے جس سے مسلمانوں کی زندگی دشوار سے دشوار ہوتی چلی گئی، نہ جانے کتنے ہی مسلمانوں کو سزائے موت ہوئی، ان کے گھر، مال و دولت، زمین جائیداد سب کچھ چھین لیا گیا اور روزگار کے تمام مواقع و راستے مسدود کر دئے گئے، جو قوم صدیوں سے معزز تھی وہ ایک دم سے ذلت و پستی کی غار میں پہونچ چکی تھی جس سے بآسانی نکلنا دشوار تھا۔ ان پر خطر و پر آشوب حالات میں سر سید ہمیشہ اسی فکر اور تلاش میں رہتے کہ کیسے مسلمانوں کو ان حالات سے نکال کر ان کے مستقبل کو تابناک بنایا جائے۔ چنانچہ سر سید کے تدبر و تفکر نے ان مسائل کا یہ حل تلاش کیا کہ قوم کی حالت کو اگر بہتر بنایا جا سکتا ہے تو یہ صرف ان کے اندر تعلیمی بیداری کو عام کر کے ہی ہو سکتا ہے، آپ کا خیال تھا کہ مسلمانوں کے زوال کا جو سب سے بڑا سبب ہے وہ در اصل تعلیم سے دوری ہے۔ ہندوستان میں جس شخص نے تعلیم کو نئی شکل اور اردو نثر کو نئی صورت عطا کی اس کا نام سر سید احمد خاں ہے۔

سر سید نے 1857 کے غدر کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اس کا مشاہدہ کیا تھا اور قوم کی ہر میدان میں تنزلی سے آپ کا دل بری

طرح سے ٹوٹ چکا تھا چنانچہ انہوں نے قوم کو اس دلدل اور تباہی سے بچانے کیلئے انگریزی زبان اور مغربی علوم و فنون کو سیکھنے اور ان میں مہارت حاصل کرنے پر زور دیا جس کے لیے سر سید نے غازی پور شہر میں 1862 میں انگریزی زبان میں تصنیف شدہ اعلی اور معیاری کتب کو اردو میں منتقل (ترجمہ) کرنے کی غرض سے "سائنٹفک سوسائٹی" کی بنیاد رکھی تا کہ اردو زبان سے واقفیت رکھنے والے لوگ ان کتب سے استفادہ کریں، دوسرے سر سید نے قوم کو تباہی سے بچانے کے لئے برٹش حکومت کی مخالفتوں کو ترک کرنے پر زور دیا اور حکومت سے ٹکراؤ کو ختم کرنے کے لئے "اسباب بغاوت ہند" تالیف کی اس کتاب میں 1857 کی پہلی جنگ آزادی کے اسباب و علل کو زمینی سطح پر پیش کیا گیا ہے۔ 1857ء کی جنگ یا بغاوت کی اصل وجوہات کیا تھیں اس کو سر سید نے انگریز حکمرانوں کے سامنے مدلل انداز میں پیش کرنے کی جرات مندانہ کوشش کی۔ انہوں نے ہندوستانی عوام کو بے قصور بتاتے ہوئے بغاوت کی آڑ میں ہندوستانی عوام پر بالعموم اور مسلمانوں پر بالخصوص کیے جانے والے مظالم کی روک تھام کی کامیاب کوشش کی ہے۔ اس کتاب میں ہندوستانی رعایا کو اور خاص کر مسلمانوں کو جن پر سارا نچوڑ انگریزوں کی بدگمانی کا تھا، بغاوت کے الزام سے بری کیا ہے اور اس خطرناک اور نازک وقت میں وہ تمام الزامات جو لوگوں کے خیال میں گورنمنٹ پر عائد ہوتے تھے، نہایت دلیری اور آزادی کے ساتھ بیان کیے اور جو اسباب انگریزوں کے ذہن میں جاگزیں تھے، ان کی تردید اور غلط ثابت کیا ہے۔

سر سید نے 1869 میں انگلستان کا سفر کیا اور وہاں کے مشہور تعلیمی اداروں آکسفورڈ و کیمبرج یونیورسٹی کا بغور مشاہدہ اور جائزہ لیا اور لندن کے انگریزی نظام تعلیم، طرز معاشرت، نظام اور طرز زندگی، اخلاق، رہن سہن کا معائنہ کیا اور آپ اس نتیجے پر پہنچے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی سیاسی، سماجی اور معاشرتی زندگی کو بہتر بنانے کیلئے آکسفورڈ اور کیمبرج کے طرز کے تعلیمی ادارہ کی ضرورت ہے چناچہ آپ نے لندن میں ہی اس طرح کا تعلیمی ادارہ کے قیام کا منصوبہ بنایا اور 1872ء بنارس میں سر سید نے ایک فنڈ کمیٹی قائم کی جس کا نام انہوں نے محمڈن اینگلو اورینٹل کالج فنڈ کمیٹی رکھا جس کے لائف سیکریٹری سر سید مقرر کئے گئے اس فنڈ کمیٹی نے کالج چلانے کے لئے کچھ اصول و ضوابط مرتب کئے اور چار کمیٹیاں قائم کیں، پہلی کمیٹی کا کام زبان کی تعلیم اور دنیوی علوم سے متعلق ہدایات دینا تھا، دو کمیٹیاں شیعہ اور سنی کی مذہبی تعلیمات سے متعلق قائم کی گئی جب کہ چوتھی کمیٹی کی ذمہ داری بورڈنگ ہاؤس اور اسکی طلبہ کی دیکھ بھال تھی۔

اس فنڈ کمیٹی کی دفعہ 16 کی رو سے یہ طے پایا کہ اس کالج کے قیام کے لئے چندے و امداد کی درخواست صرف اور صرف مسلم و عیسائیوں سے ہی کی جائے کیوں کہ کالج مسلمانوں کی تعلیم و ترقی و فلاح کو ذہن میں رکھ کر قائم کرنے کا منصوبہ تھا اور رہے عیسائی تو ان سے امداد اس لیے مانگی جائے کیونکہ وہ اس ملک پر حکمرانی کر رہے ہیں تو ان کا بطور حکمران قوم یہ فرض بنتا ہے کہ وہ مسلموں کے لیے اٹھائے جانے والے اقدامات میں بھرپور تعاون کریں لیکن اگر کوئی بخوشی اس کالج کے لیے امداد کرنا چاہے تو اس کی امداد کو بصدق دل قبول کرنا بھی اس دفعہ کے تحت قرار پایا۔ فنڈ کمیٹی کے 1872 کے ایک جلسہ میں سید محمد خان نے اس دفعہ پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ عام لوگوں پر اس کا اطلاق ہو راجہ مہاراجاؤں کو اس سے دور رکھا جائے بحر حال سید محمد خان کے اس مشورے سے کمیٹی کے دیگر اراکین نے اتفاق کیا اور یہ طے پایا کہ راجہ مہاراجاؤں سے بھی چندے کی درخواست کی جائے۔ اس کے بعد فنڈ کمیٹی نے برطانوی عوام کے لیے سرکولر جاری کر کے چندے

کی اپیل کی ساتھ ہی کالج کے قیام کے مقاصد بھی بیان کئے جن کا مختصراً ذکر کیا جاتا ہے۔

آکسفورڈ اور کیمبرج کے قاعدے کے موافق مدرستہ العلوم کے قائم ہونے سے طالب علموں کے دلوں میں ایک نئی روح بھر جائے گی اور اعلیٰ درجے کے مسلمانوں کو بھی اپنی طرف راغب کرے گی اس میں کچھ شک نہیں کہ مسلمانوں کی ترقی کے لیے جو بالفعل کوشش ہو رہی ہیں اس میں اگر کامیابی ہو تو انگلستان اور ہندوستان کے باہم جو سیاسی اور سماجی تعلقات ہیں وہ زیادہ مضبوط اور دوستانہ ہو جائیں گے۔ جو عظمت مسلمانوں کو ہندوستان میں حاصل تھی اور ان کے بعد وہ عظمت انگریزی قوم کو حاصل ہوئی ہے اس لیے انگریزوں کو رقیب سمجھنے پر مسلمانوں کی طبیعت مائل ہوتی ہے، لیکن نہایت لائق اور معزز مسلمان بخوبی واقف ہیں کہ انگلستان کی شائستہ حکومت نے ہندوستان کو بڑے بڑے فائدے بخشے ہیں اور یہ لوگ اپنے ہم مذہبوں کو جہالت اور ذلت کی حالت سے جو بالفعل ان کی ہے نکالنے کے لیے ایک ایسا سلسلہ اصلی اور پختہ تعلیم کا بنانا تجویز کر رہے ہیں جس سے مسلمانوں کی آئندہ نسل کے لوگ شائستہ باشندے اور گورنمنٹ کی بہتر رعایا ہوں۔

سرسید کو اس بات کی دلی خواہش تھی کہ ہندوستان کے مسلمان یہاں دولت، حشمت اور عزت کی زندگی بسر کریں۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمانوں کی بدحالی اسلام کی بدحالی کی علامت ہے، اس لیے مسلمانوں کی حالت جتنی بہتر ہوتی جائے گی اتنا ہی اضافہ اسلام کی عزت اور شان شوکت میں ہوتا جائے گا۔ پٹنہ میں کالج کے قیام میں تعاون کے لیے مسلم اشرافیہ سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے بے علمی کو مفلسی کی ماں قرار دیا اور کہا کہ جدید علوم کی تعلیم پر ہی قومی ترقی کا مدار ہے۔ لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ اس کی ذمہ داری قوم خود قبول کرے۔ سرسید کی اس تحریک کی مخالفت بھی کی گئی یوپی میں اس تحریک کو سب سے زیادہ مخالفت کا سامنا کرنا پڑا جس سے پیسے جمع کرنے میں دشواری پیش آئی لیکن سرسید نے ہار نہ مانی اور اور اپنی دھن میں مگن رہے اور جہاں جہاں سرسید کی حمایت کی گئی سرسید نے ان سے چندہ جمع کیا۔ اس کے بعد مسئلہ تھا کہ کالج کس شہر میں قائم کیا جائے، سید صاحب کا تبادلہ غازی پور سے علی گڑھ ہوا تو یہاں آپ نے لوگوں کو اس تحریک میں دلچسپی اور تعلیمی سرگرمیوں میں متحرک پایا لیکن اس کے باوجود انہوں نے عوام سے رائے مانگی جس کے لیے اخبارات اور خطوط کے ذریعے رائے مانگی گئی آخر کار علی گڑھ کا انتخاب کیا گیا کیوں کہ علی گڑھ کے لوگ اس تحریک سے بہت زیادہ متاثر تھے اور یہاں پہلے سے کالج بھی تھا جس کی امداد کے لیے حکومت نے وعدہ بھی کیا ہوا تھا ساتھ ہی علی گڑھ جنکشن نے دوسرے شہروں کو جوڑ دیا تھا اور اس کے قرب وجوار میں مسلم آبادی بھی کثیر تعداد میں تھی اس کی علاوہ بھی دیگر وجوہات تھی جس کے لیے علی گڑھ شہر کا انتخاب عمل میں آیا۔ سرسید نے انگلستان کے سفر کے دوران ہی ایک کالج قائم کرنے کا منصوبہ بنا لیا تھا چنانچہ 1875ء میں مدرستہ العلوم کی بنیاد ڈالی جو دو سال بعد 8 جنوری 1877ء میں محمڈن اورینٹل کالج کے نام سے جانا جانے لگا۔

8.5 تحریک کے اسباب

مغل سلطنت کا آخری دور مسلمانوں کے لئے سب سے مشکل دور رہا ہے اس دور میں مسلمان ہر اعتبار سے پستی میں تھے سیاسی، سماجی معاشی اور تعلیمی ہر اعتبار سے مسلمانانِ ہند کی حالت بہت خراب نظر آتی ہے۔ مسلمان دینی تعلیم تو حاصل کرتے تھے البتہ انگریزی اور

عصری علوم کو سیکھنا اپنے لئے قابل گناہ، معیوب اور مہمل شے تصور کرتے تھے یہی وہ اسباب تھے جن کو سر سید احمد خان کی دور رس نگاہ نے دیکھ لیا تھا جس کے سبب ملک کے مختلف حصوں اور شہروں میں ان کی پر زور مخالفت بھی کی گئی ان کے خلاف اخبارات نکالے گئے، فتوے لگے لیکن سید صاحب کو ایک دھن تھی کہ کیسے بھی ہو قوم کو عصری علوم کی تعلیم دے کر پستی اور غربت سے نکالا جائے، کالج کے لئے آپ نے طرح طرح سے چندہ وصول کیا۔ نمائش گاہ میں انہوں نے کتابیں فروخت کیں، والنٹیئر بن کر گلے میں جھولی ڈال کر بھیک مانگی، اسٹیج پر گئے اور غزلیں گائیں۔ اور یہ کہ جب تک مسلمانان ہند تعلیم کو خاص کر انگریزی علوم وفنون حاصل کر کے ان میں مہارت حاصل نہیں کر لیں گے تب تک وہ خود کو پستی سے نہیں نکال سکتے یہی وجہ ہے کہ سر سید نے تعلیم کو سب سے ضروری قرار دیا ہے اور آخر تک آپ اپنے اس موقف پر قائم رہے مہاتما گاندھی جی نے تعلیم کے تئیں آپ کی خدمات اور جدوجہد کو دیکھ کر آپ کو "پیغمبر تعلیم" کے خطاب سے نوازا ہے۔

8.6 تحریک کا مقصد

یہ تحریک سر سید کی سیاسی، سماجی، مذہبی اور علمی کوششوں کا نتیجہ ہے اس تحریک کے بنیادی پہلوؤں میں نئے علوم کا حصول، مذہبی علوم کی عقلی تفہیم، سماجی و معاشرتی اصلاح اور زبان و ادب کی ترقی شامل ہے۔ سیاسی مفاہمت، تعلیم جدید اور مذہبی اصلاح علی گڑھ تحریک کے بنیادی مقاصد میں سے ہے، نیز سر سید کی اس تحریک کا مقصد مسلمانوں میں تعلیم کا ذوق و شوق پیدا کرنا قدیم دور سے نکل کر جدید علوم اختیار کرنے کی تجاویز پیش کرنا تھا۔ سر سید نے جدید علوم کے ساتھ مذہبی علوم حاصل کرنے پر بھی زور دیا۔ وہ اپنے بنائے ہوئے اداروں سے نیک اور باصلاحیت نوجوانوں کا عروج دیکھنا چاہتے تھے اور ان کو ترقی کی منزلوں پر پہنچانا چاہتے تھے وہ چاہتے تھے کہ مسلمان جدید علوم وفنون اور انگریزی زبان وادب کے ساتھ ساتھ مشرقی تعلیم حاصل کرنے پر بھی توجہ دیں اس تعلق سے سر سید فرماتے ہیں۔ "اے میرے عزیزو! میری یہ آرزو ہے کہ میں اپنی قوم کے بچوں کو آسمان کے تاروں سے اونچا اور سورج کی طرح چمکتا ہوا دیکھوں پس میں چاہتا ہوں کہ میرے تمام بچے طالب علم جو کالجوں میں پڑھتے ہیں اور جن کے لیے میری آرزو ہے کہ وہ یورپ کے سائنس اور لٹریچر میں کامل ہوں اور تمام دنیا میں اعلیٰ شمار کیے جائیں، ان دو الفاظ لاالہٰ الااللہ اور محمد رسول اللہ کو نہ بھولیں۔" (خطبات سر سید، جلد 2، ص 72)۔ اس تحریک کے مقاصد میں سے ایک یہ بھی تھا کہ مسلمان وقت کے تقاضوں اور حالات کے پیش نظر تعلیم حاصل کریں اور مسلموں کی تعلیمی حالت کے سدھار اور بہتر بنانے کیلئے کانفرنس، سیمینار اور کالجز قائم کئے جائے تا کہ مسلم قوم وقت کا جو اور جیسا تقاضہ ہو اس کے مطابق تعلیم حاصل کریں اس سلسلے میں سر سید لکھتے ہیں "اس وقت ہم کو ضرورت ہے کہ جس قدر جلد ہو سکے ایک تعداد کثیر اور اگر کثیر نہیں تو ایک تعداد معقول اپنی قوم کے نوجوانوں کی پیدا کریں جو علم اور قابلیت میں اور ان علوم میں جو اس زمانہ کی حاجتوں کے لیے ضروری ہے سربر آوردہ ہوں۔" (تہذیب الاخلاق اکتوبر 1992)۔ خلاصتا اس تحریک کے بنیادی طور سے تین مقاصد نظر آتے ہیں۔ اول مسلمانوں کی تہذیبی و ثقافتی بقاء، سیاسی ترقی اور سماجی بلندی، دوم نئے علوم کی روشنی میں دین کی توضیح و تشریح اور توہم پرستی کا بالکلیہ خاتمہ اور سوم اردو زبان وادب کی ترویج واشاعت۔

8.7 مدرسۃ العلوم / محمڈن اینگلو اورینٹل کالج

سر سید احمد خان نے انگلستان کے سفر کے دوران وہاں کے نظام تعلیم اور طرز زندگی کا مشاہدہ کرنے کے بعد جس مسلم کالج کو قائم کرنے کا منصوبہ بنایا تھا وطن واپس آکر اور لوگوں سے چندہ یا امداد جمع کیا حالانکہ یہ ایک مشکل اور کٹھن مرحلہ تھا لیکن آپ نے ہمت نہیں ہاری اور 1875 میں اس کی بنیاد ڈالی اور اس طرح مسلمانوں کے ایک مڈل ہائی اسکول کی بنیاد رکھی گئی جس کو مدرسۃ العلوم کا نام دیا گیا۔ اس کے قیام کے دو سال بعد 1877 میں اس اسکول کو اپ گریڈ کر کے کالج کا درجہ دے دیا گیا اس کالج کا افتتاح اس وقت کے وائسرائے ہند لارڈ لٹن نے خود کیا تھا۔ یہ پورے ہندوستان میں کروڑوں مسلمانوں کے لئے پہلا کالج تھا علی گڑھ کالج میں طلباء مقیم ہوتے تھے اور وہاں ایف۔ اے۔ بی۔ اے۔ ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی کے درجات تک تعلیم حاصل کرتے تھے۔ کالج کے نصاب میں مشرقی علوم کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان و ادب، جدید سائنس اور نئے علوم کے مطالعے کے لیے بھی انتظام کیا گیا تھا۔ آرٹ اور سائنس کی تعلیم کے ساتھ دینیات کی تعلیم بھی لازم تھی۔ چونکہ مسلمانوں نے سر سید کے مذہبی خیالات قبول نہ کیے، اس لیے وہ دینیات کے شعبے سے لاتعلق رہے۔ بہر حال سنی اور شیعہ طالب علموں کو ان کے عقائد کے مطابق دینیات کی تعلیم دی جاتی تھی۔ کالج میں کھیل اور دیگر ادبی، معاشرتی اور ثقافتی تفریحوں کا انتظام بھی تھا۔ ہندو طلباء بھی کالج میں داخل ہوتے تھے۔ 1878 میں اس کالج کا الحاق کلکتہ یونیورسٹی سے ہوا، (1920) الہ باد سے الحاق رہا۔

8.8 یونیورسٹی کا درجہ

سر سید احمد خان نے جس مسلم کالج کو اپنی انتھک کوششوں سے قائم کیا تھا وہ روز بروز ترقی کی منازل طے کر رہا تھا اسی لئے سر سید کا ایک خواب یہ تھا کہ کالج اب یونیورسٹی کی شکل اختیار کر جائے تا کہ اس میں طلبہ کو علم کے حصول میں مزید آسانی ہو لیکن آپ کی زندگی میں یہ دیرینہ خواہش تکمیل کو نہ پہونچ سکی اور آپ کی وفات ہو گئی آپ کے بعد آپ کے رفیق خاص نواب محسن الملک نے یہ بیڑہ اٹھایا لیکن قسمت سے وہ بھی داعی اجل کو لبیک کہہ گئے آپ کے بعد نواب وقار الملک نے اس تحریک (یونیورسٹی کا درجہ ملنا) کو آگے بڑھایا اور یہ تحریک پوری ہندوستان میں پھیل گئی اور لوگوں کی مانگ بھی بڑھنے لگی اس کے بعد حالات اس تحریک کی حمایت کرنے والوں کے مخالف ہوتے رہے اور اسی دوران جنگ عظیم بھی ہوئی لیکن آخر کار 1920 میں سر سید اور ان کے خاص رفقاء کا دیرینہ خواب مکمل ہوا اور اس کالج کو یونیورسٹی کا درجہ دیا گیا اور اب یہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے نام سے جانی جاتی ہے۔ یونیورسٹی ایکٹ نافذ ہونے کے بعد بروئے قانون جنرل لارڈ ریکٹر ہوئے، گورنر جنرل نے نوٹیفکیشن کے ذریعے 3 سال کے لئے ہر ہائنس نواب سلطان جہاں بیگم تاج ہندی جی سی ایس آئی، جی سی آئی ای، جی بی ای سابق فرمانروا بھوپال کو چانسلر اور ہز ہائنس آغا خان کو پرو چانسلر اور مہاراجہ سر محمد علی خان (محمود آباد اودھ) کو وائس چانسلر مقرر کیا۔

8.9 علی گڑھ مسلم یونیورسٹی: قیام کے مقاصد

ہم اوپر کے پیراگراف میں پڑھ کر آئے ہیں کہ سر سید نے مسلم کالج کے قیام کا منصوبہ اس لئے بنایا تھا کہ مسلمان 1857 غدر کے بعد سیاسی، سماجی اور معاشی ہر اعتبار پسماندگی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور تھے اور ساتھ ہی اس غدر کے نتیجے میں انگریز حکومت مسلمانوں کو

اس کا ذمہ دار مانتی تھی جس سے مسلمانوں اور حکومت کا آپس میں ٹکراؤ تھا، سر سید ایک دور اندیش اور درد مند انسان تھے قوم کی پست حالی کے تئیں ان کے دل میں درد صاف نظر آتا ہے قوم کو پستی سے نکالنے اور عصری علوم وفنون سے آراستہ کرنے کرنے کے لئے انہوں نے اس کالج جسے آج پوری دنیا علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے نام سے جانتی ہے قائم کیا تھا اور اس کالج میں انگریز اساتذہ کا تقرر کر کے مسلمان اور حکومت کے درمیان جو ٹکراؤ اور مخالفت کی صورت تھی اس کو ختم کرنا تھا تاکہ ہند کے مسلمان حکومت کے ساتھ ملکر تعلیم حاصل کریں اور اور اپنی حیثیت اور مرتبہ کو بلند کریں۔ دوسرے اس ادارہ کے قیام کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد یہ بھی تھا کہ ہندوستان کے مسلمان دین کے علاوہ دوسرے عصری علوم کو سیکھنے کو ناجائز اور گناہ تصور کرتے تھے سر سید کا نظریہ یہ تھا کہ اس ملک کے مسلمان عصری علوم کو حاصل کئے بغیر ترقی کے منازل طے نہیں کر سکتے لہذا عصری علوم کے حصول کے لیے کسی ادارہ کی ضرورت ہوتی ہے انہیں سب کو ذہن میں رکھتے ہوئے سر سید نے اس کی بنیاد رکھی تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس ادارہ میں الگ سے خواتین کے لئے کالج، یونانی کالج، میڈیکل کالج، انجینئرنگ کالج اور دیگر اسٹڈی سینٹر قائم کئے گئے۔

8.10 قیام جامعہ ملیہ اسلامیہ کا تاریخی پس منظر

مخالف اسلام استعماری سرگرمیوں کی شدت سے مخالفت اور ملت کے اکابرین وسیاسی تدبر رکھنے والی شخصیات کا ہندوستان کی آزادی کے لیے جدوجہد جامعہ ملیہ اسلامیہ کے قیام کے اصل محرکات ثابت ہوئے۔ تحریک خلافت میں متوقع کامیابی حاصل ہونے کے بعد 1920ء میں گاندھی جی اور مولانا ابو الکلام آزاد نے ہندوستان سے برطانوی حکومت کا خاتمہ کرنے، اپنی حکومت قائم کرنے اور غیر ملکی سامان، برطانوی تعلیمی نظام اور ان کے اداروں کا بائیکاٹ کرنے کا مطالبہ کرتے ہوئے تحریک ترک موالات (The Non-cooperation movement) کی تجویز پیش کی جسے جنگ آزادی میں موثر ہتھیار کے طور پر استعمال کیا گیا۔ گاندھی جی کا ماننا تھا کہ برطانوی اداروں کے ساتھ کسی بھی طرح کا تعاون غیر انسانی فعل ہے۔ جلیان والا باغ کے معصوم لوگوں کے قتل عام کی مرتکب برطانوی حکومت کے زیر انتظام چلائے جارہے کالجوں کے ساتھ بھی تعاون نہ کرنے کی اپیلیں کی گئیں۔ مرادآباد میں 9تا11 اکتوبر 1920ء میں منعقدہ ایک کانفرنس میں گاندھی جی نے برطانوی اسکولوں اور کالجوں میں داخلہ لینے کو حرام قرار دیا۔ مولانا آزاد نے کہا جو اشخاص مسلمانوں کے دشمن ہیں ان سے ترک موالات کرنا عین ایمان ہے۔ 12/اکتوبر 1920ء کو گاندھی جی اور علی برداران نے علی گڑھ کالج اسٹوڈنٹس یونین ہال میں طلبہ کے ایک بڑے اجتماع سے خطاب کیا۔ تحریک عدم موالات میں مسلمانوں نے جوش و خروش کے ساتھ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور آزادی کے متوالوں اور جیالوں کے کندھے سے کندھا ملا کر جدوجہد کی۔ مولانا شوکت علی نے علی گڑھ سے 1200 طلبہ کو یونیورسٹی خالی کرنے پر آمادہ کیا۔ رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی طلبہ برادری سے اس تحریک میں شمولیت اختیار کرنے کی اپیل کی تو طلبہ نے انگریزی پروفیسروں کا بائیکاٹ کر دیا جس کی وجہ سے یونیورسٹی ایک عرصہ تک بند رہی۔

اُس وقت طلبہ کی تعلیم و تربیت کا نظم بھی اتنا ہی ضروری تھا جتنا اس تحریک کو پروان چڑھانا بالخصوص مسلمان نسل کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنا چونکہ مسلمان اس وقت تعلیمی لحاظ سے خاصے پسماندگی کا شکار تھے۔ 1905ء میں ہندوستان میں شرح خواندگی افسوس

ناک حد تک کم تھی۔ اور یہ بات مسلم ہے کہ کوئی بھی تحریک، ملک اور قوم وملت اس وقت تک حقیقی ترقی حاصل نہیں کر سکتے جب تک وہ خود کو تعلیم یافتہ نہ بنالیں چونکہ تعلیم اور تعلیمی ادارے کسی بھی تحریک، قوم اور ملک کے لیے شہ رگ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں اقتصادی ترقی بھی تعلیم ہی کی رہین منت ہوتی ہے لہٰذا حقیقی محب وطن وہی ہوتا ہے جو تعلیم کے ذریعہ وطن عزیز ہندوستان کو ترقی یافتہ ممالک کی صف میں کھڑا کر دے۔ تحریک عدم تعاون کے تقاضوں میں سے ایک تقاضہ یہ بھی تھا کہ ہندوستانی بالخصوص مسلمان حکومتی اسکولوں کا بائیکاٹ کریں گے اور اپنے بچوں کو مغربی تعلیمی اداروں کو روانہ کرنے کے بجائے اپنے تعلیمی اداروں میں داخلہ دلوائیں گے جو بیک وقت حکومت سے آزاد بھی ہوں اور قومی و ملی مفادات کا تحفظ کرنے کے پابند بھی۔ اس نازک دور میں ملک و قوم کو مضبوط و مستحکم بنیاد فراہم کرنے کے لیے مسلمانوں پر لازم تھا کہ بغداد اور قرطبہ کی یونیورسٹیوں کے طرز پر اپنے اعلیٰ اور معیاری تعلیمی ادارے قائم کریں جن کی تحقیقات نے یوروپی ممالک کو بھی اپنا گرویدہ بنالیا تھا۔ مشترکہ قومیت اور سیکولر اقدار کے حامل بانیان جامعہ ملیہ اسلامیہ یعنی محمود حسن دیوبندی، مولانا محمد علی جوہر، حکیم اجمل خان، ڈاکٹر مختار احمد انصاری، عبدالمجید خواجہ، اور ڈاکٹر ذاکر حسین جیسے دور رس و جہاندیدہ مذہبی، سیاسی و سماجی رہنماؤں اور رہبران وطن نے مذکورہ بالا مقاصد کی تکمیل، مسلمانوں کی تعلیمی ضروریات کی کفالت اور ملت کی تعمیر نو کی غرض سے سن 1920ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کا قیام عمل میں آیا جس نے نہ صرف ہندوستانیوں کی تقدیر کو بدل دیا بلکہ ہندوستانی تاریخ کے دھارے کو بھی موڑ دیا۔ المختصر تحریک آزادی کی پیداوار عظیم ادارہ جامعہ ملیہ اسلامیہ ہندوستان کا وہ پہلا قوم پرست ادارہ ہے جو تحریک خلافت اور تحریک عدم موالات کے باعث معرض وجود میں آیا۔

نومبر 1920ء کو مہاتما گاندھی نے حکیم اجمل خان، ڈاکٹر انصاری اور علی برادران کی خواہش کو مد نظر رکھتے ہوئے علامہ اقبال کو خط ارسال کیا اور جامعہ کا انتظام سنبھالنے کی درخواست کی۔ علالت اور دیگر ناقابل بیان وجوہات کی بنا پر علامہ اقبال نے معذرت کا اظہار کیا جس کے بعد اتفاق رائے سے مولانا محمد علی جوہر اس عظیم جامعہ کے پہلے شیخ الجامعہ مقرر ہوئے جبکہ اس کے پہلے امیر جامعہ ہونے کا اعزاز مسیح الملک حکیم اجمل خاں کو حاصل ہے جنہوں نے یہ پیشن گوئی کی تھی کہ یہ چھوٹا سا پودا بہت جلد ایک تناور درخت کی شکل اختیار کر جائے گا جس کی شاخیں پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہوں گی۔ مولانا محمد علی جوہر نے شیخ الجامعہ بنتے ہی جامعہ ملیہ اسلامیہ میں روزانہ ایک گھنٹہ درس قرآن کا اہتمام و انتظام فرمایا۔ 1924ء میں ناظم دینیات مولانا خواجہ عبدالحئ تفسیر، محمد علی شاہ حدیث و فقہ، مولانا محمد اسلم جیراج پوری سیرت و تاریخ اسلام کا درس دیا کرتے تھے۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے دیگر ممبران میں مولانا حسرت موہانی، مولانا عبدالماجد، مولانا شوکت علی، ڈاکٹر مختار احمد انصاری، علامہ اقبال، مولانا ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر سیف الدین کچلو، مولانا شبیر احمد دیوبندی، سی ایف ایڈریوز اور پنڈت جواہر لال نہرو وغیرہ جیسی مایہ ناز اور نابغہ روزگار ہستیاں شامل تھیں۔ ایک وقت ایسا بھی آیا جب جامعہ کے نام سے لفظ اسلامیہ کو حذف کرنے کا شدت سے مطالبہ کیا گیا لیکن مہاتما گاندھی کی شدید مخالفت کے بعد اس مطالبہ کو رد کر دیا گیا۔ گرچہ اس یونیورسٹی کا نام جامعہ ملیہ اسلامیہ ہے لیکن یہ جامعہ اپنے طرز عمل میں انتہائی سیکولر اور گنگا جمنی تہذیب کی علمبردار ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اگر کسی کو منی انڈیا دیکھنا ہے تو جامعہ کا دورہ کر لے۔ جامعہ کے سیکولر اقدار کا جیتا جاگتا ثبوت یہ ہے کہ نہ صرف اس جامعہ میں مختلف مذاہب اور مختلف افکار و نظریات کے حامل طلبہ زیر تعلیم ہیں

بلکہ اس جامعہ کے شعبہ اُردو کے صدر کی حیثیت سے پروفیسر گوپی چند نارنگ اور شعبہ ہندی کے صدر کی حیثیت سے پروفیسر مجیب رضوی نے خدمات انجام دی ہیں۔ جامعہ گنگا جمنی تہذیب کا گہوارہ کیوں نہ ہو جب کہ اس کا خمیر جب گوندھا جارہا تو فرقہ وارانہ مصلحتوں کو خاطر میں لائے بغیر گاندھی جی، علامہ اقبال، جواہر لال نہرو اور مولانا ابوالکلام آزاد ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے تھے۔

8.11 جامعہ ملیہ اسلامیہ کے قیام وترقی کے مختلف ادوار

آزادئ ہندوستان سے قبل جامعہ ملیہ اسلامیہ کا آغاز ایک چھوٹے سے ادارے کے طور پر ہوا۔ 29/اکتوبر 1920ء بروز جمعہ ہندوستان کے صوبہ اترپردیش کے شہر علی گڑھ کی جامع مسجد میں معروف مجاہد آزادی اور ممتاز عالم دین شیخ الہند مولانا محمود حسن کی رہنمائی میں ہندوستان کی پہلی قومی تعلیمی درسگاہ یعنی جامعہ ملیہ اسلامیہ کی بنیاد ڈالی گئی تاکہ تمام مذاہب کے لوگ بالخصوص مسلمان یہاں تعلیم حاصل کر سکیں۔ علمی، ادبی اور تہذیبی تاریخ کا روشن باب یعنی جامعہ ملیہ اسلامیہ کا قیام علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے روشن خیال، ترقی پسند اور جذبہ حب الوطنی سے سرشار اساتذہ وطلبہ کی رہین منت ہے۔ پانچ سال بعد یعنی 1925ء میں اس جامعہ کو شہر علی گڑھ سے قرول باغ نئی دہلی میں واقع کرایہ کے مکانوں میں منتقل کیا گیا۔ اسی سال جامعہ بہت بڑے مالی بحران کا شکار ہو گیا۔ اس دوران جامعہ سے ہمدردی اور قلبی تعلق رکھنے والے اور جامعہ کے حیاتی ارکان یعنی برلن یونیورسٹی سے معاشیات میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے والے ڈاکٹر ذاکر حسین، تعلیم میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے والے ڈاکٹر عابد حسین اور آکسفورڈ یونیورسٹی کے مایہ ناز تاریخ داں پروفیسر محمد مجیب نے محض 100 روپیہ ماہانہ تنخواہ پر جامعہ کی خدمات انجام دینے کے لیے از خود راضی ہو گئے۔ ان حضرات نے 1926ء میں تعلیم بالغاں کو یقینی بنانے کے لیے مسائیہ جماعتوں کو متعارف کروایا۔ 1938ء تک تعلیم بالغاں کا منصوبہ شعبہ کی شکل اختیار کر گیا جسے ادارۂ تعلیم وترقی کہا جاتا تھا۔ ان اکابرین ملت کی بے لوث خدمات کے باعث جامعہ کی ترقی دیکھ کر ہر شخص کی زبان پر مرزا غالب کے شعر کا یہ مصرعہ ضرور آہی جاتا ہے... ہم نے دشتِ امکاں کو ایک نقش پا پایا۔ ہندوستان کی آزادی تک جامعہ بے شمار مصائب و مشکلات کے باوجود انتہائی جد وجہد کے ساتھ اپنی منزل مقصود کی طرف گامزن رہا۔ گاندھی جی نے جامعہ کے مالی مسائل کی یکسوئی کے لیے کہا تھا کہ اگر مجھے جامعہ کے لیے کٹورا لے کر بھیک مانگنی پڑی تو میں وہ بھی کروں گا۔ گاندھی جی کی اس بات کا متمول حضرات پر اس قدر اثر ہوا کہ ان حضرات نے دست تعاون دراز کیا اور جامعہ کی مالی دشواریاں ختم ہوئیں۔ مثالی ہندوستان کے خواب کو شرمندہ تعبیر کرنے کی غرض سے قائم کردہ جامعہ ملیہ اسلامیہ سے گاندھی جی کو قلبی لگاؤ تھا اور وہ اکثر خطوط کے ذریعہ ذمہ داران جامعہ سے جامعہ کے حالات کے بارے میں معلومات حاصل کرتے تھے۔ جامعہ کے آرکائیوز میں گاندھی جی کے پانچ (5) خطوط آج بھی موجود ہیں۔ 1928ء میں حکیم اجمل خان کی وفات کے بعد جامعہ دوبارہ مالی بحران کا شکار ہو گیا۔ جامعہ کی معاشی حالات کو سدھارنے کے لیے اس وقت کے شیخ الجامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین کی قیادت میں جامعہ کے اساتذہ نے یہ عہد کیا کہ ہم محض 150 روپیہ کی تنخواہ پر اگلے بیس سال تک جامعہ کے لیے تدریسی خدمات انجام دیتے رہیں گے۔

یکم مارچ 1935ء میں دریائے جمنا کے کنارے اور جنوبی دہلی کے ایک غیر رہائشی علاقہ اوکھلا میں یہ جامعہ منتقل ہوا جہاں محبین جامعہ کی وقف کردہ اراضی پر نئی عمارتوں کے ساتھ اس جامعہ کا سفر آگے بڑھا اور آہستہ آہستہ یہ ادارہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کی شکل اختیار کر گیا

اور یہ نئی بستی جامعہ نگر کہلائی جانے لگی۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ کا قیام بھی اسی ہدف کو پیش نظر رکھتے ہوئے عمل میں لایا گیا تھا تاکہ یہاں طلبہ کے لیے اسکولی سطح سے لیکر اعلی تعلیم تک کا نظم ہو۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ اپنے ابتدائی ایام میں انتہائی مفلوک الحالی کا شکار تھی جہاں چند خیمے تھے جو بیک وقت طلباء کے لیے درسگاہ اور اساتذہ کے لیے دانشگاہ تھا۔ جامعہ کے فرش پر بیٹھ کر علوم وفنون کے دریا بہائے گئے اور مختلف مضامین کے متنوع نظریات کو حل کیا گیا۔ بانیان جامعہ اور اسلاف کی انتھک کوششوں اور قربانیوں کا ہی ثمرہ تھا کہ انتہائی قلیل عرصے میں یہ جامعہ اعلی تعلیمی ادارے کی شکل اختیار کر گیا اور مختلف کالجوں سے الحاق کی درخواستیں موصول ہونی شروع ہو گئیں۔ چار سال کے انتہائی کم عرصے یعنی سن 1924ء تک جامعہ سے بمبئی، ہردوئی، پونہ، حضرو، گجرات، جھانسی، بھٹکل، وانمباڑی، پشاور، سیال کوٹ، علی گڑھ، پشاور، رنگون، سورت اور مکہڈ شریف سے تقریباً سترہ (17) اسکولوں کا الحاق ہو چکا تھا۔ 1938ء میں ڈاکٹر ذاکر حسین کی دعوت پر مذہبی رہنما، عظیم مجاہد آزادی اور ہندوستان کے ولی ثانی مانے جانے والے مولانا عبید اللہ سندھیؒ جامعہ تشریف لائے اور اسکول آف اسلامک اسٹڈیز کا آغاز کیا جسے بیت الحکمت کہا جاتا تھا۔ 1988ء میں شعبہ اسلامک اسٹڈیز کے نام سے مستقل ایک شعبہ کام کرنے لگا۔

پروفیسر محمد مجیب اور ڈاکٹر ذاکر حسین کی کاوشوں کے باعث اس جامعہ کو 1963ء میں ڈیمڈ یونیورسٹی کا درجہ حاصل ہو گیا۔ 1988ء میں ہندوستانی پارلیمنٹ کے ایکٹ (1988/59) کے تحت جامعہ ملیہ اسلامیہ کو مرکزی جامعہ کا درجہ ملا۔ اب یہ مرکزی جامعہ ہندوستان کے دار الحکومت نئی دہلی میں واقع ہے۔ ماہرین تعلیم اور ملت اسلامیہ کا درد رکھنے والوں کی جہد مسلسل کے باعث فروری 2011ء میں نیشنل کمیشن برائے اقلیتی تعلیمی ادارہ جات (این سی ایم ای آئی) نے تاریخی فیصلہ دیتے ہوئے جامعہ ملیہ اسلامیہ کے اقلیتی کردار کو تسلیم کیا جس کے باعث پچاس (50) فیصد نشستیں مسلم طلبہ کے لیے مختص کرنا آسان ہو گیا۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ وہ پہلی مرکزی جامعہ ہے جسے اقلیتی کردار ملا ہے۔ جسٹس صدیقی کمیشن کے چیرپرسن ایم۔ ایس۔ اے صدیقی فیصلہ پر اپنے دستخط ثبت کرتے ہوئے کہا ہمیں یہ بات تسلیم کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں کہ مسلمانوں نے جامعہ کی بنیاد مسلمانوں کے مفاد کے لیے رکھی تھی اور اس نے مسلم اقلیتی تعلیمی ادارے کے طور پر اپنی شناخت کبھی نہیں کھوئی۔ 2006ء میں سعودی عرب کے سلطان سلمان بن عبد العزیز آل سعود کے 3 ملین ڈالر کے نذرانے سے ذاکر حسین لائبریری کا قیام عمل میں لایا گیا۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ ہندوستانی مسلمانوں کے لیے ایک ایسے مرکب تعلیمی نظام کی حامل جامعہ، جہاں زائد از 24 ہزار طلباء و طالبات کو جدید علوم کی تشنگی کا سامان فراہم ہو رہا ہے۔ اسی باعث جامعہ ملیہ اسلامیہ کا شمار ہندوستان کی اہم ترین یونیورسٹیوں میں ہوتا ہے اور وزارت برائے فروغ انسانی اور وسائل کی فہرست میں بھی جامعہ کو اہم مقام حاصل ہے۔

8.12 قیام جامعہ ملیہ اسلامیہ کے اغراض و مقاصد

دنیا میں وہی اقوام و ممالک ترقی حاصل کر سکتے ہیں جن کا تعلیمی نظام مضبوط و مستحکم اور معیار تعلیم اعلی ہونے کے ساتھ جن میں قومیت کا جذبہ بدرجہ اتم موجود ہوتا ہے۔ یہ عناصر و عوامل بہتر نظم و نسق، نئی نئی ایجادات اور سماجی مسائل کو بہترین انداز سے حل کرنے کے لیے از حد ضروری ہوتے ہیں۔ جو افراد تعلیم و قومیت سے تشکیل پانے والے تعلیمی نظام کو اپناتے ہیں تو وہ ایک حقیقی قوم کے طور پر دنیا میں ممتاز ہو جاتے ہیں چونکہ ایسے تعلیمی نظام سے نکلنے والے اکثر لوگ مفاد پرستی اور خود غرضی کی نحوستوں سے بالاتر ہو کر اجتماعی مفاد کو فوقت

دینے والے ہوتے ہیں۔ بنیادی طور پر بانیان جامعہ ملیہ اسلامیہ نے ہندوستانیوں بالخصوص مسلمانوں میں علمی و فنی مہارت پیدا کرنے اور قومی سوچ کو ابھارنے کی غرض سے ہی جامعہ کی اساس رکھی تھی۔ نئی نسل کی صحیح اسلوب پر نشو و نما کا یہ واحد اور بہترین راستہ ہے۔ علاوہ ازیں قیام جامعہ کے دیگر اغراض و مقاصد میں حسب ذیل نکات شامل ہیں: قوم و ملک کے لیے بہترین اور باصلاحیت افراد فراہم کرنا، ہندوستانیوں کے اندر آزادی و ذمہ داری کا احساس پیدا کرتے ہوئے انہیں ذہنی اور جسمانی ہر اعتبار سے کھوکھلا ہونے سے بچانا، برطانوی حکومت کے تسلط اور اس کے آہنی پنجوں سے آزادی حاصل کرنا، ہندوستانیوں کو برطانوی سامراج کے ظلم و ستم، جبر و استبداد اور سماجی و اقتصادی استحصال سے گلو خلاصی پانا، ذہنی غلامی اور ظلم و ستم کے خلاف سینہ سپر ہونے کی طاقت و صلاحیت رکھنے والی نسل تیار کرنا، تعلیم کو سامراجی تسلط سے آزاد کروانا، مسلمانوں کے تعلیمی نظام پر اغیار کے تسلط کو برخواست کرنا، قومی تعلیم کو فروغ دینا، اغیار کے تعلیمی نظام سے متاثر ہوئے بغیر اپنے طور پر تعلیمی نظام چلانا، سماج کے ہر طبقہ تک معیاری تعلیم پہنچانا، ذہنی جمود اور اندھی تقلید کے مقابلے تخلیقی صلاحیت اور اجتہادی فکر کو مہمیز کرنا، نئی نسل کے قلوب و اذہان کو روشن کرکے ان میں ایجاد و اختراع کی صلاحیتیں پیدا کرنا، طلبہ کو اسلامیت اور ہندوستانیت کا اعلیٰ نمونہ بنانا، امت مسلمہ کو سیاسی و سماجی قیادت فراہم کرنا، ایسے طلبہ پیدا کرنا جو مذہب کے پیروکار رہنے کے ساتھ ساتھ فرقہ واریت کے جنون سے محفوظ و مامون رہیں، ایک نئی مشترک ہندوستانی قومیت کی نشو و نما کرنا جو وطن کی آزادی کو ہمیشہ اپنے لیے حرز جاں بنالیں۔ اس جامعہ سے ایسے ہونہار طلبہ فارغ ہوں جو حکومتوں کی سماج، ملک اور عوام مخالف پالیسیوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرسکیں اور ذہنی و فکری بیداری میں انقلابی کارنامے انجام دے سکیں۔ مذکورہ بالا مقاصد جلیلہ کے تحت جامعہ ملیہ اسلامیہ کی تشکیل ہندوستانی یونیورسٹی کے طور پر ہوئی۔ جامعہ روز اول سے مختلف افکار و خیالات اور علوم و فنون کا ایسا علمی گہوارہ رہا ہے جس نے ہندوستانیوں بالخصوص مسلمانوں کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ جامعہ کے فارغین اقوام عالم میں مختلف شعبہ ہائے حیات میں اپنی فکری و تحقیقی مہارتوں اور انتظامی صلاحیتوں کا لوہا منوا رہے ہیں۔

8.13 اردو زبان کی ترویج و اشاعت میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کا حصہ

قیام جامعہ ملیہ اسلامیہ کے ایک سال بعد یعنی 1921ء میں طلباء میں تحقیقی، تخلیقی، تصنیفی، تالیفی، ادبی، شعری، صحافتی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے اور علمی تعمق و فکری بصیرت کو پروان چڑھانے کے لیے جامعہ کا فعال ادارہ یعنی شعبہ تصنیف و تالیف معرض وجود میں آیا۔ اور 1922ء کو شعبہ اشاعت کی داغ بیل ڈالی گئی تاکہ جامعہ کے پیغام سے عوام الناس کو واقف کروایا جائے اس طرح جامعہ سے فکری تحرک، علمی فعالیت اور موضوعاتی وسعت کے حامل رسالہ جامعہ (1923ء)، پیام تعلیم (1926ء) اور رسالہ کتاب نما (1932) کا اجرا عمل میں آیا جو بانیان جامعہ کے افکار و نظریات کے ترجمان تھے۔ مکتبہ جامعہ اپنے قیام ہی سے اُردو زبان و ادب کی نشر و اشاعت کی غرض سے رسائل و جرائد جاری کرتا رہا ہے۔ مکتبہ جامعہ سے مذہب، تحقیق و تنقید، سفر نامہ و خود نوشت، افسانہ و ڈراما، تہذیب و ثقافت، شعر و ادب، فلسفہ و تاریخ، رپورتاژ و طنز و مزاح، سائنسی و سماجی علوم و فنون، غالبیات و اقبالیات پر زائد از چھ ہزار علمی، ادبی، مذہبی، اخلاقی، سیاسی، تاریخی اور سماجی اعتبار سے دستاویزی نوعیت کی حامل کتب شائع ہو چکی ہیں۔ سینکڑوں اصحاب علم و فضل کے افکار و خیالات، تحریرات و نگاراشات اور

مضامین و تخلیقات سے دنیا کو روشناس کروایا گیا اس طرح مکتبہ جامعہ نے اُردو کو علمی زبان کی حیثیت سے پروان چڑھانے اور موضوعاتی اعتبار سے ثروت مند بنانے میں انتہائی گراں قدر کارنامہ انجام دیا ہے۔ فکر و نظر کی گہرائی اور تحقیق کی گہرائی والی کتب کی نشر و اشاعت کے باعث مکتبہ جامعہ کا شمار برصغیر میں اُردو مطبوعات کے صف اول کے اداروں میں ہوتا ہے۔ اس طرح مکتبہ جامعہ نے اُردو ادب کی نشر و اشاعت میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ مولانا محمد علی جوہر کے تخلص سے ماخوذ رسالہ 'جوہر' کی اجرا کے ساتھ ہی جامعہ میں اُردو صحافت کی داغ بیل پڑی۔

8.14 ملک کی تعمیر و ترقی میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کا کردار

کسی بھی ملک کی ترقی میں وہاں کے تعلیمی نظام اور تعلیمی اداروں کا کردار بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے اس حوالے سے جامعہ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ نے قبل اور مابعد آزادی قوم و ملک کی تعمیر و ترقی میں ناقابل فراموش کردار ادا کیا ہے۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ جس نے جدوجہد آزادی میں بھی تاریخ ساز کردار ادا کیا تھا آج بھی ہندوستان کے سیاسی، سماجی اور اقتصادی ترقی میں اپنی اہم خدمات انجام دے رہا ہے۔ جامعہ نے اپنے طلبا و طالبات کو ذات پات، مذہب اور رنگ و نسل سے بالاتر ہو کر ہندوستان کے آئین و اقدار کے لیے ہر طرح کی قربانی پیش کرنے پر ہمیشہ ابھارا ہے۔ جامعہ سے وابستہ افراد نے جامعہ کے متعین اہداف و مقاصد کو پیش نظر رکھا اور اپنی مساعی جمیلہ سے اس کی تکمیل کے لیے ہر ممکنہ اقدام کیا۔ طلبائے جامعہ کے مختلف گروپس قومی اور بین الاقوامی مسائل پر اپنی آرا کا کھل کر اظہار کرتے ہیں اور طلباء کے حقوق کے تحفظ میں پیش پیش رہتے ہیں۔ حالیہ عرصہ یعنی 2020ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کے شعبہ کیمیا کے متحرک و فعال پروفیسر عمران علی نے دنیا کے 24ویں سائنسدان کی حیثیت سے اپنی صلاحیتوں کا لوہا منواتے ہوئے جامعہ کا نام روشن کیا۔ ان کی خدمات کو سراہتے ہوئے انہیں امریکہ کے اعلی درجے کے محققین (ہائیلی سائٹیڈ ریسرچرز۔ ایچ سی آر) کی فہرست میں شامل کیا گیا ہے جس میں 60 ممالک کے 6167 محققین شامل ہیں۔ علاوہ ازیں اس میں 26 نوبل انعام یافتہ محققین کے نام بھی ہیں۔ علاوہ ازیں جامعہ وطن عزیز ہندوستان کی فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور اس کی سالمیت میں بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔ جدید ہندوستان کے معماروں نے ہندوستان میں قومی یکجہتی کو فروغ دینے کے لیے 'تنوع میں اتحاد' کا نعرہ دیا تھا جسے یقینی بنانے کے لیے کئی ادارے تشکیل دیئے گئے تھے ان میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کا شمار بھی ہوتا ہے جو سیکولرازم اور اسلامی تہذیب کا حسین امتزاج ہے۔ فن تعمیر کے اعتبار سے بھی جامعہ ملیہ اسلامیہ طلباء و طالبات کی پہلی پسند ہے یہاں کے فارغین 80 تا 85 فیصد روزگار سے مربوط ہیں۔ علوم و فنون کی آبیاری کے علاوہ جامعہ میں کھیل کود کو بہت زیادہ فروغ دیا گیا ہے۔ مذکورہ بالا حقائق کی بناء پر جامعہ ملیہ اسلامیہ کو عالمی یونیورسٹیوں میں 856 واں مقام حاصل ہے۔ آج بھی جامعہ ہندوستانی روایات کی پاسداری کرتے ہوئے ایک ترقی پسند، طاقتور اور باوقار ملک یعنی ہندوستان کی تعمیر میں اہم کردار ادا کر رہا ہے جس کے باعث جامعہ کی ہندوستان اور بیرون ملک منفرد و نمایاں پہچان ہے۔

8.15 فرہنگ

- تنوع میں اتحاد: Unity in Diversity

- حرز جاں :"بہت عزیز" یا "عزت و حفاظت کے ساتھ دل میں بسایا ہوا"
- متمول : مال دار، دولت مند، امیر
- وزارت برائے فروغ انسانی اور وسائل: Ministry of Human Resource Development

8.16 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- علی گڑھ مسلم یونیورسٹی مرکزی حکومت ہند کے زیر نگرانی تعلیمی اداروں میں منفرد اور بین الاقوامی سطح پر شہرت یافتہ ایک مکمل رہائشی ادارہ ہے۔ یہ یونیورسٹی سرسید کی انتھک کوششوں کے نتیجے میں برٹش دور میں قائم کی گئی تھی۔
- سرسید نے "اسباب بغاوت ہند" میں بغاوت کے اسباب انگریزی حکمران کے سامنے مدلل انداز میں پیش کیے اور ہندوستانی عوام کو بے قصور قرار دیا۔
- علی گڑھ تحریک کو "سرسید تحریک" کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ علی گڑھ تحریک 1857 کے غدر کے بعد مسلمانوں کی پسماندگی کو دور کرنے اور عصری علوم کے حصول کی غرض سے قائم کی گئی تھی۔
- جامعہ ملیہ اسلامیہ ہندوستان کا وہ پہلا قوم پرست ادارہ ہے جو تحریک خلافت اور تحریک عدم موالات کے باعث معرض وجود میں آیا۔ 29/اکتوبر 1920ء بروز جمعہ شیخ الہند مولانا محمود حسن کی رہنمائی میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کی بنیاد ڈالی گئی۔
- 1988ء میں ہندوستانی پارلیمنٹ کے ایکٹ (59/1988) کے تحت جامعہ ملیہ اسلامیہ کو مرکزی جامعہ کا درجہ ملا۔
- سن 1921ء میں طلباء میں تحقیقی، تخلیقی، تصنیفی، تالیفی، ادبی، شعری، صحافتی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے اور علمی تعمق و فکری بصیرت کو پروان چڑھانے کے لیے جامعہ کا فعال ادارہ یعنی شعبہ تصنیف و تالیف معرض وجود میں آیا۔

8.17 نمونہ امتحانی سوالات

8.17.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1. سرسید کی والدہ کا نام ہے؟

(a). وحید بیگم (b). عزیز النساء (c). سلطان جہاں (d). بلقیس بانو

2. برطانوی حکومت نے کس سن میں سرسید کو "سر" کے خطاب سے نوازا؟

1877.(a) 1888.(b) 1887.(c) 1866.(d)

3. سرسید کو پہلی ملازمت کس شہر میں ملی؟

(a). بنارس (b). بجنور (c). غازی پور (d). آگرہ

4. کس عظیم شخص نے سرسید کو "پیغامبر تعلیم" کہا ہے؟

(a). مہاتما گاندھی (b). مولانا ابوالکلام آزاد (c). مولانا قاسم نانوتوی (d). پنڈت جواہر لعل نہرو

5. سائنٹفک سوسائٹی کا قیام کس سال عمل میں آیا؟

1877.(a) 1875.(b) 1862.(c) 1860.(d)

6. جامعہ ملیہ اسلامیہ کا قیام کس سن میں ہوا؟

1857.(a) 1920.(b) 1947.(c) 1988.(d)

7. جامعہ ملیہ اسلامیہ کے پہلے امیر جامعہ کی حیثیت سے کس کا تقرر عمل میں آیا تھا؟

(a). محمود حسن دیوبندی (b). مولانا محمد علی جوہر (c). حکیم اجمل خان (d). ڈاکٹر مختار احمد انصاری

8. تحریک خلافت اور تحریک عدم موالات کے باعث معرض وجود میں آیا؟

(a). علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (b). جامعہ ملیہ اسلامیہ (c). مولانا آزاد (d). سب غلط

9. جامعہ ملیہ اسلامیہ ہندوستان کے کس شہر میں ہے؟

(a). حیدرآباد (b). دہلی (c). لکھنو (d). ممبئ

10. ہندوستانی پارلیمنٹ کے ایکٹ کے تحت کس سن میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کو مرکزی جامعہ کا درجہ ملا؟

1978.(a) 1968.(b) 1988.(c) 1998.(d)

8.17.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1. علی گڑھ تحریک کے اسباب و مقاصد پر مختصر نوٹ لکھیے۔
2. علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا مختصر تعارف پیش کیجیے۔
3. قیام جامعہ ملیہ اسلامیہ کا تاریخی پس منظر بیان کیجیے۔
4. ملک و قوم میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کے کردار پر مختصر نوٹ لکھیے۔
5. علی گڑھ یونیورسٹی اور جامعہ ملیہ کے چند نامور فارغین کا تعارف پیش کیجیے۔

8.17.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. علی گڑھ تحریک اور سرسید کے کردار کا مفصل جائزہ لیجیے۔

2. جامعہ ملیہ اسلامیہ کے قیام پر تحریک عدم موالات کے اثرات کو تفصیل سے بیان کیجیے۔
3. علی گڑھ اور جامعہ ملیہ کے قیام کے اثرات و نتائج پر تجزیاتی مضمون قلمبند کیجیے۔

8.18 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. علی گڑھ تحریک سماجی اور سیاسی مطالعہ : پروفیسر مظہر مہدی
2. سرسید اور علی گڑھ تحریک : پروفیسر خلیق احمد نظامی
3. علی گڑھ تحریک آغاز تا امروز : مرتب نسیم قریشی
4. جامعہ کی کہانی : عبدالغفار مدہولی
5. ہندوستانی مسلمانوں کی قومی تعلیمی تحریک اور جامعہ ملیہ اسلامیہ : شمس الرحمن محسنی
6. ڈرامائی ادب کی ترویج میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کا کردار : ڈاکٹر جاوید حسین
7. جامعہ ملیہ اسلامیہ کی تاریخ: اُردو مصنفین کی نظر میں : پروفیسر شہزاد انجم

معروضی سوالات کے جوابات

1. B	2. B	3.D	4.A	5.C
6.B	7.C	8.B	9.B	10. C

بی۔اے، اسلامک اسٹڈیز

چوتھا سمسٹر

دوسرا پرچہ (ہندوستانی مسلم تحریکات)

جملہ نمبرات:35 **وقت:2گھنٹے**

ہدایات:

1. حصہ اول میں 5 لازمی سوالات ہیں جو کہ معروضی سوالات / خالی جگہ کو پر کرنا / مختصر جوابات والے سوالات ہیں۔ ہر سوال کے لیے ایک نمبر مختص ہے۔ (1x5=5)

i. جمعیت علماء ہند کا قیام کس سن میں ہوا؟

1909.(a) 1919.(b) 1929.(c) 1920.(d)

ii. امارت شرعیہ کا قیام کب عمل میں آیا تھا؟

1918.(a) 1919(b) 1920(c) 1921(d)

iii. امام احمد رضا کس شہر میں پیدا ہوئے؟

(a).بدایوں (b).میرٹھ (c).دہلی (d).بریلی

iv. تبلیغی جماعت کے کل اصول کتنے ہیں۔

(a).آٹھ (b).چھ (c).پانچ (d).دس

v. مرکزی جمعیت اہل حدیث ابتدا میں کس نام سے موسوم تھا؟

(a).جماعت الشبان (b).جماعت غرباء (c).جماعت الدعوہ (d).آل انڈیا حدیث کانفرنس

(ب) حصہ دوم آٹھ سوالات پر مشتمل ہے اور پانچ سوالات کے جوابات دینے ہیں ہر سوال کا جواب تقریباً سو لفظوں پر مشتمل ہوگا۔ ہر سوال کے لیے 4 نمبر مختص ہیں۔ (5x4=20)

2. جمعیت علمائے ہند کے قیام کے اسباب بیان کیجیے۔
3. تحریک ترک موالات میں جمعیت علماہند کی شمولیت کو واضح کریں۔
4. امارت شرعیہ کے مقاصد پر ایک نوٹ لکھیے۔
5. فقہ میں مولانا احمد رضا کا علمی مقام بیان کیجیے۔

6. تبلیغی جماعت کے آغاز وارتقاء پر گفتگو کیجیے۔
7. دارالعلوم دیوبند کے نصاب تعلیم پر بحث کیجیے۔
8. مرکزی جمعیت اہل حدیث کا منہج اور تنظیم و تشکیل کو مختصراً ذکر کریں۔
9. علی گڑھ تحریک کے اسباب و مقاصد پر مختصر نوٹ لکھیے۔

(ج) حصہ سوم میں دو سوالات ہیں۔ ان میں سے طالب علم کو کوئی ایک سوال کا جواب دینا ہے۔ سوال کا جواب تقریباً 250 لفظوں پر مشتمل ہو۔

(1x10=10)

10. جمعیت علمائے ہند کے اجلاس کے مقاصد مفصل تحریر کریں۔
11. دارالعلوم ندوۃ کے لکھنو قیام پر تفصیلی مضمون لکھیے۔